به این بهانه درین بزم محرمی جویم
غزل سرایم و **پیغام آشنا** گویم (اقبالؒ)

از هر چه می رود سخن دوست خوشترست
پیغام آشنا نفس روح پرورست (سعدیؒ)

ثقافتی قونصلیٹ اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد

سفرِ عشق

با دلِ تنگ به سوی تو سفر باید کرد
از سرِ خویش به بتخانه گذر باید کرد

پیرِ ما گفت ز میخانه شفا باید جست — از شفا جستنِ هر خانه حذر باید کرد

آنکه از جلوهٔ رخسار چو ماهت پیش است — بی گمان معجزهٔ شقِ قمر باید کرد

گر درِ میکده را پیر به عشاق گشود — پس از آن آرزوی فتح و ظفر باید کرد

گر دل از نشئهٔ می دعوی سرداری داشت — به خود آید که احساس خطر باید کرد

مژده ای دوست که روزی سرِ خم را بگشود — باده نوشان لب از این مژده تر باید کرد

در رهِ جستنِ آتشکده سر باید باخت — به جفا کاری او سینه سپر باید کرد

سرِ خم باد سلامت که به دیدار رخش — مستِ ساغر زده را نیز خبر باید کرد

طرّهٔ گیسوی دلدار به هر کوی دری است
پس به هر کوی و در از شوق سفر باید کرد
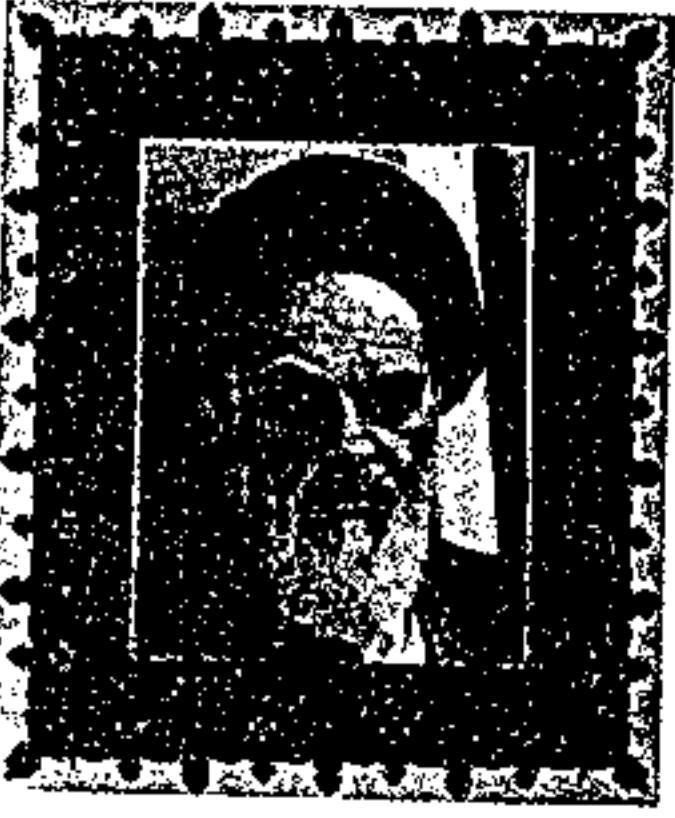
عورت امام خمینیؒ کی نگاہ میں

(یوم خواتین کی مناسبت سے)

☆ اگر عورت کے نام کا کوئی دن معین کیا جائے تو فاطمہ زہرا (س) کے یوم ولادت باسعادت سے بڑھ کر باعث افتخار اور عالی شان کونسا دن ہوگا؟

☆ معاشرے میں عورت کی ذمہ داری نہایت عظیم ہے عورت انسان کی امیدوں کا محور ہے۔

☆ عورت انسان کی تربیت کنندہ ہے اس کے دامن سے مرد کو معراج ہوتی ہے۔

☆ معاشرے میں عورت کی ذمہ داریاں مرد کی ذمہ داریوں سے بڑھ کر ہیں اس لیے کہ عورتیں ہر اعتبار سے خود ایک فعال صنف ہونے کے باوجود ایک سرگرم صنف کو اپنی گود میں پالتی ہیں۔

☆ ایران میں سب سے بڑی چیز عورتوں میں پیدا ہونے والی تبدیلی تھی۔

☆ اگر انسان ساز عورتوں کو ملت سے چھین لیا جائے تو ملتیں ناکام اور زوال پذیر ہو جائیں گی۔

☆ انسانی حقوق کے اعتبار سے عورت و مرد میں کوئی فرق نہیں اس لیے کہ دونوں انسان ہیں اور اپنی سرنوشت معین کرنے کا مرد کی طرح عورت کو بھی حق حاصل ہے۔

☆ اسلام فساد (بداخلاقی) کا مخالف ہے اور اسے حرام قرار دیتا ہے خواہ وہ فساد مرد کی طرف سے ہو یا عورت کی طرف سے ہم عورتوں کو اس فساد سے جو انہیں للکار رہا ہے آزاد کرنا چاہتے ہیں۔

☆ اگر مائیں بافضیلت ہوں تو بافضیلت اولاد معاشرے کے حوالے کرتی ہیں۔

☆ ماں کے کام سے زیادہ شرافت مندانہ کوئی کام نہیں معاشرے کے لیے ماں کی خدمت استاد اور ہر ایک کی خدمت سے بڑھ کر ہے۔

☆☆☆

عورت رہبر معظم
آیت اللہ خامنہ ای کی نگاہ میں

☆ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لیے حضرت فاطمہ زہراء (س) کے ہاتھوں کا بوسہ لیا کہ وہ کامل انسان کی حیثیت سے نمونہ ہیں۔

☆ اہل غرب نہیں چاہتے کہ تیسری دنیا کی خواتین بلند پرواز، روشن فکر اور بلند اہداف کی حامل ہوں۔

☆ اگر مسلمان خواتین نہ ہوتیں تو ہمارے میدان جنگ اس طرح شجاعت، شہامت اور جنگجو جوانوں کی قربانیوں سے بھرے ہوئے نہ ہوتے۔

☆☆☆

شمارہ ۱۳-۱۴

ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ/خرداد ماہ ۱۳۸۲ش/ جون ۲۰۰۳ء

ایران اور پاکستان کے ثقافتی تعلقات کے بارے میں مطالعات اور تحقیقات پر مشتمل سہ ماہی مجلہ

ثقافتی قونصلیٹ اسلامی جمہوریہ ایران

مکان نمبر ۲۵' سٹریٹ نمبر ۲۷' F-6/2' اسلام آباد

Webs: www.irancultural Consulate.org.PK

ھیأت تحریریہ و مشاوران علمی

جناب ڈاکٹر رضا مصطفوی سبزواری	کلچرل قونصلر، سفارت ج۔ا۔ا۔ اسلام آباد
جناب ڈاکٹر محمد سلیم اختر	پرنسپل ریسرچ فیلو، قومی ادارہ تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد
جناب ڈاکٹر سید محمد اکرم	پروفیسر وصدر شعبہ اقبالیات، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
جناب ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری	ڈائریکٹر جنرل، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد
جناب ڈاکٹر بشیر انور	خانہ فرہنگ ج۔ا۔ ایران، ملتان
جناب افتخار عارف	صدر نشین، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد
محترمہ ڈاکٹر صغریٰ بانو شگفتہ موسوی	سابق صدر شعبہ فارسی، نمل، اسلام آباد
جناب مرتضیٰ موسوی	سابق ڈائریکٹر جنرل، پاکستان نیشنل سنٹرز، اسلام آباد
جناب ڈاکٹر غضنفر مہدی	سیکرٹری، انجمن تاریخ و آثار قدیمہ، اسلام آباد
جناب ڈاکٹر سید علی رضا نقوی	سابق صدر، شعبہ فقہ اسلامی، اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد
جناب ڈاکٹر محمد صدیق خان شبلی	صدر، شعبہ اقبالیات، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد
جناب ڈاکٹر گوہر نوشاہی	استاد زبان و ادبیات اردو، دانشگاہ نمل، اسلام آباد

فہرست

اردو

اداریہ

اقبالیات

اکابر اسلام

یادِ رفتگان

سفریات

آثارِ قدیمہ

فارسیات

کلمات ذہبیہ

ایرانی شخصیات

منظومات

نئی مطبوعات

گردوپیش

قارئین کے خطوط

فہارس

چکیدہ مطالب بہ فارسی

☆☆☆

پیشگفتار

رایزنی فرهنگی ج.ا.ایران در پاکستان افتخار دارد که این شمارهٔ مجلهٔ پیغام آشنا را در آستانه یوم آزادی و **روز استقلال** پاکستان ،کشور دوست و برادر دیرینه و هم فرهنگ و هم دین و هم نژاد و همسایه و تقریباً همزبان خود انتشار می‌دهد.

این روز فرخنده را به مردم آزاده و شریف پاکستان تبریک می گوید و از درگاه پروردگار برای بنیادگذاران نیک اندیش و والا مقام پاکستان جزای خیر و مغفرت آرزو می‌کند.

نیز دست اندرکاران مجله شادمانند که تمام کوشش خود را بکار بسته‌اند تا در راه نشر مطالب فرهنگی و علمی مستَنَد دو کشور گامهای استوارتری بردارند و برای انتشار فرهنگ مشترک و غنی مشرق زمین و معرفی آن به جهانیان تلاش کنند. ایران و پاکستان در درازای تاریخ کهنسال خود همواره روابط و پیوندهای ناگسستنی داشته‌اند زیرا به قول علاّمه اقبال :

مدّعای ما، مآل ما یکیست　　　طرز و انداز و خیال ما یکیست

هر دو محرم راز یکدیگریم، هر دو خواهان اعتلا و بزرگداشت مشرق زمینیم و می‌خواهیم عظمت و اصالت و فرهنگ بلند شرق را به گوش جهانیان برسانیم و افتخارات دیرینه‌مان را بازگوئیم و به آنها ببالیم و بازهم با علامه اقبال هم آواز شویم که :

خوش بیا ای نکته سنج خاوری　　　ای که می زیبد تو را حرف دری

محرم رازیم با ما رازگوی　　　آنچه می‌دانی ز ایران بازگوی

ما هر دو مسلمانیم و آنچه داریم از برکت اسلام است. همدل و همزبانیم و برباورهای اسلامی مان پای می‌افشاریم و به آیهٔ شریفهٔ انّماالمؤمنونَ اِخوْه اعتقاد داریم و به قول علامه اقبال :

ما ز نعمتهای او اخوان شدیم　　　یک زبان و یک دل و یک جان شدیم

دکتر رضا مصطفوی
رایزن فرهنگی ج.ا.ایران
(استاد دانشگاه)

(۲۳/ مرداد ۱۳۸۲ (۱۴ اگوست ۲۰۰۳ ـ اسلام‌آباد)

حرف آغاز

کلچرل قونصلیٹ اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد کو یہ افتخار حاصل ہے کہ اپنے برادر ہم ثقافت، ہم دین، ہم نسل، ہمسایہ اور تقریباً ہم زبان ملک پاکستان کے یوم آزادی کی دہلیز پر مجلہ پیغام آشنا کا یہ شمارہ شائع کر رہا ہے۔ ہم پاکستان کی آزاد، شریف اور نجیب ملت کو اس پر مسرت دن کے موقع پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے اس ملک کے خیر اندیش اور عالی مقام بانیان کے لیے خداوند متعال سے جزائے خیر اور مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

مجلے کی انتظامیہ اور کارکنوں کو اس بات کی خوشی ہے کہ وہ دونوں ممالک کے مستند ثقافتی اور علمی موضوعات و مطالب کی اشاعت کے سلسلے میں اپنی تمام تر کوشش اور جدوجہد کر رہے ہیں اور مشرق کی سرزمین کی مشترکہ ثروتمند ثقافت کی ترویج نیز اسے اہل دنیا سے متعارف کرنے کی تلاش و جستجو میں مشغول ہیں۔ ایران اور پاکستان اپنی طویل قدیم اور دیرینہ تاریخ کے دوران ہمیشہ اٹوٹ رشتوں میں منسلک رہے ہیں کیونکہ بقول اقبال:

مدعای ما، مآل ما یکیست   طرز و انداز و خیال ما یکیست

ہم دونوں باہم محرم راز اور سرزمین مشرق کی سربلندی اور مجد و عظمت کے خواہشمند ہیں اور چاہتے ہیں کہ مشرق کی عظمت، اصالت اور ثقافت کا دنیا میں چرچا کریں، اپنے دیرینہ مفاخرات کو بیان کریں، ان پر ناز کریں اور اس کے بعد ہم علامہ اقبال کی آواز میں آواز ملاتے ہیں کہ:

خوش بیا ای نکتہ سنج خاوری   ای کہ می زیبد تو را حرف دری

محرم رازیم با ما راز گوی   آنچہ می دانی ز ایران باز گوی

ہم دونوں ممالک مسلمان ہیں اور ہمارا جو کچھ ہے وہ اسلام کی برکت سے ہے۔ دونوں ہمدل اور ہم زبان ہیں اور اپنے اسلامی اعتقادات پر اصرار کرتے ہیں! ہم انما المومنون اخوۃ کی آیہ شریفہ پر ایمان رکھتے ہیں اور بقول اقبال:

ما ز نعمتہای او اخوان شدیم   یک زبان و یک دل و یک جان شدیم

ڈاکٹر رضا مصطفوی

رایزن فرہنگی ج۔ا۔ایران و یونیورسٹی پروفیسر

۲۳ مرداد ۱۳۸۲ (۱۴ اگست ۲۰۰۳ء) اسلام آباد

اقبالیات

اقبال منزل سیالکوٹ کی زیارت☆

پروفیسر ڈاکٹر رضا مصطفوی☆☆

ہمیں ایک موقع ملا کہ جمعرات ۲۹ مئی ۲۰۰۳ء (۸ خرداد ۱۳۸۲ش) کو علامہ اقبالؒ کے گھر (اقبال منزل) کی زیارت کے لیے اسلام آباد سے عازم سیالکوٹ ہوں۔ سیالکوٹ ڈاکٹر محمد اقبال کا مقام پیدائش ہے۔ علامہ اقبال پاکستان کے معروف مفکر شاعر ہیں اور جنہوں نے ایران کے برادر ہمسایہ ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان کی داغ بیل ڈالنے میں قابل قدر کردار ادا کیا۔

راستے میں ہم شیخوپورہ اور گوجرانوالہ کے شہروں سے گذرے جہاں ہم بھوسے کے خرمنوں کے حفاظت کے لیے ان پر مٹی اور بھوسے کی لپائی، اور وسیع و عریض دشت جن میں چوپایوں کو سرسبز کھیتوں میں چرتے اور پانی پیتے ہوئے دیکھ کر لطف اندوز ہوئے۔ حیـــن تریحون و حین تسرحون۔

سورج مکھی بھرے زرد کھیتوں میں سورج مکھی کے پھولوں کو سورج کی گردش کے ساتھ ساتھ اپنے چہرے گھماتے دیکھا۔ گویا وہ ایک لحہ بھی کائنات کی عظیم ترین صنعت یعنی سورج کو دیکھنے سے غافل نہ ہوتے ہوں اور اپنے سیاہ تسبیح جیسے دانوں کے ذریعے حق تعالٰی کی تسبیح و تقدیس کرتے ہوں۔ راستے بھر یہ سب چیزیں ہمیں پاکستان کے حسین مناظر دیکھنے کا مشتاق

☆اس مقالے کا فارسی متن گزشتہ شمارے میں شائع ہوا تھا۔ پاکستان بھر سے ہمارے عزیز دوستوں نے اس سلسلے میں نہایت کرم اور محبت کا اظہار کیا چنانچہ علامہ اقبال کے فرزند ارجمند ڈاکٹر جاوید اقبال نے اس شمارے کے بارے میں ہمیں لکھا کہ شمارہ نہایت اہم مقالوں پر مشتمل ہے اور یقیناً بہت پسند کیا جائیگا۔

☆☆یونیورسٹی پروفیسر و رایزن فرہنگی اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد

بناتی رہیں۔ یہاں تک کہ ہم ڈسکہ کے قصبے سے گذرے اور پھر بالآخر ہماری آنکھوں کو جس شہر۔ سیالکوٹ۔ کے دیکھنے کی آرزو مدتوں سے تھی وہ ان سے منور ہوئیں۔ وہ شہر جس سے محبوب کی خوشبو آتی تھی اور جو مشرق کے اعلیٰ ترین مفکر، علامہ اقبال کا مقام تولد تھا۔ ہم نے شہر کی تنگ اور پر ہجوم گلیوں کو کعبہ محبوب کے شوق میں ایک خوشگوار و معطر راہرو کی طرح طے کیا۔ گذرتے ہوئے ہم اس باعظمت و پرشکوہ شہر کی تاریخ پر غور کرتے رہے۔ وہ شہر جو پاکستان بلکہ برصغیر پاک و ہند کے قدیم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے اور اس کا نام دنیا کی معتبر ترین حماسی اور رزمی کتابوں مہابھارت اور رامائن میں بھی آیا ہے۔ شہر کے گرداگرد واقع بلند و بالا ٹیلے اس کی ماضی کی داستانیں بیان کرتے ہیں۔ یہ شہر ایک دور میں پنجاب کا دارالخلافہ تھا اور کہتے ہیں کہ اس کی بنیاد راجہ سل (شالیا دایی پنداوس) نے رکھی، نیز یہ کہ اس کے جانشین اس شہر پر پندرہ سو سال تک حکومت کرتے رہے۔ اس رزمی و دلاور شہر کو اگرچہ سیلاب نے تباہ کر دیا لیکن مہاراجہ وکرماجیت کے زمانے میں اس نے اپنی شان و شوکت دوبارہ حاصل کر لی اور اس کی حفاظت کے لیے قلعے تعمیر کیے گئے لیکن راجہ رسالو کی وفات کے بعد یہ قحط اور جنگ کے سبب برباد ہو گیا۔

سیالکوٹ اپنی محکم فصیلوں اور گہری خندقوں کے باوجود ۳۲۶ ق م میں اسکندر اعظم سے مغلوب ہوا اور اس جنگ میں شہر کا دفاع کرنے والوں میں سے سترہ ہزار افراد قتل کر دیے گئے اور ستر ہزار قیدی بنا لیے گئے۔

بہر حال اسکندر کی طاقتور فوج نے شہر ساگالہ کو نیست و نابود کر دیا یہاں تک کہ یہ موریہ خاندان کے زمانے میں دوبارہ تعمیر ہوا اور بدھ مت کے پیروکاروں کا عظیم ترین مرکز بن گیا۔ عظیم چینی سیاح ھیون سانگ نے جو ساتویں صدی کے اوائل میں اس شہر میں آیا لکھا کہ شہر کا حصار گر چکا تھا مگر اس میں ایک خانقاہ موجود تھی جس میں سو راہب ہریانہ یا بدھ مت کی تعلیم

حاصل کرنے میں مصروف تھے۔

اسلامی دور میں محمود غزنوی نے اس شہر کو فتح کیا اور ۵۱۰ھ میں شہاب الدین غوری نے اس کے قلعے کی تعمیر نو کی، اور اس کے امور کی نگہبانی کے لیے گورنر مقرر کر دیا۔ شہنشاہ اکبر کے دور میں سیالکوٹ نے پر امن زمانہ گذارا اور شاہجہان کے دور حکومت میں یہ دانشوروں اور لکھاریوں کا مرکز بن گیا۔ اورنگ زیب نے اس شہر کی معروف مسجد کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۰۷ء میں سکھوں نے اس پر حملہ کر کے لوگوں کا قتل عام کیا جس کے نتیجے میں اس کی رونق گہنا گئی۔

پاکستان بننے کے بعد سیالکوٹ نے ہمہ جانبہ ترقی حاصل کی ۔ اور آج یہ آلات جراحی، کھیلوں کے سامان اور زرعی آلات اور اوزاروں کی صناعی مرکز بن چکا ہے۔

میرے ذھن میں سیالکوٹ کی تاریخ کی ورق پلٹتے چلے جا رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ اگر چہ یہ شہر تاریخی اعتبار سے بہت سارے انقلابات و ناگوار حوادث کا شکار رہا ہے اور بے شمار امتحانوں و آزمائشوں سے سر بلند ہو نکلا ہے اور معاصر تاریخ میں بھی مشرق کے شہرہ آفاق مفکر علامہ محمد اقبال کے مولد کی طور پر دوبارہ مشہور ہوا اور اس کے معزز و مکرم فرزند کی شہرت دنیا میں پھیل گئی اور حقیقت یہ ہے کہ اقبال کے ظہور نے اس شہر کی بعض ناکامیوں اور نامرادیوں کی تلافی کر دی ہے۔

ہم ''اقبال منزل'' پہنچے تو تھوڑی دیر گھر کے باہر رکے اور اس گھر کی معرفت کے راز پر غور کیا اور اس کی نظم ''خطاب بہ جوانان عجم'' کے بعض شعر گنگنائے:

غوطہ ھا زد در ضمیر زندگی اندیشہ ام
تا بہ دست آوردہ ام افکار پنہان شما

حلقہ گرد من زنید ای پیکران آب و گل
آتشی در سینہ دارم از نیاکان شما

مجھے ایران کے شہرہ آفاق شاعر خاقانی کی یاد آئی جس نے مدائن سے گذرتے ہوئے طاقِ کسریٰ کا مشاہدہ کیا اور اس محل کی عظمت رفتہ سے اتنا متاثر ہوا کہ مشہور قصیدہ "ایوان مدائن" لکھ ڈالا اور وہ نظم اتنے عمدہ سلیقے اور نادر اسلوب سے کہی کہ اس کے بعد بھی جس کسی نے اس قصیدے کو پڑھا خاقانی کے جذبات و احساسات بعینہ اس تک منتقل ہو گئے۔ وہ کہتا ہے:

گہ گہ بہ زبان اشک آواز دہ ایوان را
تابو کہ بہ گوش دل پاسخ شنوی ز ایوان
دندانہ ہر قصرِ پندی دھدت نو نو
پند سر دندانہ بشنو ز بن دندان

ترجمہ: (کبھی کبھار اشکوں کی زبان سے اس ایوان کو صدا دے تاکہ تو دل کے کانوں اور سماعت سے اس ایوان کا جواب سن لے۔ اس قصر کا ہر کنگرہ تجھے نت نئے درس دیتا ہے۔ ان کنگروں کی نصیحتوں اور عبرتوں کی داستان کو اپنی سماعت کی پوری قوت سے سن!)

میں دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ جب علامہ اقبالؒ کے دادا بزرگوار شیخ محمد رفیق نے یہ تین کمروں کا مکان خریدا تھا تو کیا وہ جانتے تھے کہ ایک دن ان کا پوتا پاکستان کی عظیم ترین شخصیت یہاں تک کہ اس کے بنانے والوں میں شامل ہو جائے گا اور شرف المکان بالمکین کے مقولے کے مطابق یہ چھوٹا سا مکان کسی دن بڑی رفعتوں اور عظمتوں کا مالک بنے گا اور اس کے پوتے کی محبت میں مبتلا لوگ دور و نزدیک سے اس گھر کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے آیا کریں گے؟ اور کیا اقبالؒ کے والد شیخ نور محمد نے دسمبر ۱۸۹۳ء میں اس مکان کے پہلو میں

واقع جو دو کمروں کے مکان کی خریداری کے وقت بھی یہ سوچا تھا کہ اس میں ان کا نابغۂ روزگار فرزند پیدا ہوگا۔ ''اقبال منزل'' کی موجودہ عمارت کی تین منزلیں اور دس کمرے ہیں اور اس کا ہر گوشہ علامہ اقبال کی ولادت، پرورش اور بالیدگی کی جانب اشارہ کرتا ہے۔

اسی گھر میں محمد اقبالؒ نے آنکھ کھولی اور شیخ نور محمد اور امام بی بی جیسے والد اور والدہ سے تربیت حاصل کی اور سید میر حسن جیسے استاد کی تعلیم سے بہرہ مند ہوئے اور میٹرک تک کی تعلیم یہیں رہ کر حاصل کی آج بھی مڈل کلاس اور میٹرک کے امتحانات جو ۱۸۹۱ء اور ۱۸۹۳ء میں انہوں نے پاس کیے تھے ان میں حاصل کردہ میڈل ان کی صلاحیتوں، نبوغ اور ذہانت کی یادگار کے طور پر اس گھر کے کمروں کی دیوار پر نصب ہیں۔

تعلیمی سلسلے میں لاہور چلے جانے کے بعد بھی اقبال کا اپنے آبائی گھر سے رابطہ برقرار رہا اور وہ وہاں آتے جاتے رہے یہاں تک کہ وہاں وہ اپنے اعزہ و اقربا جن میں بھائی، بہن، چچازاد اور دیگر متعلقین شامل تھے، کے درمیان موجود رہتے اور راتوں کو گھنٹوں اپنے والد سے علمی گفتگو کرتے مثنوی **اسرارِ خودی** جو اس زمانے یعنی ۱۹۱۴ء میں لکھ رہے تھے اس پر دونوں کی گفتگو ہوتی اور پھر جب ۱۹۱۵ء میں مذکورہ مثنوی شائع ہوگئی تو انہوں نے اپنے والد بزرگوار کو اس کا ایک نسخہ ارسال کر دیا جو بعد میں متواتر ان کے زیرِ مطالعہ رہا چونکہ اپنے بیٹے کے علمی کاموں میں سے ان کا پسندیدہ تر علمی کام یہی تھا۔ اسی گھر میں اقبال کی ایک دوسری مثنوی پس چہ باید کرد ای اقوامِ شرق پر بھی باپ بیٹے میں بحث مباحثہ اور صلاح مشورے ہوا کرتے تھے۔

علامہ اقبالؒ کے عزت مآب فرزند ڈاکٹر جاوید اقبال حفظہ اللہ بھی ۵/اکتوبر ۱۹۲۴ء کو اسی گھر میں متولد ہوئے تھے۔ حکومت پاکستان نے ۱۹۷۱ء میں یہ گھر ایک لاکھ پچیس ہزار روپے میں خریدا اور اسے پاکستان کے آثارِ قدیمہ کے طور پر رجسٹر کر لیا۔ مالکان مکان نے گھر کا تمام

سامان بھی تحفے کے طور پر دے دیا تا کہ ہمیشہ اقبال کے شیفتگان اور دلدادہ افراد انہیں دیکھ کر اس کی یاد تازہ کر سکیں۔ ''اقبال منزل'' ہی میں ۵ ہزار کتابوں پر مشتمل ایک کتب خانے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے تا کہ اقبال شناس دانشور اور طالب علم اس سے استفادہ کر سکیں۔

اقبال کے گھر کا کونہ کونہ جس میں ان کے کمرۂ ولادت سے لے کر اسٹڈی اور والد اور دوسرے افاضل اور حکام سے مباحثے اور مشورے کی جگہ تک تمام کے تمام پکار پکار کر کہتے ہیں:

پندار همان است از دیدهٔ فکرت بین
در سلسله درگه در کوکبهٔ میدان

ترجمہ: اب بھی یہ سوچ لے کہ یہ وہی زمانہ ہے اور زنجیر (ایوان عدل) اور اس ایوان کی شکوہ وعظمت کی جانب دیکھ!

دروازے کے اوپر موجودہ بالکونی جو اس زمانے میں محلّہ چولی گران جو آج کل اقبال روڈ کے نام سے معروف ہے، کی طرف کھلتی ہے اور ظاہراً یہی وہ بالکونی ہے جہاں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے علاقے کے لوگوں سے خطاب کیا تھا، بہ زبان حال لوگوں سے کہہ رہی ہے کہ:

ما بارگه دادیم این رفت ستم برما
برقصر ستمکاران تا خود چه رسد خذلان

(ترجمہ: ہم جو عدل وانصاف کی بارگاہیں تھیں جب ہم پر یہ ستم ہوا (ویرانی و بربادی کا) تو معلوم نہیں ظالموں اور ستمگروں کی محلات کے حصے میں کیا رسوائی وذلت آئے گی۔)

اور پھر یہی بالکونی یادوں کو بلند آواز میں صدا دیتی ہے:

بر دیدۂ من خندی کاینجا ز چہ می گرید؟
خندند بر آن دیدہ کاینجا نشود گریان

ترجمہ: تو میری روتی آنکھوں پر ہنستا ہے کہ وہ اس ویران محل کو دیکھ کر کیوں روتی ہیں مگر جان لو کہ لوگ اس آنکھ پر ہنستے ہیں جو یہاں آ کر اور یہ سب ویرانی دیکھ کر بھی نہ روئے!

''اقبال منزل'' کی زیارت اقبال کی تصویر پر لگے ہوئے اس شعر پر اختتام پذیر ہوتی ہے کہ:

خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نور بصیرت عام کر دے

اور دوبارہ ہمیں خاقانی کی یاد آ جاتی ہے کہ:

این بحر بصیرت بین بی شربت ازو مگذار
کز شط چنین بحری لب تشنہ شدن، نتوان

والسلام علی من اتبع الهدی
(۲۹ مئی ۲۰۰۳ء)

☆☆☆

اقبال کا تصورِ تاریخ

ڈاکٹر اسلم انصاری☆

تاریخ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا مادہ ''ا ر خ'' ہے، جس کے معنی حالات اور وقائع کو بیان کرنا یا رقم کرنا کے ہیں، لفظ'' مورخہ'' اردو میں دن یا تاریخ (Date) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، اس کے اصل معنی ہیں ''فلاں تاریخ کو لکھا گیا۔'' (written on such and such date) گویا تاریخ کے لفظ میں ہی لکھے جانے (یا بیان ہونے اور منضبط) ہونے کا مفہوم شامل ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو تاریخ کے لغوی معنی وقائع نگاری (Historiography) کے ہیں۔ مؤرخ وہ ہے جو حالات و واقعات کو (ان کی تاریخی ترتیب کے اعتبار سے) رقم کرتا ہے، یا کرتا رہتا ہے۔ یہ بات البتہ قابلِ ذکر ہے کہ تاریخ یا اس کے مادّے کے اشتقاقات میں سے کوئی لفظ قرآنِ کریم میں استعمال نہیں ہوا۔ سوال کیا جا سکتا ہے کہ پھر قرآنِ کریم میں تاریخ کے مفہوم یا تصور کو کن الفاظ سے ظاہر کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں گذشتہ واقعات اور ادوار کے لیے ایام (یوم کی جمع) یا ایام اللہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مثلاً تلک الایام نداولھا بین الناس (یہ ادوار ہیں، جن کو انسانوں کے درمیان پھرایا جاتا ہے، یعنی اقوام اور انسانوں گروہوں کو عروج و زوال سے آشنا کیا جاتا ہے۔) عرب عام طور پر تاریخ کے لیے ایام کا لفظ ہی استعمال کرتے تھے، اور چونکہ انہیں عربوں کے ماضی کے علاوہ کسی اور سے سروکار نہیں تھا، اس لیے ''ایام العرب'' کا لفظ ان کے ہاں تاریخ کا قائم مقام تھا۔

☆ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

(انگریزی زبان میں (History) کا لفظ یونانی زبان کے لفظ historia سے ماخوذ ہے، جس کے معنی تلاش، جستجو، اور تحقیق کے ہیں۔ لغت میں لفظ ہسٹری کے معنی ہیں۔ ''عوامی نوعیت کے واقعات کا مسلسل اندراج جو کسی خاص طریقِ کار کی پابندی کے ساتھ کیا گیا ہو۔ نیز اس سے مراد ہے:

۱۔ قوموں کے نشو و ارتقاء کا مطالعہ اور

۲۔ کسی قوم یا شخص سے وابستہ مسلسل واقعات

اسی طرح انگریزی لغات میں اس بات کی تصریح بھی ملتی ہے کہ ہسٹورین (مؤرخ) سے مراد ایسا شخص ہے جو بلند تر معنوں میں تاریخ نگار ہو نہ کہ صرف وقائع نگار۔ یونانی زبان میں Histor سے مراد ہے پڑھا لکھا یا عالم فاضل آدمی، گویا ہسٹورین وہ آدمی ہو گا جسے زیادہ سے زیادہ علوم سے آگہی حاصل ہو اور وہ واقعات کی روح کو سمجھنے کے قابل ہو)

علامہ اقبال، جنہوں نے حیات و کائنات کے بیشتر بنیادی مسائل و موضوعات پر غور و فکر کیا، جو زندگی میں حرکت کے قائل تھے، اور کائنات کو ایک ایسی حقیقت سمجھتے تھے جو ہر لمحہ اپنی تشکیلِ نو کر رہی ہے مثلاً ان کا شعر ہے:

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

یہ کس طرح ممکن تھا کہ تاریخ کی حقیقت و معنویت سے صرف نظر کرتے، یا ان مباحث کی طرف متوجہ نہ ہوتے جن کا مقصد تاریخ کی ماہئیت کو سمجھنا اور اس کے اصل مفاہیم تک رسائی حاصل کرنا ہے۔ علامہ اقبال جو کائنات میں انسان کی تقدیر یعنی انسانی حیثیت اور کائنات کی تخلیق میں اس کے حقیقی کردار کو سمجھنا چاہتے تھے یا اس کو متعین کرنا چاہتے تھے، ناگزیر طور پر مطالعۂ تاریخ کی طرف راجع ہوئے۔

یہاں مختصراً تاریخ کے دو بنیادی مفاہیم کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے، اولاً تاریخ کا وہ مفہوم جس کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے، یعنی گذرے ہوئے (یا گذرتے ہوئے) واقعات کا ارقام و اندارج، اس طرح کہ اس سے ماضی کے واقعات کا ایک تناظر قائم ہو سکے، تاریخ کا یہی وہ مفہوم ہے جسے علامہ اقبال نے فرد کے حافظے سے تشبیہ دی ہے، یہ تشبیہ اس لیے معنی خیز ہے کہ علامہ کے نزدیک فرد کی فردیت اور اس کا تشخص (Identity) اس کے حافظے کی بدولت باقی اور برقرار رہتی ہے، جس طرح فرد کا حافظہ ختم ہو جانے سے اس کی خودی، اس کا تشخص، جو اس کی ذات کا جوہرِ اصلی ہے، ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ ہماری شخصیت اور انفرادیت کے تسلسل کا تمام تر انحصار ہمارے حافظے، ہماری یادداشت پر ہے۔ یہ حافظہ ہی ہے جس کی وجہ سے فرد فرد کہلاتا ہے۔ علامہ اقبال کے نزدیک اقوام کے لیے ان کی تاریخ وہی حیثیت رکھتی ہے، جو افراد کے لیے حافظے کی ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ یہ تاریخ کا وہی مفہوم ہے جس کی رو سے تاریخ، واقعاتِ گذشتہ کا اندارج یا بیان ہے۔ تاریخ کا یہی وہ مفہوم ہے جس کے لیے تاریخ نگاری (Historiography) کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے، اور وقائع نگاری کی بھی!

ایسے مؤرخین جنھوں نے واقعہ نگاری میں احتیاط اور کاوش سے کام لیا ہے اور تاریخ کے واقعات کو اسباب و علل کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی ہے، اس بات کے قائل نظر آتے ہیں، کہ تاریخ محض واقعات کا ظہور نہیں بلکہ یہ بذاتِ خود بھی ایک قوت ہے۔ انسانی تہذیبوں پر یہ محیط ایک ہمہ گیر عمل ہے جو اپنے خاص قوانین کے تحت قوموں کی زندگی کو متغیر کرتا ہے یا کرتا چلا جاتا ہے، یہ تاریخ کا فلسفیانہ تصور ہے، جو اگرچہ تاریخ کے بنیادی تصور (واقعہ نگاری) سے ہی ابھرتا ہے، لیکن اس میں ہمیں تاریخ ایک آفاقی اور ہمہ گیر قوت کے طور پر واقعات کے ظہور کا سبب بنتی نظر آتی ہے۔ تاریخ کا یہی وہ مفہوم ہے جس کے بارے میں پہلی بار ابن خلدون کے مقدمۂ تاریخ عالم میں واضح اور مربوط اشارات ملتے ہیں، اور جس پر بعد ازاں عصرِ جدید

کے بعض مغربی مفکرین مثلاً کارلائل، گبن، ایمرسن، شپنگلر اور ٹائن بی نے خوب خامہ فرسائی کی ہے۔ اس سلسلے میں کارلائل اور ایمرسن کی تشریحات بیک وقت شاعرانہ بھی ہیں اور فلسفیانہ بھی۔ فلسفۂ تاریخ، مطالعۂ تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہاں ایک اور بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جن فلسفیوں اور مفکروں نے حیات و کائنات کا مربوط فلسفہ پیش کیا ہے، انہوں نے تاریخ کی تشریح بھی اپنے نقطۂ نظر سے کی ہے۔ اس سلسلے میں دو مفکروں کا نام بہ آسانی لیا جاسکتا ہے، یعنی ہیگل اور مارکس۔ ہیگل نے تاریخ کی ماورائی یا تصوراتی (Idealistic) تشریح پیش کی ہے، جبکہ مارکس نے اس کی مادی تشریح کی ہے۔ دونوں میں مشترک عنصر جدلیت (Dialecticism) کا تصور یا اصول ہے، جس کی رو سے ہر عمل اپنی انتہا کو پہنچ کر اپنی ضد کو جنم دیتا ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ تاریخ کوئی سیدھا سادہ عمل نہیں بلکہ ظہور واقعات کے لیے اس کا اپنا طریق کار ہے، اس کے کچھ Patterns اور کچھ Configurations ہیں، جو واقعات کے ظہور کا سانچہ مرتب کرتے ہیں، اور یہ سب کچھ جدلیت کے اصول کے تحت ہوتا ہے، لیکن اس بحث کو ہم یہیں چھوڑتے ہیں۔

ہم نے ابھی تاریخ کے جن دو مفاہیم کی تشریح کی ہے، اقبال کے ہاں ان دونوں کی کارفرمائی بیک وقت نظر آتی ہے۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں انہوں نے پہلے اسرارِ خودی اور بعد ازاں رموزِ بیخودی لکھ کر برصغیر کی علمی اور ادبی دنیا میں غلغلہ بپا کر دیا تھا۔ رموزِ بیخودی میں انہوں نے پہلی بار اپنا نظریۂ تاریخ مربوط اور جامع انداز میں پیش کیا۔ اس مبحث میں وہ فرماتے ہیں:

چیست تاریخ؟ ای ز خود بیگانۂ　　داستانے؟ قصۂ! افسانۂ؟
این ترا از خویشتن آگہ کند　　آشنائے کار و مرد رہ کند

ہمچو خنجر بر فسانت می زند باز بر روی جہانت می زند
شعلۂ افسردہ در سوزش نگر دوش در آغوش امروزش نگر
شمع او بخت امم را کوکب است روشن ازوی امشب وہم دی شب است
چشم پرکاری کہ بیند رفتہ را پیش تو باز آفریند رفتہ را
ضبط کن تاریخ را پایندہ شو از نفس ہائے رمیدہ زندہ شو
سرزند از ماضی تو حال تو خیزد از حالِ تو استقبال تو

ان اشعار کا خلاصہ یہ ہے کہ تاریخ محض افسانہ و افسوں یا قصہ خوانی نہیں، بلکہ یہ تمہارے لیے خود آ گاہی کا سرچشمہ ہے، اس کے مطالعے سے انسان پختہ کار اور زندگی کی راہ و منزل سے آشنا ہوتا ہے۔ اس کا مطالعہ (یا خود تاریخ) تمہیں ''فساں'' (تلوار یا خنجر تیز کرنے والے پتھر) پر خنجر ہی کی طرح دے مارتا ہے (تمہارے شعور کی دھار کو تیز کرتا ہے)، اور بعد ازاں تمہیں دنیا پر دے مارتا ہے (حقائق حیات کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے)۔ یہ ایک ایسی شمع ہے کہ تم اس کے شعلے میں بجھے ہوئے شعلوں (ماضی کے ادوار) کو بھی دیکھ سکتے ہو۔ تاریخ وہ چراغ ہے کہ اقوام کے لیے ستارہ بخت ہے۔ گذرا ہوا کل، اور آج، اس سے روشن ہے۔ تاریخ ایک ہمہ بین آنکھ ہے، جو ماضی کو دیکھتی ہے، اور اس ماضی کو تمہارے سامنے مجسم کر دیتی ہے۔ تاریخ کو محفوظ کرو، اور دوام حاصل کر لو، وہ سانسیں جو کھو چکیں، اس کی بدولت واپس لے آؤ، اور زندہ ہو جاؤ۔ اصل بات یہ ہے کہ تمہارا حال (Present) تمہارے ماضی سے ابھرا ہے، اور تمہارا مستقبل تمہارے حال سے ابھرنے والا ہے۔

ان مطالب سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ اقبال کے نزدیک تاریخ اقوام کے اجتماعی تشخص کے احساس میں تسلسل کی ضامن ہے، اور قوموں کی بقا اسی میں ہے کہ وہ اپنی تاریخ کے شعور کو زندہ اور برقرار رکھیں، اگرچہ ان اشعار سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ وہ تاریخ کو ''تاریخ نگاری'' کے

معنوں میں لے رہے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ان اشعار میں ''تاریخی شعور'' کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ یعنی وہ تاریخ کو محض وقائع نگاری کے معنوں میں نہیں لے رہے، بلکہ ایک نسبتاً بلند ترِ سطح شعور کا تقاضا کر رہے ہیں جسے بجا طور پر تاریخی شعور کہا جا سکتا ہے۔

تقریباً اسی زمانے کے آس پاس میں جب علامہ نے رموز بیخودی میں اپنا تصورِ تاریخ پیش کیا، وہ تاریخ کے فلسفیانہ مفہوم کو بھی پیش کر رہے تھے، وہ تاریخ کو ایک آفاقی اور ہمہ گیر قوت سمجھتے تھے، اور اس سلسلے میں ان کے ادراکات بیحد واضح اور روشن تھے، وہ تاریخ کو بہ ظرفِ زمان ایک تخلیقی حرکت تصور کرتے تھے۔ History as a creative or universal movement in time)

حقیقت یہ ہے کہ علامہ اقبال کا تاریخی شعور بہت گہرا تھا۔ یہاں میں ایک مختصر سی Digression کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ تاریخ کے فن کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ بعض صورتوں میں آرٹ کا منتہائے مقصود عہد تاریخ سے بالاتر ہو جانا ہوتا ہے۔ اگرچہ آرٹ ہر صورت میں تاریخی فریم ورک ہی کا اسیر یا پابند رہتا ہے، تاہم بعض اصناف کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ''لاتاریخی'' (non-historical) ہوتی ہیں، مثلاً غزل کا رجحان غالب یہ ہے وہ مطالب و معنی کی ایسی دنیا تخلیق کرے جس پر زمانی اور تاریخی اثرات کم سے کم ہوں۔ اسی لیے ہماری اردو شاعری میں، جس کا بیشتر حصہ اور جس کا بیشتر بہترین حصہ غزل پر مشتمل ہے، تاریخی شعور کا براہِ راست اظہار بہت کم ہوا ہے۔

ہمارے اکثر شعرا کی عہد کی تاریخی صورتِ حال کے ساتھ وابستگی (commitment) بہت نمایاں نہیں ہو پاتی۔ بہر حال، میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اقبال اردو کے پہلے بڑے شاعر ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو تاریخ سے وابستہ کیا۔ ان کے تحت الشعور میں تاریخی شعور کو پروان چڑھانے کی خواہش شروع ہی سے موجود تھی۔ ان کی اولین معروف نظم

''ھمالہ'' میں اس کا جزوی اور دبا دبا اظہار موجود ہے، وہ کوہ ہمالیہ سے کہتے ہیں کہ وہ انہیں اپنی گذری ہوئی زندگی کا ماجرا سنائے، انہیں بتائے کہ تہذیب کے ابتدائی ادوار کیسے تھے جب اس کی وادیاں انسانی (آریائی) تہذیبوں کا مسکن بنیں۔ اس نظم کا آخری مصرع:

دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

اس بات کو واضح کر دیتا ہے وہ اپنے تاریخی شعور کو وسیع تر اور پختہ تر کرنا چاہتے ہیں۔ بانگ درا کی بہت سی نظمیں ایسی ہیں جو تاریخ کے ٹکڑوں (Fragments of History) کی حیثیت رکھتی ہیں، جبکہ ان کا تاریخی شعور پہلی بار واضح طور پر ان کی نظم ''شکوہ'' میں ظاہر ہوا، جس میں انہوں نے پہلی بار اپنے آپ کو اسلامی تاریخ سے Integrate کیا۔ ''شکوہ'' ہی وہ نظم ہے جس میں تاریخی انسان کی پہلی بار نمود ہوتی ہے۔ اس انسان کے تاریخی انسان ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس میں خدا سے ہم کلام ہونے کی جرأت بھی تھی اور شعور بھی۔ اگر اس کے پیچھے تاریخ کی قوت نہ ہوتی تو وہ نہ خود سے ہم کلام ہو سکتا نہ خدا سے!

اگرچہ اقبال ایک یونیورسل ذہن رکھتے تھے، لیکن ''شکوہ'' اور بعد ازاں مسجد قرطبہ اور ذوق و شوق جیسی نظموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ تاریخ سے ان کے ہاں تاریخ اسلام مراد ہے۔ اس معاملے میں اقبال تنہا نہیں، اکثر مفکرین تاریخ نے کسی مخصوص عہد، کسی مخصوص تہذیب یا شہر کو تاریخ کا مرکز قرار دیا ہے۔ بعض ایسے مغربی مفکرین بھی ہوئے ہیں جن کے نزدیک تاریخ کے دھارے کی منزل روم (Rome) کا شہر اور رومن تہذیب ہے، اس کی تصنیف *You will be as gods* اس کے اسی خیال کی تشریح کرتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر اقبال کے نزدیک تاریخ دراصل اسلام کی تاریخ ہے (اگرچہ حتمی طور پر ایسا نہیں ہے) تو اس میں کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ اقبال نے اپنی نظم و نثر میں جس وسعتِ نظر اور انسان دوستی کا ثبوت دیا ہے، اس کے پیش نظر ان کے ذہن کی آفاقیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے ہاں تاریخ کا عمومی تصور بھی موجود ہے۔ جیسا

کہ ان کے فارسی اشعار سے ظاہر ہوتا ہے، اس طرح انہوں نے اپنی بعض انگریزی تحریروں میں، نیز اپنے ایک خطبے میں تاریخ کا ایک بیحد فلسفیانہ اور یونیورسل تصور پیش کیا ہے۔ اپنے ایک انگریزی خطبے کے سیاق میں انہوں نے ابن خلدون کے تصور تاریخ کی تشریح کرتے ہوئے ایک طرح سے اپنے نظریۂ تاریخ کو بھی اجاگر کیا ہے، ابن خلدون کے نظریۂ تاریخ کی تشریح کرتے ہوئے وہ تاریخ کو ایک تخلیقی اور اجتماعی حرکت قرار دیتے ہیں، جو انسان کی تخلیقی فعلیت کے لیے امکانات کا در وا کرتی چلی جاتی ہے۔

اقبال نے اپنے عہد کے جس مفکر تاریخ کا بہ امعانِ نظر مطالعہ کیا، وہ جرمن مؤرخ سپینگلر ہے۔ جس کی تصنیف زوال مغرب شہرۂ آفاق ہے، اقبال سپینگلر کے اس خیال سے متفق رہے کہ تہذیب مغرب معرض زوال میں ہے، (اقبال کی اپنی توجیہہ یہ ہے کہ چونکہ مغرب نے صرف مادّے کو آخری حقیقت مان لیا ہے، اور صرف مادی زندگی کی تعمیر و ترقی کو اپنا نصب العین بنا لیا ہے، اس لیے مغرب روحانی طور پر کھوکھلا ہو چکا ہے، اور وہ دن دور نہیں جب مغربی تہذیب خود اپنے بوجھ سے Collapse ہو جائے گی۔) اسلام کے بارے میں سپینگلر کے بعض مغالطوں کو اقبال نے شدت سے رد کیا۔

یہ ایک بیحد قدرتی بات ہے کہ اقبال جو اپنے تصور خودی کے انتھک مفسر تھے اور انسان کے لامحدود تخلیقی امکانات کے قائل تھے، ان کا تصور تاریخ فرد کی قوت ایجاد کے ساتھ وابستہ ہو۔ وہ بہت حد تک اس بات کے بھی قائل نظر آتے ہیں کہ تاریخ غیر معمولی انسانوں کے کارناموں اور اقدامات سے تشکیل پاتی ہے، اس اعتبار سے وہ کارلائل جیسے مفکرین کے قریب آ جاتے ہیں جن کے نزدیک تاریخ غیر معمولی انسانوں کے کارناموں سے عبارت ہے۔ یہ تصور ان کے ہاں تصور دوام کی صورت میں ظاہر ہوا ہے:

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر
ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثبات و دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام

اس کے باوجود اقبال کے ہاں تاریخ اپنے عمومی مفہوم کے ساتھ زیادہ نمودار ہوتی ہے۔ یہاں یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ اقبال تاریخ کے عمل کی تفہیم میں کوشاں رہے، اس لیے کہ وہ خود تاریخ کے ساتھ وابستہ تھے۔ اس بات کی وضاحت ایک موازنے سے ہو سکتی ہے۔ تاریخی موضوعات پر علامہ اقبال نے بھی لکھا اور مثلاً مولانا ظفر علیخان نے بھی، لیکن دونوں کے ہاں تاریخ ایک الگ مفہوم رکھتی ہے۔ اقبال کا تعلق پوری انسانی تاریخ سے ہے (جس کے بعض حصوں اور ادوار سے انہیں قدرتی طور پر زیادہ دلچسپی ہے،) جبکہ مولانا ظفر علی خان کے ہاں تاریخ عصریت (Contemporaniety) کا مفہوم رکھتی ہے۔

اقبال کے تصورِ تاریخ میں زیادہ گہرائی اس لیے بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ اقبال کا Main concern انسان سے ہے، انسان۔ پوری نوع بشر کے نمائندے کی حیثیت سے اقبال کا انسان ہے، خواہ وہ کہیں کا رہنے والا ہو، اور کوئی سی زبان بولتا ہو۔ اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ان کے نزدیک تاریخ سے زیادہ انسان ہے، انسان جس کے اندر یہ صلاحیت ہے کہ وہ زمان و مکان کی حد بندیوں سے بلند تر ہو سکے۔ جو تاریخ کے فریم ورک کو پیچھے چھوڑ کر اپنے زمان و مکان تخلیق کر سکے۔ ایسے بھرپور اور زبردست تصورِ انسان کی موجودگی ظاہر ہے کہ تاریخ کے تصورات اقبال کے ہاں زیادہ دیر تک بیحد اہمیت کے حامل نہیں رہ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کے تصورِ تاریخ میں وہ وسعت پیدا نہ ہو سکی جو ان کے تصورِ زمان میں پائی جاتی ہے۔ اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے Historical Perceptions سادہ، سطحی اور یک رخے نہیں ہیں۔ تاریخ

انسانی کے بارے میں ان کے بعض Concepts بہت نازک اور پیچیدہ ہیں، جن کو میرے خیال میں ابھی تک پوری طرح دریافت نہیں کیا گیا، یا پوری طرح سمجھا نہیں گیا۔ مثلاً ان کا ایک گفتگو میں یہ کہنا کہ مجھے قصرِ الحمرا کے درودیوار پر "ھو الغالب" ہی لکھا نظر آیا انسان کہیں نظر نہیں آیا۔ اس ادھوری بات میں وہ کیا کہنا چاہتے تھے، یا کیا کہہ گئے ہیں، اس پر زیادہ غور نہیں کیا گیا۔ کیا وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ اس کائنات میں انسان کو چاہیے کہ اپنی تخلیقات کے ذریعے اپنی ذات کا اثبات کرے!؟ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اس کی ذات کو استحکام حاصل نہیں ہو سکے گا!؟

میرے خیال میں ان کا مطالعہ تاریخ ہو یا مطالعۂ فکرِ انسانی، ان سب کا ماحصل یہ تھا کہ وہ کوئی ایسی کلید تلاش کرنا چاہتے تھے جس کے ذریعے وہ برصغیر کے مسلمانوں اور مسلمانان عالم کی تقدیر کو بدل سکیں ۔ یہ کلید ان کے نزدیک آرزومندی، ذوق وشوق، عمل اور جہد مسلسل سے عبارت تھی اور اس میں شک نہیں کہ اس کلید نے مسلمانان عالم پر کچھ نئے امکانات کے باب ضرور کھولے۔ البتہ یہاں اس بات کا تذکرہ بھی بے جا نہ ہوگا کہ انہوں نے تقدیر کے روایتی اور مروجہ تصور کو رد کر کے مسلمانوں کو ایک نئے تصورِ حیات سے آشنا کیا۔ اس تصورِ حیات کے رشتے جدید انسان کے ساتھ آملتے ہیں۔۔ اقبال نے اپنی تحریر وتقریر میں کبھی مشیت کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا ان کی کاوشوں کا محور یہ تھا کہ مسلمان طاقتور بن سکیں، اور اپنے لیے ایک نئی سرنوشت کا اہتمام کر سکیں ۔ ان کے ہاں اسلاف پرستی کی روش بھی اس لیے نمایاں ہوتی ہے کہ ان کے خیال میں اسلاف نے اپنے سوز دروں اور ذوق عمل سے تاریخ کے دھاروں کا رخ موڑ دیا تھا، اسلاف کے تذکرے سے ان کے ہاں مردِ کامل کا تصور ابھرتا ہے، جو اپنی غیر معمولی کرداری اور تخلیقی صلاحیتوں کی بنیاد پر تاریخ سے ماوراء ہوتا دکھائی دیتا ہے، اسی لیے ان کے ہاں اسلاف پرستی جامد تقلید کے مترادف نہیں، بلکہ آزادی عمل کے لیے Modalities کی تلاش ہے۔ اقبال تاریخ کے Deterministic تصور سے کسی طرح متفق نہیں ہو سکتے تھے، خواہ

وہ کوئی سا بھی تصور تاریخ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مارکس کی مادی جدلیاتی تعبیر میں ان کے لیے زیادہ کشش نہیں تھی۔ ایک تو اس لیے بھی کہ یہ کلیتہً مادی تعبیر تھی، دوسرے اس لیے کہ اس سے ان کے نزدیک فرد کی آزادیِ عمل کے امکانات محدود ہو سکتے تھے۔ ہیگل کے تصورِ تاریخ کو بھی وہ اس لیے قبول نہ کر سکتے تھے کہ یہ تصور تمام تر تجریدی اور مثالیت پسندانہ ہے؛ نیز ہیگل کے تصورِ تاریخ میں ''تصورِ مطلق'' (Absolute Idea) کی اس قدر کارفرمائی ہے کہ انسان کا وجود کہیں دکھائی نہیں دیتا اسی لیے اقبال نے ہیگل کے صدف کو گوہر سے خالی قرار دیا تھا:

ہیگل کا صدف گہر سے خالی
ہے اس کا طلسم سب خیالی

علامہ اقبال اب تک اردو کے واحد شاعر ہیں جن کے ہاں تصور تاریخ کی اتنی پرتیں دکھائی دیتی ہیں۔ قرآن کریم کے نظریۂ تاریخ کی تشریح کرتے ہوئے وہ تاریخ کو (انفس و آفاق کے مطالعے کے ساتھ ساتھ) ''علم'' کا ایک بہت اہم سرچشمہ قرار دیتے ہیں۔ اس لیے ان کے نظامِ فکر میں مطالعۂ تاریخ اور تاریخی شعور کی بہت اہمیت ہے۔

ماضی کے حوالے سے اقبال کے ہاں بازیافت کی خواہش اتنی شدید ہے، اور بازیافت کا عمل اتنا نمایاں ہے کہ اقبال کو تاریخی شعور کا شاعر قرار دینا غلط نہ ہوگا۔ انہوں نے خود بھی واضح طور پر کہہ دیا تھا:

میں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

☆☆☆

روانِ اقبال

یعنی

پیامِ دوستی پاکستان و ایران

ڈاکٹر آغا محمد یمین ☆

یہ ٹیبلو یعنی ڈرامائی منظر چھ نغموں پر مشتمل ہے۔

(ہدایات): اس ڈرامے کے ہر سین کے آغاز میں پس پردہ ایک پرسوز نغمہ پہلے تدریجاً اٹھتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اسی سوز و آہنگ کے ساتھ دھیما ہو کر رک جاتا ہے۔

اس پس پردہ نغمے کے اختتام پر ڈرامے کا مصنف علامہ اقبال کے اشعار نہایت مؤثر انداز میں تحت اللفظ پڑھتا ہے۔

اتنے میں سٹیج کی ایک جانب سے اس کا ایک ایرانی دوست آقاے پرویز اور دوسری جانب سے ایک پاکستانی دوست آقای سہیل نمودار ہوتا ہے۔ یہ دونوں علامہ اقبال کے اشعار نہایت توجہ اور دلچسپی سے سنتے ہیں اور حیرانگی کی حالت میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔

نغمۂ اوّل۔ پہلا منظر

ایک پرسوز اور مؤثر نغمہ پس پردہ پہلے بلند ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ خاموش ہو جاتا ہے۔

روانِ اقبال: (پس پردہ ڈرامہ نگار علامہ اقبال کے اشعار نہایت پرسوز اور مؤثر انداز

☆ سابق صدر شعبہ فارسی، گورنمنٹ کالج، لاہور

میں تحت اللفظ پڑھتا ہے):

خوش بیا، ای نکتہ سنج خاوری
ای کہ می زیبد ، ترا حرف دری
محرم رازیم ، با ما رازی گوی
آنچہ می دانی ز ایران ، باز گوی

(ھدایات: نغمہ ختم ہو جاتا ہے تو ایرانی دوست آقاے پرویز اور اک پاکستانی دوست سہیل آپس میں یوں گفتگو کا آغاز کرتے ہیں)

پرویز: جناب سہیل یہ کس کی آواز ہے؟

سہیل: جناب پرویز یہ بیدار کرنے والے اشعار اسی معروف شاعر کے ہیں جس نے اپنے الہامی افکار واشعار سے ہماری غلامی کی زنجیروں کو توڑ ڈالا ہے۔

پرویز: معاف کیجیے! میں کچھ سمجھا نہیں۔ ذرا واضح طور پر بیان کیجیے۔

سہیل: میرا اشارہ اس عظیم شاعر کی جانب ہے جس کی نگاہ آج بھی متلاشی ہے کہ اس کے بیدار کن اشعار نے ہمارے دلوں پر کہاں تک اثر کیا ہے۔

پرویز: بہت خوب کیا آپ اس عظیم شاعر کے کلام سے مجھے بھی آشنا فرمائیں گے؟

سہیل: دراصل اس عظیم شاعر کے کلام نے اپنی زندگی میں بتدریج ارتقائی منازل طے کی ہیں۔

پرویز: یعنی کس طرح؟

سہیل: اس نے پہلے مرحلے میں بچوں کی کردار سازی کے متعلق اشعار کہے، پھر دوسرے مرحلے میں حب الوطنی کے جذبے سے متاثر ہو کر شعر کہے۔ پھر تیسرے مرحلے میں فلسفہ عشق وعرفان اور آخری عمر میں صوفیانہ اور درویشانہ اشعار بھی کہے ہیں۔

پرویز: اس کے عاشقانہ اشعار کیسے ہیں؟

ہدایات: پس پردہ ایک نغمہ پھر بلند ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ مدہم ہو جاتا ہے اور خاموشی طاری ہو جاتی ہے۔ اس خاموشی کے عالم میں ڈرامہ نگار پردے کے پیچھے سے یہ اشعار تحت اللفظ پڑھتا ہے:

روان اقبال:

صورت نہ پرستم من بت خانہ شکستم من
آن سیل سبک سیرم ہر بند گسستم من

پرویز: واہ واہ، کتنا پر سوز اور پر تاثیر کلام ہے، یوں لگتا ہے کہ گویا شاعر کے دل سے اٹھتا ہے اور دلوں پر گہرا اثر کرتا ہے۔ ہاں آپ نے اس شاعر کا نام تو بتایا ہی نہیں۔

سہیل: ذرا ٹھہریے! میں ابھی بتاتا ہوں۔

پرویز: جناب سہیل! میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے، خدارا جلدی بتایے، آخر یہ عظیم شاعر ہیں کون؟

سہیل: اتنی جلدی تو نہ کیجیے۔ ذرا صبر کریں آپ خود ہی اسے پہچان جائیں گے۔ ذرا توجہ کیجیے کہ یہ شاعر اپنی حب الوطنی کے جذبات میں اپنی قوم یعنی مسلمانان ہند سے کیسے خطاب کرتا ہے۔

پرویز: جی ہاں فرمایئے میں ہمہ تن گوش ہوں۔

نغمہ دوم — دوسرا منظر

(ہدایات: اسی اثنا میں پس پردہ ایک پر سوز نغمہ بلند ہوتا ہے اور یکدم سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ پھر ڈرامہ نگار روح اقبال کی صورت میں یہ اشعار تحت اللفظ پڑھتا ہے)

روان اقبال: (پس پردہ)

شمع جان افسردہ در فانوس ہند
ہندیان بیگانہ از ناموس ہند
مردک نامحرم از اسرار خویش
زخمہ خود کم زند بر تار خویش

پرویز: سبحان اللہ کیسے پردرد اور پرسوز اشعار سے اس نے مسلمانان ہند کو بیدار کیا ہے۔

سہیل: نہ فقط بیدار کیا ہے، بلکہ ان کے دلوں میں حریت پسندی کا جذبہ اجاگر کر کے انقلاب بھی پیدا کیا ہے۔ اسی ضمن میں ذرا اس کے ان انقلابی اشعار کو سنیے:

(ہدایات: پس پردہ ڈرامہ نگار علامہ اقبالؒ کے ان انقلابی اشعار کو یوں تحت اللفظ پڑھتا ہے۔)

من درون شیشہ ہای عصر حاضر دیدہ ام
آن چنان زہری کہ از وی مار ہا در پیچ و تاب
انقلاب انقلاب ای انقلاب

نغمہ سوم۔ تیسرا منظر

(ہدایات: ایک ہیجانی نغمہ بلند ہوتا ہے اور پھر یکدم سکوت طاری ہو جاتا ہے۔)

پرویز: (سہیل کی جانب رخ کرتے ہوئے) جی ہاں! اب میں کچھ کچھ سمجھ رہا ہوں ۔کیا آپ کا مقصد اس شاعر انقلاب سے تو نہیں جس نے مسلمانان ہند کے دلوں میں ایک انقلابی روح پھونک کر ان کو آزادی خواہی کے لیے جھنجوڑا ہے۔

سہیل: جی ہاں وہی ہے، بلکہ اس نے تو بانگ درا یعنی کاروان زندگی کے قافلے کی

گھٹن بن کر ہمارے منتشر ہجوم کو پھر سے کاروان کی صورت میں لا کر حریت پسندی کے قافلے کی رہنمائی کی ہے اور اس حقیقت کا اعلان خود اس نے اپنے درد بھرے اشعار میں یوں کیا ہے۔

روان اقبال: ڈرامہ نگار (پس پردہ) علامہ اقبال کے اشعار کو یوں تحت اللفظ پڑھتا ہے:

هجومی بود، راه گم کرده در دشت
ز آوای درایم، کاروان شد

سہیل: اس شاعر ملی نے نہ صرف مسلمانان ہند کو بیدار کیا بلکہ تمام دنیائے کے مسلمانوں کو پیغام اخوت و دوستی و یگانگت بھی دیا ہے۔ اور اتحاد عالم اسلام کے پیغام کو ان اشعار میں یوں پیش کیا ہے۔ ذرا غور سے سنیئے:

روان اقبال: پردے کے پیچھے سے ڈرامہ نگار علامہ اقبال کے اس قطعہ کو مؤثر انداز میں یوں تحت اللفظ پڑھتا ہے۔

نہ افغانیم و نی ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نوبہاریم

پرویز: کیا اس نابغہ روزگار شاعر نے اہل ایران کو کوئی پیغام نہیں دیا؟

سہیل: کیوں نہیں یقیناً دیا ہے۔ وہ ایرانیوں کو ہم مذہب ہونے کے علاوہ اپنا خون سمجھتا ہے کیونکہ ایرانی اور پاکستانی ایک ہی نسل سے ہیں۔ لہذا وہ نہایت محبت اور خلوص سے ان سے اس طرح خطاب کرتا ہے۔

روان اقبال: ڈرامہ نگار پس پردہ علامہ اقبال کے اشعار یوں پڑھتا ہے۔

چون چراغ لالہ سوزم در خیابان شما
ای جوانان عجم جان من و جان شما
غوطہ زد در ضمیر زندگی اندیشہ ام
تابدست آوردہ ام ، افکار پنہان شما

پرویز: واہ! واہ! اب میں سمجھا، بالکل سمجھ گیا ! یہ شاعر بزرگ علامہ اقبال ہیں۔ ہم نے ان کا یہ نغمہ دوستی بارہا سنا اور پڑھا ہے۔

سہیل: بہت خوب!

پرویز: یہی وجہ ہے کہ ہم ایرانی علامہ اقبال سے دل و جان سے محبت کرتے ہیں۔ اس بارے میں عرض ہے کہ ایران کے قومی شاعر آقای صادق سرمد مرحوم معتقد ہیں کہ اقبال نے اپنی قوم کو بیدار کر کے جو اہم کام انجام دیا ہے، اس کی وجہ سے وہ ہمیشہ زندہ و جاوید رہے گا۔

سہیل: ایران کے قومی شاعر آقای صادق سرمد مرحوم نے اقبال کے بارے میں کیا فرمایا ہے؟

پرویز: وہ فرماتے ہیں:

اگرچہ مرد بمیرد، بگردش مہ و سال
نمردہ است و نہ میرد محمد اقبال

سہیل: بیشک درست ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اقبال ہمیشہ زندہ و جاوید رہے گا۔ انشاءاللہ!

نغمہ چہارم- چوتھا منظر

(ہدایات: پس پردہ ایک پر جوش نغمہ بلند ہوتا ہے اور پھر سکوت چھا جاتا ہے)۔

پرویز : ابھی آپ نے فرمایا کہ اقبال نے فلسفۂ عشق وعرفان میں بھی اشعار کہے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اقبال نے مولانا رومی کو اپنا پیر مان کر ان سے استفادہ کیا ہے۔ کیا واقعی ایسا ہے؟

سہیل : جی ہاں یہ بالکل درست ہے۔ اقبال نے تو مولوی رومی کے بارے میں اپنے افکار عالیہ کا اظہار بھی کیا ہے اور ان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ان کے سوز دروں اور اسرار عشق وعلم کی وضاحت بھی فرمائی ہے۔

لیجیے اب ذرا سنیے اقبال رومی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔

روان اقبال : (پس پردہ ڈرامہ نگار اقبال کے یہ اشعار پڑھتا ہے)

حرف او آئینۂ آویختہ
علم با سوز درون آمیختہ
روح رومی پردہ ہا را بردرید
از پس کوہ پارہ ای آمد پدید

پرویز : بہت خوب بالکل درست! سہیل صاحب آپ ذرا بتایئے کہ عشق کے بارے میں خود اقبال کا کیا نظریہ تھا؟

سہیل : تسلی رکھیے علامہ اقبال کے افکار جو عشق کے بارے میں ہیں انہیں بھی ابھی آپ سن سکیں گے۔

روان اقبال : (ڈرامہ نگار پس پردہ، پروقار آواز میں علامہ اقبال کے اشعار یوں پڑھتا ہے۔)

عشق ہم خاکستر و ہم اخگر است
کار او از دین و دانش برتر است

عشق سلطان است و برہان مبین
ہر دو عالم ، عشق را زیر نگین

(ہدایات: کچھ دیر کے لیے سکوت چھا جاتا ہے پھر ایک نئی ساز و آہنگ کے ساتھ ڈرامہ نگار علامہ اقبال کے یہ اشعار پڑھتا ہے۔)

در بود و نبود من، اندیشہ گمانہا داشت
از عشق ہویدا شد، این نکتہ کہ ہستم من

آواز بتدریج ان الفاظ کو ادا کرتی ہوئی آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہے۔

این نکتہ کہ ہستم من
این نکتہ کہ ہستم من

نغمہ پنجم - پانچواں منظر

(ہدایات: پہلے ایک پرجوش نغمہ بلند ہوتا ہے جو یک لخت ختم ہو جاتا ہے۔)

پرویز: سبحان اللہ! علامہ اقبال نے فلسفہ عشق کی کس خوبصورت اور بہتر انداز سے شرح فرمائی ہے۔

سہیل صاحب اب آپ ہمیں علامہ اقبالؒ کے وہ افکار عالیہ اور اشعار سنایئے جو انہوں نے اپنی آخری عمر میں درویشانہ اور فقیرانہ انداز میں اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمائے۔

سہیل: آپ نے درست فرمایا کہ اقبالؒ نے اپنی زندگی کے تمام مراحل طے کرنے کے بعد آخری ایام میں ایسے فلسفیانہ اشعار کہے ہیں جن کا ڈنکا شرق و غرب میں بج رہا ہے۔ ملت اسلامیہ سے انہیں گہرا لگاؤ تھا اور وہ قوم کا جو درد رکھتے تھے، اس کا اظہار وہ نہایت

کرب اور حسرت ویاس سے کرتے ہیں۔ ذرا دل کو تھامیئے اور پھر سنیئے کہ کیا فرماتے ہیں،

روان اقبال: (پس پردہ ڈرامہ نگار علامہ اقبال کے وہ اشعار نہایت حسرت ویاس کے انداز میں پڑھ کر یوں سناتا ہے)۔

سرود رفتہ باز آید، کہ ناید
نسیمی از حجاز آید، کہ ناید
سرآمد روزگاری این فقیری
دگر دانای راز آید، کہ ناید

پرویز: اس شاعر ملی اسلام نے اپنی آنکھیں تو بند کر لیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہماری آنکھیں کھول دیں۔

سہیل: جی ہاں! آیئے اب ہم دونوں مل کر اس بارے میں خود علامہ اقبالؒ کے وہ اشعار پڑھتے ہیں جو انہوں نے اسرار خودی کی تمہید میں خود اپنے بارے میں فرمائے ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے زمانے سے مایوس تھے لیکن نا امید نہ تھے۔ انہوں نے مولانا روم جیسے مفکرین اسلام کا پیغام دہراتے ہوئے واشگاف الفاظ میں فرمایا:

پرویز سہیل: نغمہ ام از زخمہ بی پرواستم
من نوای شاعر فرداستم
نغمۂ من از جہان دیگر است
این جرس را کاروان دیگرست
ای بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد
چشم خود بربست و چشم ما گشاد

نغمۂ ششم ۔ چھٹا منظر

(ہدایات: ایک تند و تیز نغمہ بلند ہوتا ہے یوں لگتا ہے کہ اب روح اقبال اپنا پیغام دے کر عالم بالا کی طرف پرواز کر رہی ہے پھر ایک دم سکوت طاری ہو جاتا ہے۔)

سہیل: نہایت اضطراب کی حالت میں چلاتا ہے۔ اے روح اقبالؒ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہم پاکستانیوں کے بارے میں اپنے افکار کا اظہار فرمائیں۔

روان اقبال: (پس پردہ ڈرامہ نگار علامہ اقبالؒ کے ان پر امید افکار و اشعار کو دہراتا ہے)۔

من درین خاک کہن گوھر جان می بینم
چشم ہر ذرہ چو انجم نگران می بینم
دانۂ را کہ بآغوش زمین است ہنوز
شاخ در شاخ برومند و جوان می بینم

پرویز: (اپنی پر ملال صدا میں چلاتا ہے)۔ اے روح اقبالؒ، ابھی آپ ہم سے جدا نہ ہوں۔ ذرا دیکھئے کہ اب ہم اہل ایران اور اہل پاکستان نے آپ کے اتحاد ملی کے پیغام کو بخوبی جان لیا ہے اور اب ہم دونوں آپ ہی کے فرمان کے مطابق یک دل و یک جان ہو گئے ہیں۔

(ہدایات روان اقبال ایک نغمۂ دلپذیر کے ساتھ آہستہ آہستہ عالم بالا کی طرف پرواز کر کے غائب ہو جاتی ہے)۔

پرویز: (غمزدہ دل کی گہرائی سے کہتا ہے)، آخر علامہ اقبالؒ کی روح تو پرواز کر گئی لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ ہم اہل پاکستان و ایران کو یک دل و یک جان دیکھ کر خوش جا

رہی ہے۔

سہیل : اب ہم پاکستانیوں اور ایرانیوں کو چاہیئے کہ ہم یک زبان یک دل اور یک جان ہو کر اقبال کے قول کے مطابق پاکستان اور ایران کی دوستی کو مضبوط سے مضبوط تر بنا ڈالیں۔

پرویز وسہیل : (دونوں اکھٹے باہم قریب تر ہو کر علامہ اقبالؒ کے اتحاد ملت اسلامیہ کے اس پیغام کو نہایت محبت وافتخار کے ساتھ یوں پڑھتے ہیں)۔

تیر خوش پیکان یک کیشیم ما
یک نما، یک بین ، یک اندیشیم ما
مدعای ما ، مآل ما یکیست
طرز و انداز خیال ما یکیست
ما ز نعمتہای او اخوان شدیم
یک زبان و یک دل و یک جان شدیم

روان اقبال زنده باد
دوستی پاک و ایران پاینده باد

(آخر میں سٹیج پر ڈرامہ نگار ڈاکٹر آغا یمین اپنی نظم ''دوستی پاک وایران زندہ باد زندہ وتابندہ وپایندہ باد'' پڑھتے ہیں۔

☆☆☆

اکابر اسلام

ولادت مولود کعبہ حضرت امام علی ابن ابیطالب(ع
مبارک باد
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ذکر علی عبادۃ
رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران - اسلام آباد
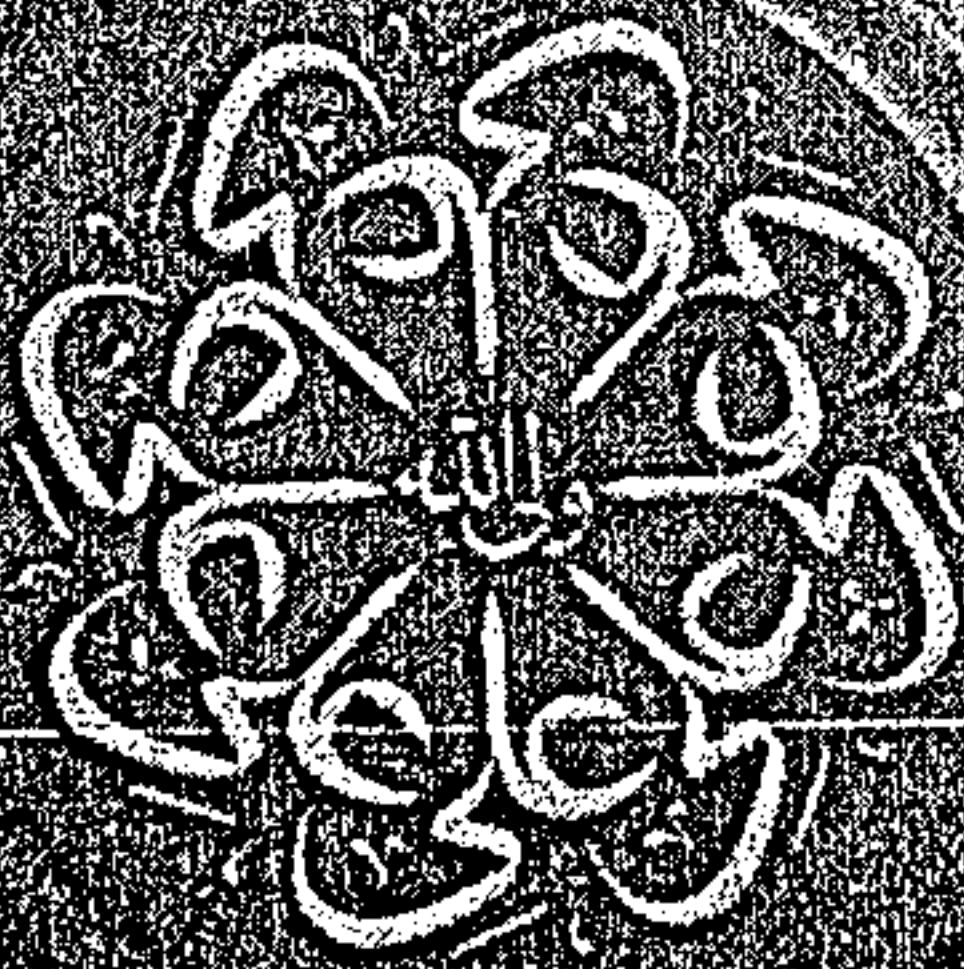
باب مدینۃ العلم علی علیہ السلام

سید عباس حسین کاظمی ☆

تابندگی طرۂ طرفِ کلاہِ علم
مولائے جاں، رسول تمدن، الہِ علم

باب مدینۃ العلم حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ کی شان میں کہے گئے مرحوم جوش ملیح آبادی کی طویل منقبت کا یہ شعر حضور اکرمؐ کی اس حدیث کی ترجمانی کر رہا ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔ پس جو علم حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ اس دروازے پر آئے۔ متن حدیث شریف ملاحظہ فرمایئے انا مدینة العلم و علی بابها فمن اراده العلم فالیات الباب۔(۱) یہ تحقیقی مضمون خرد کے عَلَم، آگہی کے باب حضرت علی علیہ السلام کی ذات والا صفات میں پائی جانے والی مختلف اور متضاد ہمہ جہت صفات کی نشاندہی کریگا، نیز رسول اللہؐ کی زبان وحی ترجمان سے صادر ہونے والے لفظ شہر علم سے کیا مراد ہے؟ اس سے آپ کی غرض و غایت، اور منشا کیا ہے؟ اس پر قرآن و سنت اور تاریخی حوالوں سے مدلل اور مفصل بحث کیجائیگی۔

تاریخ چند بکھرے ہوئے واقعات کا مجموعہ نہیں۔ تاریخ وسیع معنی میں انسانوں کی مادی کشمکش کا ایک مرقع ہے۔ تاریخ چند بڑے آدمیوں کی سوانح حیات بھی نہیں بلکہ انسانیت مجموعی طور پر کہیں عوام و خواص کی جنگ کی شکل میں، کہیں سرمایہ دار اور مزدور کے حقوق کے تعین

☆ سابق بیورو چیف، روزنامہ دی مسلم، اسلام آباد

کی صورت میں اور کہیں چند ایسے ہمہ صفت موصوف انسانوں کے اعلیٰ کردار، معاملہ فہمی، فرض شناسی، کو اجاگر اور نمایاں کرنے میں متحرک و لرزاں نظر آتی ہے جن کی بلند حوصلگی، بروقت قوت فیصلہ اور روحانی بالیدگی کی وجہ سے حق کامیاب اور باطل شکست سے دوچار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم و تحقیق کے میدان میں انسانی تہذیب کے ابتدائی آثار سے لے کر آج کے ترقیاتی مسائل فلسفہ تک دنیائے انسانیت تحقیق کے سہارے ہی آگے بڑھی ہے۔ مذہب کا مطالعہ اور عقیدوں کا تضاد بھی تحقیق طلب ہے اور آج کے زمانے میں خصوصیت کے ساتھ اس کی اہمیت زیادہ ہوگئی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مفروضات اور اشتباہات سے پہلو تہی کر کے تدبر اور تفکر سے غیر جانبدارانہ محاکمہ کیا جائے۔ مذہبی اعتبار سے اگرچہ ''عرب'' نہایت پستی اور جہالت میں زندگی گذار رہے تھے تین سو ساٹھ خدا تھے اور ان میں کوئی مذہب مشترک نہ تھا۔ وہاں متعدد مذاہب کے افراد رہتے تھے اور بڑے بڑے سرداروں، مہاجنوں اور سرمایہ پرستوں کی ایک بڑی جماعت نے بت پرستی، آتش پرستی اور ستاروں کی پرستش کو اپنا شعار بنایا ہوا تھا۔ اسی بڑے ریگستانی ملک سے ساتویں صدی عیسوی شروع ہونے کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے اپنی پیغمبری کا اعلان کرتے ہوئے دنیا کو توحید کامل کا پیغام پہنچایا اور بت پرستی، اقتدار پرستی، سرمایہ پرستی، غرض کہ غیر اللہ کی ہر طرح کی پرستش سے منع کیا۔ ایسے عالم ظلمات میں آپؐ دنیا کے لیے منارۂ نور بن کر سامنے آئے۔ آپ نے اپنے پیغام کا آغاز ہی ایھا العرب کی بجائے ایھا الناس کہہ کر کیا۔ اس طرح حضور اکرمؐ نے اپنے انقلاب آفرین پیغام کو قبائلی اور قومی حد بندیوں سے آزاد ہو کر آفاقی سطح پر بلند کیا۔ یہ ایک پورا تمدنی، معاشرتی سیاسی اور معاشی انقلاب تھا جو صرف ایک مختصر جملہ لا الہ الا اللہ میں مضمر تھا۔ عرب جہالت کے باوجود بڑے نکتہ رس تھے۔ وہ اس پیغام کے مضمرات کو پہلی ہی آواز میں سمجھ گئے تھے۔ اسی وجہ سے وہ فوراً ہی مخالفت اور مخاصمت پر اتر آئے۔ اور یوں اکیلے پیغمبر خدا کے سامنے پوری قوم صف بستہ ہوگئی۔ ان میں

خصوصیت کے ساتھ ''بنی امیہ'' پیش پیش تھے جو خود حضور ختمی مرتبتؐ سے موروثی عداوت رکھتے تھے۔ ملاحظہ کیجیے مولانا شبلی نعمانی کے یہ الفاظ کہ آنحضرتؐ کی نبوت کو خاندان بنی امیہ اپنے رقیب ہاشم کی فتح خیال کرتا تھا۔ اس لیے سب سے زیادہ اسی قبیلے نے آنحضرتؐ کی مخالفت کی۔ اس کے علاوہ بنی مغیرہ، بنی مخزوم میں ابوجہل کا چچا جو خالد بن ولید کا باپ تھا، مخالفت اور مخاصمت میں پیش پیش تھا۔ خود حضور اکرمؐ فرماتے ہیں ''ہم سے سب سے زیادہ بغض وعداوت رکھنے والی قومیں بنی امیہ، بنی مغیرہ، اور بنی مخزوم ہیں۔ (۳) جب یہ حکم نازل ہوا وانذر عشیرتک الاقربین (۴) ''اپنے قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ کیجیے'' گھرانے کی تبلیغ کے حوالے سے آپؐ نے دعوت کا اہتمام کیا اور تمام اولاد عبدالمطلب کو جمع کر کے اپنی رسالت کا اعلان کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہارے پاس دنیا وآخرت کی نیکی لایا ہوں اور اللہ نے مجھے اس پر مامور کیا ہے۔ تم میں سے کون شخص اس دین کی اشاعت میں میرا دست و بازو بننے کے لیے تیار ہے۔ وہی میرا بھائی، میرا وصی اور میرا جانشین قرار پائے گا۔ تمام مجمع خاموش رہا اور صرف حضرت علیؑ ابن ابی طالب جن کی عمر صرف تیرہ برس تھی کھڑے ہو گئے اور کہا کہ میں اس مہم میں ہر طرح سے آپ کا مددگار ہونگا۔ حضرت رسول اللہؐ نے علیؑ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا بس یہ میرا بھائی ہے، میرا وصی ہے، میرا جانشین ہے۔ تم سب کو اس کی اطاعت لازم ہے۔ (۵) اس طرح علم سے متعلق جو سب سے پہلی وحی آپ پر نازل ہوئی وہ سورۂ اقراء کی پانچ ابتدائی آیتیں ہیں جن میں چار اور پانچ علم سے متعلق آیتیں ملاحظہ فرمائیے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقرا باسم ربک الذی خلق– خلق الانسان من علق– اقرأ و ربک الاکرم– الذی علم بالقلم– علم الانسان مالم یعلم–

ترجمہ: سہارا اللہ کے نام کا جو سب کو فیض پہچانے والا بڑا مہربان ہے۔ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کا سہارا

لیکر، جس نے پیدا کیا انسان کو ایک منجمد خون سے، پڑھیے اور آپ کا پروردگار سب سے بڑا صاحب کرم ہے۔ جس نے قلم کو ذریعہ علم بنایا۔ انسان کو ان باتوں کا علم دیا، جنھیں وہ نہیں جانتا۔

اس طرح علم سے متعلق احکام الٰہی اور اس سے متعلق متعدد مسائل، تبلیغ رسالت کے سلسلے میں مخالفین اور مخاصمین کی طرف سے اذیت ناک تکالیف اور شدید مشکلات پیدا کرنا اور پھر رسول اللہؐ کی طرف سے عقلی دلائل اور حکمت کے اصول کے تحت انتہائی خوش اسلوبی اور پیغمبرانہ تدبر سے ان کو حل کرنا اور پھر ان پر قابو پانا یہ تمام امور ہمارے سامنے آئے۔ پیغمبر اسلامؐ جب دعوت رسالت پر مامور ہوئے تو عقل سلیم کا تقاضا یہی تھا کہ سب سے پہلے اپنے گھر والوں کو اس دعوت سے مطلع کریں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صداقت سے مملو آپ کی بے داغ اور پاک زندگی کا جو اثر آپ کے گھر والوں پر ہونا چاہیے تھا وہی ہوا۔ آپ کے گھر کے تمام افراد نے جن میں آپؐ کی شریک حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰ، آپؐ کے چچازاد بھائی حضرت علیؑ ابن ابی طالب نے جنہوں نے سب سے پہلے آنکھ کھول کر حضورؐ ہی کے چہرے کی زیارت کی تھی اور پھر آپؐ ہی کی گود میں پرورش پا کر دس برس کی عمر تک پہنچے تھے بلا توقف اس دعوت پر لبیک کہا۔ عربی و ہاشمی نشو و نما کے لحاظ سے دس برس کی عمر ابتدائی شباب سے کچھ زیادہ دور کی عمر نہیں تھی حضرت علی علیہ السلام کو رسالت کے جاننے اور ماننے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ ہر وقت ساتھ رہتے تھے اور خدا کی دی ہوئی فراست اور قوت ادراک سے سرکار رسالتؐ پناہ کی ذات والا صفات اور کمالات کا قدم بہ قدم مشاہدہ کر رہے تھے۔ چنانچہ بڑے ہو کر اپنے اس مشاہدہ کا خود آپؑ نے اظہار فرمایا کہ ''میں آپؐ کے پیچھے پیچھے چلتا تھا اس طرح جیسے ناقہ کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے چلتا ہے آپ ہر دن میرے لیے اپنے اخلاق سے ایک منارۂ نور بلند کرتے تھے۔ (۶) پھر اسی حوالے سے حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ''میں نبوت کی روشنی اپنی آنکھ سے دیکھتا تھا اور رسالت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ (۷) آغاز رسالت سے تین برس

تک حضور اکرمؐ کار رسالت خفیہ انجام دیتے رہے۔اس سلسلے میں ملاحظہ کیجیے، ابن سعد کے الفاظ: وحی الٰہی نازل ہونے کے بعد شروع شروع میں تین برس تک حضرت خفیہ تبلیغ فرماتے رہے یہاں تک کہ اظہار نبوت کا حکم الٰہی آیا۔ (۸) گھرانے کی تبلیغ کے بعد اب مجمع عام کے لیے حکم الٰہی فاصدع بما تؤمرو اعرض عن المشرکین نازل ہوا۔یعنی آپ جس دعوت پر مامور کیے گئے ہیں اسے برملا پیش کیجیے اور مشرکین کی طرف اعتنا نہ کیجیے۔چنانچہ سرکار رسالت پناہؐ نے مشرکین سے اپنی صداقت کا اقرار لینے کے بعد اللہ کی وحدانیت اور اپنی رسالت کا اعلان کیا۔اور فرمایا بت پرستی، آتش پرستی، سرمایہ پرستی اور دیگر بداعمالیوں کے نتیجے میں آتش جہنم کے شعلے ہیں۔دراصل یہ پوری زندگی کے انقلاب کا پیغام تھا۔اس کے بعد حضور اکرمؐ اور مشرکین کے درمیان حق اور باطل کی کشمکش شروع ہوگئی اور آپ کو انتہائی صبر آزما حالات اور شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اللہ کا رسول احکم الحاکمین کا نمائندہ ہوتا ہے۔اس کے احکام خدا کے احکام ہوتے ہیں لہذا کسی کو رسولؐ کے مقابلے میں رائے زنی، عقل آرائی اور طبع آزمائی کی اجازت نہیں ہے اور نہ اس کے فیصلے کے بعد کسی چون و چرا کا موقع۔اسلام ہمیشہ سے نسلی امتیاز، خاندانی تفوق، شخصیت پرستی اور قبیلہ پرستی کو پسند نہیں کرتا لیکن علمی قابلیت اعلیٰ کردار اور عمل، کو پسند کرتا ہے۔حیرت ہے کہ بعض افراد ملت حضور اکرمؐ سے خطائے اجتہادی، و نسیان کے قائل ہیں۔اس سلسلے میں بھی گزارش ہے کہ کوئی عاقل کبھی فلسفہ، تاریخ اور سیاسیات کے مبادیات سے چشم پوشی نہیں کرسکتا۔ ہم یقیناً قرآن کو الٰہی کتاب جانتے ہیں اور اسی لیے حضور اکرمؐ کے الٰہی پیامبر ہونے کا یقین رکھتے ہیں جس کو الٰہی زبان میں معصوم کہتے ہیں۔صاحب عصمت گناہ پر قادر ہونے کے باوجود گناہ نہیں کرتا اس حوالے سے مندرجہ بالا اعتقاد کو ہم منطقی طریقے سے پرکھتے ہیں۔انسان کا ایک جوہر ہے اصابت رائے۔اس کا نتیجہ خطائے اجتہادی کا نہ ہونا ہے۔اس کے علاوہ ایک

صفت ہے انسان کا تحفظ و تذکر اس کا نتیجہ ہے نیسان و سہو سے محفوظ رہنا۔ اب اگر اصابت رائے کی طاقت انسان میں مفقود ہے تو وہ غلط فہمی میں مبتلا ہوگا اور ہر بات میں خطائے اجتہادی کریگا۔ اور اگر یہ طاقت موجود ہے تو جس درجے پر وہ مکمل ہوگی اتنی ہی خطائے اجتہادی کم ہو گی اور بالکل کامل ہونے کے بعد خطا بالکل نہیں ہوگی۔ اسی طرح تحفظ و تذکر جتنا زیادہ ہوگا اتنا ہی سہو و نسیان کم ہوگا اور جب یہ طاقت مکمل ہوگی تو سہو و نسیان معدوم ہو جائیگا۔ یہ صفات تو عام باشعور انسانوں کی ہیں جہاں یہ منزل ختم ہوتی ہے وہاں سے نبوت، رسالت، اور امامت شروع ہوتی ہے اور عصمت ان کا طرہ امتیاز ہوگی ورنہ تمام احکام شریعت منہدم ہو جائینگے۔ چونکہ رسول اللہؐ کی زندگی جہان فانی میں محدود ہے اور وہ شریعت جس کی تبلیغ رسولؐ کی زبانی ہوئی ہے اس کی حفاظت کے لیے اعلیٰ کردار کے حامل ایسے افراد کی موجودگی ضروری ہے جن کی نشاندہی خود حضور اکرمؐ نے کی ہو۔ تاریخ شاہد ہے کہ دعوت ذوالعشیرہ میں سرکار رسالتؐ پناہ اور حضرت علیؑ کے درمیان جو عہد و پیمان ہوا کہ کون ہے جو اس تبلیغ رسالت میں میرا مددگار اور میرا دست و بازو بنے اور حضرت علی علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میں اس مہم میں ہر طرح سے آپ کا مددگار رہونگا اس کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر حضور اکرمؐ کا یہ فرمانا کہ بس یہ میرا بھائی ہے، میرا وصی ہے، میرا جانشین ہے تم سب کو اس کی اطاعت لازم ہے۔ اس عہد و پیمان کے بعد شہادت تک حضرت علی علیہ السلام نے اپنے قول کو افعال سے نبھایا۔ جان نثاری اور جان سپردگی کے اور خطرناک موقع پر حضرت علی علیہ السلام مکمل طور پر ثبات قدم کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ کبھی عرش بلندی سے بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ بلند ترین انسانی اوصاف پر روشنی ڈالتے ہیں۔ کہیں لہجے میں اضطراب نہیں، زبان میں لکنت نہیں، لبوں پر خشکی نہیں۔ اس لیے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ پیشوائے مذہب، امام خلق، جانشین رسولؐ ایسی شخصیت کو ہونا چاہیے جو اعلم زمانہ ہو، افضل زمانہ ہوا، ازہد زمانہ ہو، اورع ہو، اشجع ہو، اشرف ہو،

"صدق دل سے اتباع رسول کرنے والا ہو اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ صاحب عصمت ہو۔ یعنی اپنے افعال و اعمال میں مرضئ الٰہی کا پابند ہو، سہو و نسیان، ناواقفیت، جہالت اور کسی دیگر سبب سے بھی بچپن سے جوانی اور جوانی سے آخری عمر تک کوئی گناہ اور غلطی اس سے سرزد نہ ہوئی ہو۔ چونکہ اس کا حصول عام انسانوں کے فہم و ادراک سے بالاتر ہے اس لیے یقیناً اس کی جانشینی اور پیشوائی کا اعلان خدا کی جانب سے پیغمبر اسلامؐ کی زبانی ہونا چاہیے۔ یہ بات تاریخ اسلام کے دیکھنے والوں سے مخفی نہیں کہ جب کفار کی ایذا رسانیاں بڑھنے لگیں تو آپؐ کے قتل کی تدبیریں ہونے لگیں چنانچہ قبائل عرب میں سے چیدہ چیدہ افراد نے آپس میں مشورہ کر کے طے کر لیا کہ آپؐ کے گھر کا محاصرہ کر کے آپ کو قتل کر دیں اور ایک رات طے ہو گئی۔ ظاہر ہے یہ انتہائی نازک اور خطرناک وقت تھا اور ایسی وقت میں کوئی مدد کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ لیکن رسول اللہ جانتے تھے کہ کون اس موقع میں کام آ سکتا ہے۔ آپ نے بلا تامل مکے سے پوشیدہ ہجرت کرنے کا ارادہ کر لیا اور کفار کے عزائم کو ناکام بنانے کے لیے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ تم میرے بستر پر میری سبز چادر اوڑھ کر سو رہو۔ یہ کتنا سخت مرحلہ اور کس قدر دشوار منزل تھی مگر حضرت علی علیہ السلام جو ایک بار جان نثاری، وفاداری کا عہد و پیمان کر چکے تھے اپنی جان دینے کے لیے حضور اکرمؐ کی چادر تان کر سو رہے اور سرکار رسالت پناہ تشریف لے گئے۔ علامہ قسطلانی کے بقول آپ وہ پہلے شخص تھے جس نے اپنی جان بیچ ڈالی (۹) ''امام غزالی'' لکھتے ہیں کہ ''اس موقع کے پر علیؑ کے باب میں یہ آیت نازل ہوئی'' ومن الناس من یشری نفسہ ابتغآ مرضات اللہ (ایسے بھی لوگ ہیں جو خدا کی مرضی پر اپنی جان بیچ ڈالتے ہیں) (۱۰) بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضور اکرمؐ حضرت علی علیہ السلام کو اس لیے بھی چھوڑ گئے تھے کہ وہ لوگوں کی امانتیں جو رسولؐ اللہ کے پاس تھیں واپس کر دیں (۱۱) ابن عبداللہ نے استیعاب میں لکھا ہے کہ ''رسول اللہ نے ایک بار مہاجرین کے درمیان مواخاۃ قائم کی اور

دوسری بار مہاجرین و انصار کے درمیان۔ اور ہر مرتبہ یہی فرمایا کہ علیؑ دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے (۱۲) مسجد نبوی میں کھلنے والے سب کے گھروں کے دروازے بند کر دیے گئے لیکن حضرت علیؑ کے مکان کا دروازہ بند نہیں کیا گیا۔ اس پر جب چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو حضور ختمی مرتبتؐ نے منبر پر جا کر فرمایا کہ ''مجھے جو حکم خدا کی طرف سے ہوا وہ میں نے کیا۔ میں نے اپنی مرضی سے نہ ان دروازوں کو بند کیا نہ علیؑ کے دروازے کو کھلا رکھا (۱۳) جنگ بدر اسلام کی سب سے پہلی جنگ ۲ھ میں ہوئی اس میں مسلمانوں کی تعدا بہت کم تھی۔ جنگی اور دیگر ساز و سامان بھی بہت کم تھا۔ میدان جنگ چند جانبازوں اور بہادروں کے ہاتھ رہا جن میں نمایاں حصہ رسول اللہؐ کے قرابتداروں کا تھا۔ مثلاً حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؑ، عبیدہ بن حارث اور حضرت علی ابن ابی طالبؑ، ان میں سے عبیدہ شہید ہو گئے اور حضرت علیؑ کے ہاتھ سے بڑے بڑے سرداران کفار و مشرکین قتل ہوئے۔ (۱۴) اسی سال آپؐ نے حضرت علیؑ کی شادی اپنی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا (س) کے ساتھ کر دی حضرت نے فرمایا اس کا مجھے خدا نے حکم دیا ہے۔ (۱۵) جب عقد ہو چکا تو حضور ختمی مرتبتؐ نے فرمایا'' اے فاطمہؑ کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ خدا نے تمام روئے زمین پر دو شخصوں کا انتخاب کیا جن میں سے ایک تمہارا باپ ہے اور دوسرا تمہارا شوہر۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس شادی کی بنیاد صرف ذاتی قرابت پر نہیں تھی بلکہ انتخاب الٰہی اور ذاتی فضیلت پر تھی ۳ھ میں جنگ احد ہوئی یہ انتہائی سخت جنگ تھی ابتدا میں حالات مسلمانوں کے لیے بہت امید افزا تھے کیونکہ لشکر کفار کے علم بردار طلحہ بن عثمان کو حضرت علی علیہ السلام نے قتل کر کے دشمنوں کو شکست سے دو چار کر دیا تھا لیکن کفار کے بھاگنے کے بعد مسلمان مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے تو خالد بن ولید نے جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے پشت کی جانب سے پھر حملہ کر دیا۔ اس کا نتیجہ عبرتناک ہوا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوہ میں لکھتے ہیں ''مسلمانان روبہ ہزیمت آوردند و حضرت

رسولؐ را تنہا گذاشتند حضرت در غضب آمد و عرق از پیشانی ہمایونش متقا طرگشت۔ درآن حالت نظر کرد علیؑ ابن ابی طالب را کہ در پہلوئے مبارکش ایستادہ است۔ فرمود تو چرا بہ برادران خود ملحق نگشتی۔ یعنی فرار نکردی؟ علیؑ گفت: اا کفر بعد الایمان ان لی بک اسوۃ ''یعنی آیا کافر شوم بعداز ایمان، بہ تحقیق مرا بتواقتدا ست بایاران مفرور چہ سروکار باشد۔'' دریں اثنا جمعی از کفار متوجہ آنحضرت شدند۔ آنحضرتؐ فرمود ای علیؑ مرا ازین جمع نگہدار و حق خدمت بجاآور کہ وقت نصرت است۔ پس علیؑ متوجہ آن قوم شد قلع قمع نمود کہ جمع کثیر بہ دوزخ افتادند و باقی ماندگان متفرق گشتند۔ می گویند کہ در آن روز شانزدہ زخم بر تن مبارک جناب امیرؑ رسیدن۔(۱۶)

۵ھ میں جنگ خندق واقع ہوئی دشمن کی طرف سے خندق کود کر عمرا بن عبدود سا بہادر بڑے طمطراق اور جوش وخروش سے مبارزطلبی کر رہا تھا۔ کس کی ہمت تھی کہ موت کے منہ میں چلا جائے۔ اس نے مقابل طلب کیا سب خاموش تھے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں کیونکہ وہ سب شجاعت سے آگاہ تھے۔ حضرت علی علیہ السلام پہلی آواز میں اٹھ کھڑے ہوئے مگر رسول اللہؐ نے ان کو روک دیا لیکن جب ہر طرف خاموشی چھائی رہی اور عمرا بن عبدود کی لن ترانیاں بڑھنے لگیں تو حضور اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو اجازت دیدی اور آخر کار حضرت علی علیہ السلام کی تلوار نے اس مہم کو سر کیا(۱۷) ۶ھ میں مشہور زمانہ صلح حدیبیہ واقع ہوئی جس کو حضرت

علیؑ نے تحریر کیا۔(۱۸) ۷ھ میں خیبر کی جنگ واقع ہوئی اتفاق سے حضرت علی علیہ السلام آشوب چشم میں مبتلا تھے اور آپ کو حضور اکرمؐ نے مدینے میں قیام کرنے کو کہا تھا۔خیبر کا سب سے مضبوط قلعہ دشمن کا مرکز تھا جب یہ فتح نہ ہوسکا تو آپ نے فرمایا ''کل میں علم اس شخص کو دونگا جو بھاگنے والا نہیں، جو اللہ اور رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور جسے اللہ اور رسولؐ دوست رکھتے ہیں، خدا اس کے ہاتھوں فتح کرائیگا(۱۹) آج کل کے حساب سے مدینہ سے خیبر کا فاصلہ تین سو کلومیٹر ہے۔حضرت علیؑ آئے آپ کو حضور اکرمؐ نے علم عطا کیا اور آپ قلعہ فتح کر کے کامران و فتح مند واپس آئے۔(۲۰) ۸ھ میں فتح مکہ ہوئی دیار بکری نے لکھا ہے کہ اس وقت رسول اللہؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا ''مبارک ہو تم کہ تم حق کے لیے کام کر رہے ہو اور خوشا حال میرا کہ میں حق کے لیے تمہارا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں۔(۲۱)

اسی سال کے آخر میں آخری جنگ حنین واقع ہوئی۔اس لڑائی کی بڑی حیرت خیز اور عبرت انگیز کیفیت قرآن مجید کے الفاظ میں ملاحظہ کیجیے:''ویوم حنین اذ عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیأ و ضاقت علیکم الارض بمأ رحبت ثم ولیتم مدبرین اور حنین کے دن کو یاد کرو جبکہ تمہاری کثرت نے تمہیں مغرور بنا دیا تھا مگر اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور زمین تم پر تنگ ہوگئی اور تم نے جنگ میں پیٹھ دکھا دی'' اس جنگ میں دشمن کی فوج کمین گاہ میں تھی۔اس نے اچانک حملہ کر دیا اور مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے سات آٹھ آدمیوں کے سوا حضورؐ کے پاس کوئی باقی نہ رہا۔(۲۲)

۹ھ میں غزوہ تبوک واقع ہوا اور یہ آخری غزوہ تھا شدید گرمی پڑ رہی تھی اور لو چل رہی تھی۔حضور اکرمؐ نے ماسوا حضرت علیؑ کے تمام اصحاب کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا لیکن حضرت علیؑ کے متعلق حکم ہوا کہ تم مدینے میں رہو۔آپ کے کچھ کبیدہ خاطر ہونے سے سرکار ختمی مرتبتؐ

نے فرمایا کہ تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰ سے تھی۔ سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں ہے؟" (۲۳) اسی سال کا واقعہ سورہ برأت کی تبلیغ سے متعلق ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خود ان آیات قرآنی کو پہنچاؤں یا ایسا شخص جو میرے اہلبیت میں داخل ہو ان کی تبلیغ کرے (۲۴) حضرت علیؑ کے فضائل سے متعلق تحریر کردہ تمام احادیث کے علاوہ مستند تاریخ وسیر میں متعدد بار حضور اکرمؐ نے آپ کے علمی کمالات کو واضح کیا ہے۔ کہیں اقضاکم علی کہہ کر مقدمات کے فیصلہ کرنے کا ان کو بہترین ماہر بتایا۔ کہیں علی منی فرما کر انتہائی یگانگت و وابستگی کا اظہار فرمایا۔ غدیر خم کے موقع پر من کنت مولاہ فھٰذا علی مولاہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے فرمایا کہیں فرمایا علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ اسی طرح جنگ خندق کے موقع پر عمر ابن عبدود کے مقابلے کے لیے حضرت علیؑ کے جانے پر فرمایا "کل ایمان کل کفر کے مقابلے کے لیے جا رہا ہے اور خندق کے روز علیؑ کی ایک ضربت ثقلین کی عبادت سے افضل ہے" اور پھر یہ فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں علیؑ اس کا دروازہ ہے پس جو علم حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ دروازے پر آئے اس سلسلے میں علامہ اقبالؒ کا یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

ذات او دروازۂ شہر علوم
زیر فرمانش، حجاز و چین و روم (۲۵)

تاریخ وسیر کا گہرا مطالعہ کرنے والے دانشوران گرامی قدر سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ قران کا تخاطب عاقل سے ہے جاہل سے نہیں۔ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے عربی مبین میں، عربوں کی زبان میں نہیں۔ اسی لیے مطالب قرآن ہر عامی اور نامحرم کی سمجھ میں نہیں آسکتے یہی وجہ ہے کہ اس کے معلم اوّل خود رسول اللہؐ تھے۔ لوگ آپؐ سے مطالب دریافت کرتے تھے آپؐ ان کی تشریح بیان کر دیتے تھے۔ انہیں جوابات کو تفسیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس تفسیر کو

چھوڑ کر ہم قرآن کو کافی نہیں سمجھ سکتے اور نہ ہی خود ان کے مطالب و مفاہیم کو متعین کر سکتے ہیں ورنہ رسول اللہ کے مرتبۂ معلمیت سے انحراف اور روگردانی کا خدشہ پیدا ہو جائے گا۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھوا الا وحی یوحی (۲۶) کے مصداق رسولؐ کی معرفت جس کی جس قدر بلند سے بلند تر ہو گی وہی رسولؐ اللہ کے ارشادات و فرمودات کو صحیح طور سے سمجھ سکتا ہے ۔دیکھیے علامہ اقبالؒ کا ایک یہ دلچسپ شعر اس پر مکمل روشنی ڈالتا ہے:

مسلم　از　سر　نبی　بیگانہ　شد

باز　این　بیت　الحرم　بتخانہ　شد (۲۷)

مسلمان معرفت رسولؐ سے بیگانہ ہو گئے ہیں اور پھر یہ بیت الحرم بتخانہ بن گیا ہے۔ اسی کو مدنظر رکھتے ہو ملاحظہ کیجیے حضور اکرمؐ کا یہ قول کہ جس کا میں مولا ہوں اسی کا علیؑ مولا ہے اور ہم جس طرح رسول اللہ کو مولا سمجھ رہے ہیں اسی معیار پر علیؑ کو مولا سمجھنا پڑے گا۔ اسی معیار پر حضرت علیؑ سے متعلق حضور ختمی مرتبتؐ کے تمام ارشادات و فرمودات کو منطبق کرنا چاہیے۔ رسول اکرمؐ حقیقت کے ترجمان اور واقعیت کے مفسر تھے۔ آپ نے جس کے جتنے مراتب تھے اتنے بیان فرمائے اس میں کسی حکمت عملی کا دخل تھا نہ کسی پیش بندی کا اہتمام۔ سرکار ختمی مرتبتؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا:

علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ یہ دونوں جدا نہ ہونگے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچیں۔ میں ان سے دریافت کرونگا کہ تم نے ان سے میرے بعد کیا سلوک کیا۔ (۲۸) اگر چہ حضرت علیؑ کا دور خلافت مختصر تھا۔ بیس برس کی طولانی مدت میں لوگوں کی عادتیں و خصلتیں بالکل تبدیل ہو گئی تھیں پھر بھی آپ کا یہ مختصر دور خلافت انتہائی کامیاب رہا ۔آپ نے دنیا کو یہ نمونہ پیش کیا کہ دنیاوی سلطنت والے بادشاہوں اور روحانی حکومت کے تاجداروں میں کیا فرق ہے اور سیاست ملوکیہ اور سیاست نبویہ میں کتنا فرق ہے۔ یہ حقیقت ہے

کہ حضرت علیؑ کی ذات میں ایسے کمالات اور خصوصیات موجود تھیں جو پیغمبر اسلامؐ کو آپ کی تعریف وتوصیف بیان کرنے پر آمادہ کرتی تھیں اور آپ کو اپنا قائم مقام بنانے کی دعوت دیتی تھیں۔ حضرت علیؑ کی عدالت، تدبر و تفکر، عزم و ارادہ حکمت و دانشمندی، احکام شریعت کی پابندی اور پھر فصاحت و بلاغت اور اخلاق کی بلندی، غریبوں کی دستگیری شجاعت و بہادری وغیرہ ایسی صفات حمیدہ ہیں جن سے آپ کی بلندی کردار کے تمام روشن پہلو سامنے آتے ہیں ۔ملاحظہ کیجیے آپ کا ایک عزم واستقلال سے بھرپور چھوٹا سا خطبہ: ''کمزور شخص میرے نزدیک طاقتور ہے یہاں تک کہ اس کا حق میں حاصل کروں اور طاقتور میرے نزدیک کمزور ہے یہاں تک کہ اس سے حق کو وصول کروں۔'' (۲۹) حضرت علیؑ کی صفات کا احاطہ کرنا عام انسانوں کے فہم وادراک سے بالاتر ہے ملاحظہ کیجیے چند اشعار:

جلوت میں بادشاہ ہے خلوت میں تو فقیر
جنگاہ میں جوان، حریم خرد میں پیر
دشت وغا میں طبل ادب گاہ میں صریر
میدان میں حدید ، مقالات میں حریر
سو معجزوں کا عطر ہے تیری حیات میں
اضداد کس قدر ہیں تری ایک ذات میں (۳۰)

یہ وہی حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی قوت ارادی کی انتہا ہے کہ طاقت وقوت کے باوجود صرف مصالح اسلامی کے لیے حضور ختمی مرتبتؐ کے بعد پیدا ہونے والے تمام جان سوز اور روح فرسا واقعات کو برداشت کیا مگر جو طریقہ کار اختیار کر لیا گیا تھا اس میں سر مو فرق نہ رہا۔ آپ نے فرمایا ''میرے ساتھ ہے میری حق بینی نہ کبھی میں نے اپنے تئیں مغالطے میں مبتلا کیا اور نہ کبھی مجھے شبہ واقع ہوا۔ (۳۱) معلوم ہوتا ہے کہ ایک انسان ہے جس کا ضمیر مطمئن ہے

جس کو اپنی حقانیت پر اعتماد ہے اور اپنی راستگوئی پر پورا بھروسہ ہے ایک اور جگہ آپؑ کا پر مغز خطبہ ملاحظہ کیجیے:

''کھڑا ہوں میں تمہارے واسطے حق کے راستے پر گمراہی کے چوراہے کے اندر جس جگہ تم سب پیہم ہوتے ہو اور کوئی رہنما نہیں ملتا اور کوشش کرتے ہو اور کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ غلط ہے رائے اس کی جو مجھ سے مخالفت کرے۔ شک نہیں ہوا مجھے حق میں کبھی جب سے میرے سامنے وہ پیش کیا گیا۔''

ملاحظہ کیجیے حضرت علیؑ کے اخلاقی جرأت کی انتہائی بلندی ''میں نے تم میں ایمان کا جھنڈا اگاڑ دیا اور تم کو حلال حرام کی حدوں سے باخبر کیا اور تمہیں اپنی عدالت سے امن وامان کا لباس پہنا دیا اور اپنے قول وفعل سے حسن سلوک کا اوڑھنا بچھونا تمہارے لیے کر دیا اور تمہارے سامنے اپنی ذات کی جانب سے بزرگ ترین اخلاق کا نمونہ پیش کیا'' (۳۳) دوسری جگہ ملاحظہ کیجیے باب مدینۃ العلم کے الفاظ خدا کی قسم رسول اللہ نے اپنے زمانے والوں کو جتنے تعلیمات پہنچائے تھے وہ آج میں تم تک پہنچا رہا ہوں اور تمہیں کوئی ایسی نئی بات نہیں سنائی جاتی جو انہیں نہ سنائی گئی ہو اور نہ اس کے لیے آنکھیں کھولی گئیں اور دلوں میں احساس پیدا کیا گیا مگر یہ کہ آج تمہارے لیے وہی بات حاصل ہے (۳۴) ایک اور جگہ آپ فرماتے ہیں میری امداد کرو خود اپنے نفسوں کے خلاف اور خدا کی قسم میں مظلوم کی ظالم سے داد ضرور دلاؤ نگا اور ظالم کو اس کی مہار پکڑ کر کھینچونگا یہاں تک کہ اسے حق کے چشمے پر پہنچا دوں اگر چہ وہ اسے ناپسند کرتا ہو۔ (۳۵) اب یہ بات غور طلب ہے کہ رسولؐ اللہ نے دو الفاظ ایسے استعمال کیے ہیں جو کسی دوسرے کے لیے استعمال نہیں کیے رسول کریم نے اپنے لیے ''شہر علم'' اور حضرت علیؑ کے لیے ''باب العلم'' کے الفاظ فرما کر فکر ہر کس بقدر ہمت اوست کے مطابق انسانی ذہن کو جھنجھوڑا ہے۔ بالکل اس طرح خالق کائنات نے دو الفاظ ایسے استعمال کیے ہیں جو کسی دوسرے کے لیے استعمال نہیں

ہوئے۔ذات واجب نے اپنے لیے رب العالمین اور حضور ختمی مرتبتؐ کے لیے رحمت اللعٰلمین فرما کر دعوت دی ہے کہ انسانی ذہن اس میں تفکر کرے۔کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ کتنے اور کیسے کیسے عالم ہیں بس اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جہاں جہاں خداوند عالم کی ربوبیت ہے وہاں وہاں حضور ختمی مرتبتؐ کی رحمت ہے۔اب منطق کا کونسا کلیہ ہے جو اس نظریے کو رد کر سکے کہ تمام عالمین ایک شہر ہے اور تمام عالمین کا علم خداوند عالم نے حضور اکرمؐ کو عطا کیا ہے تب ہی تو سرکار رسالتؐ پناہ نے فرمایا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے پس جو علم حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ باب مدینۃ العلم حضرت علیؑ کے پاس آئے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ نے منبر پر سلونی سلونی فرما کر ذہن انسانی کو غور و فکر کی دعوت دی ہے۔اب قلم میں طاقت نہیں کہ حضرت علیؑ کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے بحر ذخار کو اس کے تمام کمالات کے ساتھ قلمبند کر سکے۔اے علیؑ اے زبان رسالت سے باب مدینۃ العلم کا خطاب پانے والے، اے میدان جنگ کے سورما، اے منبر سلونی کے واحد دیدہ ور خطیب، اے جو کی روٹی سے بے پناہ طاقت حاصل کرنے والے شہسوار، شرافت آدم کے تاجدار، منہ پر تھوکنے سے غصہ تھوک کر دشمن کی جان بخشی کرنے والے، اور اپنے قاتل کو شربت پلانے اور موت کو محبوب رکھنے والے امام، اخلاق انسانی تیری دونوں خصوصیات کو قیامت تک فراموش نہیں کر سکتی۔

آبِ مکاں ، امام زماں، آیۂ مبیں
کنز علوم ، کاشف سر، کعبۂ یقیں
قاضیِ دہر، قبلۂ دوراں، قوام دیں
منشائے عصر، معنیِ کُـــــــن، میر عالمیں
تابندگی طرۂ طرف کلاہ علم
مولائے جاں، رسول تمدن، الٰہ علم (۳۶)

مآخذ

حسب ذیل اصحاب رسول اللہ (ص) سے یہ حدیث مروی ہے:

۱-حضرت علیؑ ابن ابی طالب حضرت امام حسنؑ، حضرت امام حسینؑ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حذیفہ یمانی، عبداللہ ابن عمر، انس بن مالک، عمر بن العاص اور تابعین سے حضرت امام زین العابدینؑ حضرت امام محمد باقرؑ، جریر یمنی، حارث بن عبداللہ ہمدانی، جریر الاسدی، مسلمہ بن کمیل الحضرمی، عبداللہ صحن بن عثمان، وغیرہ جمع الجوامع میں علامہ سیوطی، طبری، صواعق محرقہ ص ۷۳، اشعتہ اللمعات فی شرح مشکوۃ ج ۴ ص ۳۶۹ عبدالحق محدث دہلوی، البدایہ و النہایہ ص ۳۵۹، ۳۵۸، اسمٰعیل بن عمر الاشقی ''نوٹ'' کتاب عبقات الانوار' ج ۵ میں تحریر ایک نقشہ ۴۶ اراویوں سے البلاغ المبین میں شائع ہوا اور کثیر حوالے اس میں درج ہیں جو صاحب دیکھنا چاہیں میرے پاس موجود ہے۔

۲-سیرت النبی، ج ۱ ص ۱۵۸

۳- تطہیر الجنان، ابن حجر مکی، ص ۱۶۶

۴- سورہ شعراء، آیت ۲۱۴

۵- طبری، ج ۲ ص ۲۱۷ و دیگر مسند کتب

۶-۷-ترجمہ نہج البلاغہ، ج ۲ ص ۱۸۳ طبع مصر

۸- طبقات ابن سعد، ص ۱۳۲

۹-مواہب لدنیہ قسطلانی، ج ۱ ص ۷۸

۱۰-تاریخ خمیس، ج ۱ ص ۳۶۷

۱۱-ابوالفداء، ج ۱ ص ۱۲۶، تاریخ خمیس، دیار بکری، ص ۳۶۶، ابن اثیر، ج ۲ ص ۳۹

۱۲-ابن عبدالبر، الاستیعاب، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد، ج ۲ ص ۲۷۳، صواعق محرقہ، مطبوعہ مصر، ص ۷۵، تاریخ خمیس، ج ۱ ص ۴۹۸۔

۱۳-تاریخ خصائص نسائی، ص ۳۷، ریاض النضرۃ، ج ۲ ص ۱۹۲

۱۴-تاریخ ابوالفدأ، ج ۱ ص ۱۲۹

۱۵- صواعق محرقہ، مطبوعہ مصر، ص ۸۶، تاریخ خمیس ج ۱ ص ۴۰۸، مواہب لدنیہ ج ۱ ص ۸۹

۱۶-تاریخ ابوالفدا، ج ۱ ص ۱۸۲

۱۷-شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوہ کے علاوہ اس حالت کی حاکم، امام فخر الدین رازی، محمد ابن جریر طبری، ابن اثیر جزری، شیخ الاسلام علامہ سیوطی سب نے اپنی اپنی اسانید میں تحریر کیا ہے۔

۱۸-تاریخ خمیس ص ۵۴۷

۱۹-تاریخ طبری ج ۳، ص ۷۹

۲۰-تاریخ طبری، ج ۳، ص ۹۳

۲۱-تاریخ خمیس، ج ۲، ص ۹۵

۲۲-مواھب لدنیہ، ج ۱، ص ۱۶۴

۲۳-صحیح بخاری ج ۳، ص ۹۳، تاریخ خمیس ج ۲، ص ۱۳۸، تاریخ طبری ج ۳، ص ۱۶۶، دیگر اسانید

۲۴-خصائص نسائی، ص ۶۴-۶۱، طبری ج ۳، ص ۱۵۴ و متعدد اسانید

۲۵-اسرار خودی ۲۶-سورۃ النجم، ۲۷-رموز بیخودی ۲۸-صواعق محرقہ، مطبوعہ مصر، ص ۷۷

۲۹-نہج البلاغہ ۹۸-۹۷　۳۰-طلوع فکر جوش ملیح آبادی　۳۱-نہج البلاغہ ص ۴۸،

۳۲-نہج البلاغہ ج ۱، ص ۴۴　۳۳-نہج البلاغہ، ص ۱۶۸ ، ۳۴-نہج البلاغہ، ص ۱۷۱

۳۵-نہج البلاغہ ج ۱، ص ۶۶ مصر　۳۶-طلوع فکر جوش ملیح آبادی۔

☆☆☆

میر سید علی ہمدانی

ایران کی ایک تاریخ ساز شخصیت

پروفیسر ڈاکٹر سید عبدالرحمن ہمدانی☆

قدیم شاہراہ پر جو عراق کی نشیبی زمین (میسوپوٹیمیا) کو ایران کی سطح مرتفع سے ملاتی ہے، کوہ الوند کی شمالی اترائی پر ایک بہت قدیم شہر ہمدان واقع ہے جس کا نام اُس کے بانی جمشید نے ہگمتانہ رکھا تھا۔ یہ تہران سے جنوب مغرب کی طرف ۱۸۸ میل دُور ہے۔ ھخامنشی بادشاہ اس شہر میں موسم گرما میں رہائش پذیر ہوا کرتے تھے۔ اس کی سطح سمندر سے بلندی ۵۹۳۰ فٹ ہے۔ یزدگرد اول کی بیوی ملکہ شوہش دخت یہیں مدفون ہے۔ سکندر اعظم نے جب ایران پر حملہ کیا تو وہ بھی یہاں ٹھہرا تھا اور اس نے ایران سے لوٹا ہوا خزانہ بھی یہیں جمع کیا تھا۔ الوند پہاڑ کبھی ابدال و اقطاب سے خالی نہیں رہا۔ مشہور ہے کہ اس کے دامن میں کم و بیش چار سو اولیائے کرام مرتبہ کمال کو پہنچے۔

یہاں دنیائے اسلام کی عظیم شخصیتیں آسودہ خواب ہیں مثلاً جلیل القدر صحابی ابو دجانہؓ، حضرت ہادی بن حضرت زین العابدینؒ بن حضرت سیدنا امام حسین علیہم السلام، شرف الدین محمود صاحب نزول السائرین (م ۷۴۳ھ)، عین القضاۃ ہمدانی (م ۵۲۵ھ)، بابائے طب شیخ الرئیس ابن سیناؒ وغیرہ۔ اسی تاریخی شہر میں بروز پیر ۱۲ رجب

☆ مصنف سالار عجم، لاہور، ۱۹۹۰ء

۱۴۷ھ (۲۲ اکتوبر ۱۳۱۴ء) کو عالم اسلام کے ایک عظیم محسن کی ولادت ہوئی جنہیں شاعر مشرق علامہ اقبال نے یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے:

سید السادات سالار عجم
دست او معمار تقدیر امم
تاغزالی درس اللہ ہو گرفت
ذکر و فکر از دودمان او گرفت
مرشد آن کشور مینو نظیر
میر و درویش و سلاطین را مشیر
خطہ را آن شاہ دریا آستین
داد علم و صنعت و تہذیب و دین
آفرید آن مرد ایران صغیر
باہنر ملتی غریب و دل پذیر
یک نگاہ او کشاید صد گرہ
خیز و تیرش را بدل راہے بدہ

والد ماجد سید شہاب الدین ہمدانیؒ کی طرف سے آپ کا شجرہ نسب سیدنا امام حسینؑ سے جاملتا ہے اور والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ (س) سیدنا امام حسنؑ کی اولاد سے تھیں۔ اس طرح آپ نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپ کا خانوادہ دوسو سال سے ہمدان میں مقیم اور اس کا حکمران تھا۔ سلاطین سلجوقی اس خاندان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ آپ کے والد امور حکومت میں مصروفیت کے باوجود خاصان بارگاہ الہٰی میں سے تھے اور آپ نے اپنی موروثی جائیداد فی سبیل اللہ وقف کردی تھی۔ سید علی ہمدانی کے بچپن اور جوانی کا زمانہ ہمدان، سمنان، مزدقان

اور رے میں بسر ہوا۔ آپ نے بھی اپنی دولت و جائیداد فی سبیل اللہ وقف کر دی۔ سلطنت کے جاہ و جلال اور عزت و تمکین کو قطعاً وقعت نہ دی اور ہمہ تن حصول علم کی طرف متوجہ رہ کر ابتدائی عمر کے قلیل حصہ یعنی بارہ سال کی عمر میں حفظ قرآن اور کسب علوم دینی سے فراغت حاصل کر لی۔ آپ نے یہ تعلیم اپنے ماموں سید علاء الدین سمنانیؒ (م ۷۴۶ھ) اور شیخ نجم الدین محمد بن احمد الموفق الاذکانیؒ سے حاصل کی۔ اول الذکر بزرگ ''یکے از اولیائے زماں'' تھے اور پندرہ سال وزیر رہنے کے بعد حلقۂ صوفیہ میں شامل ہو گئے تھے۔ کہتے ہیں انہوں نے اپنی زندگی میں ایک سو سے زیادہ چلّے کاٹے تھے۔ انہوں نے سید علی ہمدانیؒ کو علوم باطنی کی تحصیل کے لیے اپنے ایک تربیت یافتہ مرید شیخ ابوالبرکات تقی الدین علی دوستی (م ۷۳۴ھ) کے سپرد کیا۔ جن مشائخ سے سید علی ہمدانی کو اجازت ارشاد و تلقین حاصل ہوئی۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱- شیخ محمود مزدقانی رازی، ۲- شیخ علی دوستی سمنانی، ۳- شیخ حافظ محسن، ۴- شیخ حسین، ۵- شیخ جبرئیل کردی، ۶- شیخ خالد، ۷- شیخ ابو بکر طوسی، ۸- شیخ نظام الدین، ۹- شیخ شرف الدین، ۱۰- شیخ اثیرالدین، ۱۱- شیخ نجم الدین، ۱۲- شیخ عماد الدین تکاہی، ۱۳- شیخ محمد اذکانی اسفرائنی، ۱۴- شیخ محمد مرشدی، ۱۵- شیخ عبداللہ مصری، ۱۶- شیخ علی مصری، ۱۷- شیخ عوض علاف، ۱۸- شیخ مراد گردیزی، ۱۹- شیخ عمر، ۲۰- شیخ عبداللہ، ۲۱- شیخ ابو بکر، ۲۲- شیخ ابوحرمہ، ۲۳- شیخ بہاء الدین، ۲۴- شیخ عزیز الدین، ۲۵- شیخ برہان الدین، ۲۶- شیخ شرف الدین سبزی، ۲۷- شیخ ساغری، ۲۸- شیخ زین الدین محمد عربی، ۲۹- شیخ ابوالقاسم، ۳۰- شیخ عبدالرحمٰن مجذوب، ۳۱- شیخ حسین بن مسلم، ۳۲- شیخ ابوالفرح طرطوسی، ۳۳- شیخ ابوسعید حبشی۔ ان میں سے ہر ایک بقول حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ جنید زماں اور سقطی جہاں تھا۔ اپنے مرشد و استاد شیخ علی دوستی قدس سرہ کے متعلق حضرت امیرؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے مجھے ایسے طریقۂ ذکر کی تعلیم دی جس کی مواظبت سے مجھے ایسی لذت حاصل

ہوئی کہ میں باقی تمام لذتیں بھول گیا۔ آپ کو حضرت شیخ محمود مزدقانی رازی کے پاس جا کر وہاں سے فیض حاصل کرنے کا خواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ جنہوں نے آپ کو دیکھتے ہی فرمایا'' اگر برائے مخدومی در خانقاہ آمدی من از سر قدم می سازم مرید را نباید کہ در خدمت تقصیر کند و اگر برای خادمی آمدی کفش این غلام سیاہ کہ پوست کناسِ خانقاہ پیش او باید نہادٗ بمقصو درسی۔ چنانچہ وقت کے اس جلیل القدر بزرگ اور آپ کے ماموں حضرت سمنانیؒ کے اس خلیفۂ عظیم نے آپ کو تزکیۂ نفس کے کام پر لگا دیا۔ آپ سال بھر کو خانقاہ کی صفائی پر مامور سیاہ فام غلام کے جوتے اٹھاتے رہے۔ اس کے بعد آپ کو خانقاہ کی خاکروبی، سقائی، پاسبانی اور درویشوں کی خدمت پر لگایا جاتا رہا۔ مزید تین ماہ آپ کو زنجیروں میں مقید رکھا گیا اور انتہائی کم خوراک دی گئی۔ یہ دور ''چاہِ زندان'' کے نام سے معروف ہے۔ خانقاہ کے ارادتمند اکثر آپ کو یہ مناجات پڑھتے سنتے:۔

الا ایھا المامول فی کل حاجۃ

رجوتک فاکشف ضرمابی وفاقتی

الا یارجائی ! انت کاشف کربتی

فھب لی ذنوبی واقض حاجتی

''اے ہر حاجت میں مرکز امید! میں نے تجھ سے لو لگائی ہے۔ پس میری مصیبت اور فاقہ درویشی کا مداوا کر' اے امیدوں کے مرکز! تو ہی رنج و غم دور کرتا ہے۔ میرے گناہ معاف فرما اور میری حاجت پوری فرما۔'' اس محنت شاقہ کے بعد آپ سے خوش و مطمئن ہو کر شیخ نے آپ کو حضرت تقی الدین کی خدمت میں لوٹا دیا جہاں آپ نے بہت سی ظاہری اور باطنی نعمتیں حاصل کیں۔ آغاز سلوک میں ہر سوموار کو حضور اکرمؐ کی زیارت اور محبت کا فیضان آپ کو نصیب ہوتا اور کئی دعائیں بارگاہ رسالت سے عطا کی گئیں جن میں حرز یمانی جو'دعائے سیفی'

کے نام سے مشہور ہے بھی شامل ہے، جس کے متعلق حضرت امیر قدس سرہ کا فرمان ہے کہ اسے بین الصبحین چالیس دفعہ پڑھنا تمام دینی و دنیوی حاجات کے لیے اکسیر ہے بشرطیکہ خلوص دل کے ساتھ پڑھا جائے۔

آپ نے بیس سالہ دور سیاحت میں ایک ہزار چار سو اولیائے کامل کی زیارت کی اور ان سے فیوض حاصل کیے۔ ان میں سے بیس اولیائے کرام سے آپ کو دولت وارشاد حاصل ہے۔ ان میں سے چار سو اولیاء اللہ نے آپ کو گنجینۂ معرفت سے چار سو کلمات عطا فرمائے۔ اس مجموعے کا نام آپ نے اوراد فتحیہ رکھا۔ اس کے متعلق آپ اپنی ایک تصنیف اسراریہ میں لکھتے ہیں کہ سیر و سیاحت کے دوران جب میں بارھویں دفعہ مدینہ منورہ پہنچ کر روضۂ اطہر جناب رسول اللہؐ پر تحیۃ و سلام کے لیے حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپؐ کے سامنے صحابہ کرامؓ کا جم غفیر حاضر ہے اور اس حلقے میں یہ اوراد بڑی خوش الحانی سے پڑھے جا رہے ہیں۔ مجھے مجلس عالیہ میں امام الانبیاءؐ نے بلا کر ایک طویل و عریض کاغذ مرحمت فرمایا جس میں یہ کلمات ایک نئی ترتیب سے لکھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا ''اے علی اوراد کو اسی ترتیب سے پڑھا کرو۔'' حضرت شاہ ولی اللہؒ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں تحریر فرماتے ہیں ''جو حضور قلب کے ساتھ اسے اپنے اوپر لازم کرلے اس کی برکت اور صفائی کا مشاہدہ کرے گا اور چودہ سو اولیاء کی ولایت سے حصہ پائے گا۔'' خود حضرت امیرؒ فرماتے ہیں ''اوراد کو مقبولیت دعا کے لیے میں نے ہزار بار آزمایا ہے بشرطیکہ پڑھنے کی شرائط کی پابندی کی جائے۔'' آپ نے اپنی تصنیفات میں حضرت سیدنا امیر المومنین علیؑ سے بھی براہ راست راہنمائی حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے۔

حضرت تقی الدین کے انتقال کے وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔ آپ نے اپنے مرشد کی خدمت میں واپس آ کر عرض کیا ''حد سے بڑھتے ہوئے درد اور ہاتھ سے جانے

والے دل کا اب کیا علاج باقی ہے؟'' تو آپ کو حکم ملا کہ ''سیروا فی الارض'' اور بزرگان دین کی زیارت سے استفادہ کرو۔ چنانچہ آپ نے تین دفعہ دنیا کی سیاحت کی۔ اسلامی ممالک کے علاوہ آپ چین، روس، لداخ اور گلگت بھی پہنچے۔ خلاصة المناقب میں مزدقان، ختلان، بلخ، بدخشان، خیوا، یزد، شام، بغداد، روم، ماوراء النہر، سراندیب اور زینون (چین کا ایک مقام) کے نام ملتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ ''میں تین بار مشرق سے مغرب تک پھرا، بحر و بر کے بے شمار عجائب دیکھے۔ ہر بار نئے شہر اور نئے علاقے میں گیا۔'' آپ نے ایک عیسائی ملک میں بہت سے لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ آپ نے سفر کے کئی دلچسپ واقعات بیان کیے ہیں۔ ایک دفعہ آپ اٹھائیس روز تک بغیر کھائے پیئے چلتے رہے۔ جامع السلاسل اور تاریخ ظھیری میں مرقوم ہے کہ روم میں ایک دفعہ پادریوں کا علمائے اسلام سے مناظرہ ہوا۔ پادریوں کا کہنا تھا کہ تمہارے پیغمبر کا قول کہ ''علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل'' (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کرام کی مانند ہیں) اگر صحیح ہے تو تم سب میں سے کوئی عالم مردے کو زندہ کر کے دکھائے جیسا کہ ہمارے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام کیا کرتے تھے۔ علماء نے چالیس روز کی مہلت مانگی۔ میعاد پوری ہونے کو تھی کہ حضرت امیر پھرتے پھراتے اس ملک میں جا پہنچے۔ آپ نے پادریوں کو کہا کہ کوئی مردہ لاؤ۔ آپ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا ''کھڑے ہو جاؤ! مردہ زندہ ہو گیا۔ تمام پادری یہ دیکھ کر حقانیت اسلام پر ایمان لے آئے۔ ترکستان میں آپ نے مقام اصحاب کہف دیکھا۔ سراندیب (سری لنکا) میں ایک پہاڑ پر حضرت آدم علیہ السلام کے نقش پا کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تو ایک اژدھے نے آپ کا راستہ روکا جسے اس مظہر کرامات و مصدر تجلیات نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بغیر ہتھیار کے فوراً ہلاک کر دیا۔ مشہد میں حضرت امام علی رضاؑ کے مزار کی زیارت کے لیے

آئے تو آدھی رات کو دیکھا کہ حضرت اپنے مرقد سے نکلے، آپ کو اپنی چادر اتار کر عنایت فرمائی اور ذکر کی تلقین اور بیعت کرنے کا حکم دیا۔ پہاڑوں اور غاروں میں جنوں اور شیاطین کا آپ کو سامنا کرنا پڑا۔ بحری سفر کے دوران کشتیاں ٹوٹ پھوٹ گئیں مگر آپ ہر جگہ اطمینان کے ساتھ سورہ فتح کی تلاوت کرتے ہوئے اپنی دھن میں مگن رواں دواں رہے۔ خلاصة المناقب میں تحریر ہے کہ حضرت نے فرمایا "میرے انتقال کے سو سال بعد ایسے طالب پیدا ہونگے جو میرے آثار اور رسائل کا مطالعہ کریں گے اور میری قدر پہچانیں گے۔" آپ کی تربیت سے بے شمار افراد رجال بنے۔ بقول نورالدین بدخشی اخیار جب کمال معرفت حاصل کر لیتے ہیں تو انہیں بساط دنیا کی سیاحت پر مامور کیا جاتا ہے تاکہ دنیا کے مختلف گوشوں میں عباد و طلاب کی راہنمائی کریں۔ حضرت میرؒ سیاحت مطلقہ کے الٰہی اکابر میں سے تھے۔ دوران سیاحت آپ نے ہندوستان میں شیخ یحییٰ منیری (م ۷۸۲ھ) سے خرقۂ اجازت حاصل کیا۔ اسی طرح عارف دوران شیخ محمد الاذکانی اسفرائنی (م ۷۷۸ھ) سے بھی اجازت حاصل کی۔ ایک دفعہ خواب میں حضور اکرم نے آپ کو کسب کو اپنا ذریعۂ معاش بنانے کا حکم دیا اور کلاہ دوزی اختیار کرنے کے لیے فرمایا۔ چنانچہ آپ نے نہ صرف اس پر خود عمل کیا بلکہ اہل و عیال اور متعلقین کو بھی نان جویں کسب سے حاصل کرنے کی تلقین فرمائی۔

سیاحت دنیا سے واپسی کے بعد آپ جب ۷۵۳ھ میں اپنے وطن ہمدان میں واپس آئے تو آپ نے شیخ محمد بن محمد الاذکانی اسفرائنی (م ۷۷۸ھ) کے حکم سے ایک سیدزادی سے نکاح کیا۔ ہمدان میں مساجد اور عبادت گاہیں بنوائیں۔ دل کھول کر غربا و فقرا پر مال صرف کیا اور خود قوت لایموت پر گذر بسر کی۔ آپ کا زیادہ وقت ہمدان کی تاریخی عبادت گاہ گنبد علویان میں بسر ہوتا تھا اور باقی وقت گرد و نواح میں جا کر آپ دعوت الی اللہ میں صرف کرتے۔ تقریباً بیس سال آپ نے ہمدان میں اسلام کی تبلیغ کی۔ ھگمتانہ میں

لکھا ہے کہ ابتدا میں اس عمارت کا رنگ سرخ تھا۔ اس پر سورۂ دہر کی ابتدائی آیات اور دیگر قرآنی آیات تحریر تھیں اور یہ عہد سلجوقی میں تعمیر ہوئی تھی۔ اس کی بلندی چھ سوفٹ تھی۔ راقم الحروف نے جب اگست ۱۹۷۳ء میں اسے دیکھا تو بالائی حصہ گر جانے کی وجہ سے اس کی اونچائی بہت کم پائی۔ دیواروں پر مدھم نقش و نگار اب بھی باقی تھے۔ بجانب قبلہ محراب کے قریب سے زیرین منزل (سردابی) کو سیڑھیاں جاتی ہیں۔ سردابی کے تقریباً وسط میں فیروزی رنگ کی اینٹوں کا ایک اونچا چبوترہ ہے جس پر دو قبریں ہیں جن کے متعلق ڈاکٹر محمد ریاض پروفیسر شعبۂ ادبیات فارسی سنٹرل کالج، اسلام آباد جنہوں نے حضرت میرؒ کے متعلق تحقیقی مقالہ لکھ کر تہران یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کیا تھا، مجھے تہران میں بتایا تھا کہ یہ دونوں بزرگ حضرتؒ کے بھائی کی اولاد ہیں۔ مشہور محقق آقائے علی اصغر حکمت کی تحقیق کے مطابق یہ قبریں نویں صدی ہجری کی ہیں۔ اس سردابی کے شمالی طرف ایک کھڑکی تھی جہاں سے حضرت میرؒ اپنی قیام گاہ سے عبادت وتخلیہ کے لیے یہاں آیا کرتے تھے اور روزانہ تہجد یہاں پڑھتے اور شب جمعہ بھی یہاں گذارتے۔ آپ کے خاندان کی یہ جائے اعتکاف بھی مدتوں رہی ہے گویا یہ زیرزمین عبادت کے لیے ان کے آنے جانے کا راستہ تھا۔

حضرت میرؒ کو اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر بے شمار تکالیف اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ خلاصۃ المناقب میں مولانا نورالدین بدخشانی نے لکھا ہے کہ حضرتؒ نے فرمایا مجھے علمائے سوء، امراء اور بادشاہوں نے کئی بار زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا تاہم اس کا اثر باقی رہا اور ہر سال چند دنوں کے لیے درد عود کر آتا۔ شاہ بلخ نے آپ کو فولاد کا ایک گھوڑا تیار کر کے آتش فروزاں میں گرم کر کے اس پر سوار کرایا مگر وہ قدرت کاملہ سے کرۂ زمہریر کی مانند سرد ہو گیا اور وہ زندہ گھوڑے کی طرح چلنے لگا۔ بادشاہ آپ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہو گیا۔ امیر تیمور کو ہر وقت خطرہ لاحق رہتا تھا کہ کہیں حضرتؒ اپنی

موروثی سلطنت کا دعویٰ نہ کریں کیونکہ خویش و اقارب اور معتقدین کی کثیر جماعت آپ کے ساتھ تھی۔ اس کے علاوہ اس کے اکثر قوانین غیر اسلامی تھے اور چنگیز خان کے ضابطۂ قوانین ''تاسر یاسر'' سے اخذ کئے گئے تھے جن پر حضرت اس کی حمایت پر آمادہ نہ تھے۔ بادشاہ نے انہیں قتل کرنا چاہا بلکہ ان کے بہت سے متعلقین کو تہ تیغ کر دیا اور آپ کو حکم دیا کہ اپنے خاندان کے باقی افراد کو لے کر اس کی قلمرو سے نکل جائیں۔ چنانچہ آپ علماء و سادات میں سے سات سو ہمراہی لے کر کشمیر کو روانہ ہو گئے۔ **تاریخ فرشتہ** میں لکھا ہے کہ جب حضرت ۷۸۱ھ میں سری نگر کے قریب پہنچے تو سلطان شہاب الدین والیِ کشمیر نے آپ کا استقبال کیا اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کو شہر میں لایا۔ آپ نے محلہ علاء الدین پورہ میں قیام فرمایا۔ اس وقت فیروز تغلق اور شہاب الدین ایک دوسرے کے ساتھ آمادۂ جنگ تھے۔ آپ نے ان میں مصالحت کرا دی۔ آپ کے ہاتھ مخلوق خدا کثیر تعداد میں مشرف بہ اسلام ہوئی۔ آپ کی تشریف آوری سے قبل کشمیر میں اسلامی احکام جاری نہ تھے۔ بلکہ کفر و شرک کی رسومات رائج تھیں۔ آپ کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے یہ دارالکفر قبۃ الاسلام بن گیا۔ احکام شریعت سے نابلد بادشاہ نے دو حقیقی بہنوں سے شادی کر رکھی تھی۔ آپ کی ہدایت سے وہ تائب ہو گیا اور ان میں سے ایک کو طلاق دے دی۔ ہندوانہ لباس ترک کر دیا۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں اس نے ستی (عورت کا خاوند کے مرنے پر اس کے ساتھ زندہ جل مرنا) کا خاتمہ کر دیا۔ شراب کی کشید و فروخت پر پابندی عائد کی۔ ناچ گانا بند کر دیا۔ بادشاہ آپ کا اتنا گرویدہ ہو گیا کہ صاحب **تحائف الابرار** لکھتے ہیں:

به مجرد فرمودن ایشان بادشاه روبه اسلام آورد و به شرف بیعت از مذهب ایشان گردید. این بیت در منقبت آنجناب انشا کرد :

جانم فدا برخاک قدم تو باد یا امیر
روحم فدا برشرف نام تو باد یا امیر

جب آپ نے بت پرستوں کو دعوت اسلام دی تو انہوں نے کہا ہمارا بڑا راہب شاپور آپ پر ایمان لے آئے تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ آپ اپنے مریدوں کے ہمراہ وہاں پہنچے تو اس نے کہا اے سید! یہ بتا کہ میرے سامنے جو گائے ہے اس کے پیٹ میں نر بچہ ہے یا مادہ؟ تو آپ نے جو جواب دیا آپ کی توجہ ڈالنے پر گائے نے وہی جنا۔ اس نے اس کی رنگت کے بارے میں بھی پوچھا تھا، وہ بھی آپ کے فرمان کے مطابق نکلی۔ اس کے بعد حضرت نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارا شہر کہاں تک ہے؟ وہ فوراً اپنی جگہ سے اچھلا اور پرندے کی مانند آسمان کی جانب اڑنے لگا اور نظروں سے غائب ہو گیا۔ آپ نے اپنی جوتیوں کو اشارہ کیا وہ اس کی سرکوبی کرتی ہوئی اسے نیچے لے آئیں۔ وہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ آپ نے اس کا نام شاہ محمد رکھا۔ اس کے اسلام لاتے ہی اس کے پیروکاروں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ تحائف الابرار میں ان کی تعداد ۳۷ ہزار لکھی ہے جنہوں نے زنار گلے سے اتار پھینکے اور مسلمان ہوئے۔ اس بت خانے میں تین سو اسی بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ آپ نے اس بت خانے کو جس کی تعمیر پر راجہ پرور دسین نے سات لاکھ اشرفیاں خرچ کی تھیں منہدم کر دیا۔ اس میں آپ نے نماز با جماعت کے لیے چبوترہ بنوایا۔ لوگ آپ کے قیام کے دوران (تقریباً چھ ماہ) جوق در جوق حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہے۔ آپ نے انہیں احکام شریعت کی تعلیم دی، ان کی روحانی تربیت فرمائی، اور مسلمانوں کے عقائد میں پختگی پیدا کی۔ بقول مؤلف خزینۃ الاصفیاء (ج ۲، ص ۲۹۵) ''احکام شریعت غرا بطفیل آن محبوب کبریا در کشمیر رواج یافتند و ہزار ہا گمراہان لایعقل رو براہ آوردند۔'' اس کے بعد حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے اور ۷۷۳ھ کو تاجیکستان کے شہر ختلان کو اپنا مرکز بنایا اور

مسجد، خانقاہ اور اپنے مدفن کے لیے ایک قصبہ خریدا۔

۷۸۱ھ میں آپ پھر کشمیر میں جلوہ افروز ہوئے۔ اس دفعہ آپ نے کشمیر میں تقریباً اڑھائی سال قیام فرمایا بقول علم الدین سالک (ادبی دنیا) آپ کے ایک ایک وعظ پر محلوں کے محلے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور انہوں نے اپنے مندروں کو معمولی سی ترمیم کے بعد مسجدوں میں تبدیل کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ آپ نے کشمیری تہذیب وتمدن اور معاشرت وثقافت میں ایک عظیم انقلاب برپا کیا۔ ہندوانہ وضع قطع کے لباس کی جگہ اسلامی لباس رائج کیا۔ آپ کے ہمراہی علماء مختلف فنون کے ماہر، حاذق طبیب، ماہر زراعت غرضیکہ ہر فن میں صاحب کمال تھے۔ شال بننے کی صنعت، کلاہ دوزی، قالین بافی، ریشم کا کام جو آج کشمیر کا طرۂ امتیاز ہے یہ سب انہی اہل کمال کا فیض ہے۔ سات سو ہمراہی مبلغین نے کشمیر میں جگہ جگہ علمی مراکز، فنی تربیت گاہیں، شفاخانے اور صنعتی مراکز قائم کیے۔ حضرت امیرؒ نے بادشاہ وقت پر اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے ملک بھر میں مدارس، کتب خانوں، مسافر خانوں، باغات اور رفاہ عامہ کے دیگر کاموں کی خوب ترویج کی۔ آپ کی انہی خدمات کی وجہ سے شاعر مشرق علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں آپ کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ آپ کی یادگار "خانقاہ شاہ ہمدان" (دریائے جہلم کے کنارے تیسرے اور چوتھے پل فتح کھل اور زینہ کھل کے درمیان جہاں آپ پانچ وقت نماز باجماعت ادا کرتے تھے) آج بھی نہ صرف اسلامی تعلیمات بلکہ تحریک آزادی کشمیر کا مرکز ہے۔ سلطان سکندر نے یہاں لنگر جاری کیا تھا جس کے مصارف کے لیے تین گاؤں وقف تھے۔

اس کے بعد آپ لداخ کے رستے ترکستان تشریف لے گئے۔ آپ نے تبت کوچک (کشمیر اور یارقند کا درمیانی علاقہ) میں تمام بت خانے منہدم کرا دیے اور ان کی جگہ مساجد اور روحانی تربیت کے لیے خانقاہیں بنوائیں۔ آپ بلتستان اور سکردو تشریف لے گئے

اور وہاں بدھ مت کے پیروکاروں کو حلقۂ اسلام میں داخل کیا۔ اس علاقے میں آپ کو اولین مبلغ اسلام تسلیم کیا جاتا ہے۔ آپ نے ۷۸۳ھ میں یہاں پہلی مسجد چقچن خپلو کے مقام پر بنائی۔ اس کے بعد سولتورو، مگبہ، تکشی، کھری ڈانگ، دمودلہ، پھروا، چھابدنجی اور امبوریک میں مساجد تعمیر کرائیں۔ اسکردو کے حکمران مقپون نے آپ کی مساعی جمیلہ سے اسلام قبول کیا، خپلو کا حکمران خاقان ترک نسل سے تھا، اس نے بھی اسلام قبول کیا۔ بعد ازاں آپ شگر تشریف لے گئے اور اس کے دور دراز علاقوں مثلاً براسود باشہ، چھورکا، چھوترون، تیسار، غندس اور امبوڑک میں پہنچ کر تبلیغ فرمائی۔ ایک عالیشان مسجد امبوڑک میں تعمیر ہوئی جس کے گنبد میں آپ کا عصا اب بھی موجود ہے۔ آپ نے بھرونجی میں جو مسجد تعمیر کرائی اس کی اندرونی دیواروں پر اپنے دست مبارک سے جلی حروف میں سورہ مزمل اور دیگر سورتیں لکھیں۔ یہ مسجد اب بھی ایک چٹان پر موجود ہے۔ ان مساجد کو لوگ ''مساجد حضرت امیر'' کے نام سے یاد کرتے ہیں بلتستان و گلگت و لداخ وغیرہ میں آپ کا قیام چند سال رہا پھر آپ سلتورو کے راستے یارقند پہنچے۔

حضرت امیر سید علی ہمدانی کے کرامات بے شمار ہیں جن کا ذکر مضمون کی طوالت کے خوف سے ترک کیا جاتا ہے۔ آپ نے سالکین کے لیے بیس ہدایات و وظائف پر مشتمل ایک بیش بہا لائحہ عمل تجویز فرمایا جو آج بھی روحانی تربیت کے متلاشیوں کے لیے مشعل راہ ہے۔

آپ ایک متبحر عالم تھے اور علوم ظاہری میں بھی ارفع و اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ تحفة الامیر میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرتنا و مرشدنا امیر سید علی همدانی در علوم ظاهری پایهٔ جلیل و مرتبهٔ جمیل داشتند و هیچ کس هم پلهٔ ایشان متصور نمی شود . چنانچه از مطالعهٔ تصنیفات آنحضرت یقین حاصل می توان کرد.

حضرت ملا جامی قدس سرہ نفحات الریاحین میں لکھتے ہیں:

او علی بن شہاب الدین ہمدانی است، جامع بود میان علوم باطنی و علوم ظاہری و وی را در علوم اہل باطن منصفات مشہور است۔

محمد یعقوب صرفی جو کشمیر کے علماء میں درجۂ اختصاص رکھتے ہیں۔ ذی علم بزرگ اور عہد اکبری کے زبردست شاعر اور علم حدیث و تصوف میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے شاگرد ہیں، آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

من بندۂ شاہ ہمدانی ہستم
پروردۂ آن علی ثانی ہستم
بستہ این سلسلہ آبائے من
چون دل دیوانہ و شیدائے من
صرفی مسکین کہ ہوا خواہ اوست
از دل و جان بندۂ درگاہ اوست

آپ کی تصانیف کی تعداد تحائف الابرار میں ایک سو ستر بیان کی گئی ہے۔ چند تصانیف کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے:

۱- ذخیرۃ الملوک (مطبوعہ بہاولپور پریس، لاہور): اس کے اردو، لاطینی، ترکی اور فرانسیسی زبانوں کے علاوہ اور کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ اس کے دس باب ہیں: باب اول: ایمان کے احکام و شرائط اور عذاب ابدی سے بچنے اور سرمدی نعمتیں حاصل کرنے کے طریقے، دوم: حقوق عبدیت، سوم: بادشاہوں اور حاکموں کو مشورے، چہارم: حقوق والدین، شوہر، بیوی، اولاد، رشتہ دار، دوست، ماتحت، پنجم: سلطنت اور امارت کے احکام، رعایا کے حقوق، حکومت کی شرائط دینی، ششم: سلطنت معنوی اور خلافت انسانی کے

اسرار، ہفتم: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ہشتم: صبر اور تکالیف کی حقیقت، دہم: تکبر اور غصہ کے اسباب اور علاج۔

۲-مشارب الاذواق: یہ شیخ ابن الفارض مصری (م ۶۳۲ھ) کے مشہور قصیدہ خمریة میمیة کی عارفانہ شرح ہے جس کا مطلع ہے:

شربنا علی ذکر الحبیب مدامةً

سکرنا بها من قبل ان یخلق الکرم

اس کے قلمی نسخے برٹش میوزیم لندن، انڈیا آفس لائبریری، تہران یونیورسٹی، پیرس، پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، تاشقند اور تاجیکستان میں موجود ہیں۔

۳-رسالہ ھمدانیه کسی کے اعتراض کے جواب میں کہ ھمہ دان صرف خدا کی ذات ہے کوئی بندہ کیسے ھمہ دان ہوسکتا ہے، تالیف فرمایا۔

۴-رسالہ وجودیه: (وجود پر عارفانہ بحث)

۵-رسالہ منامیه اس کا موضوع ہے حقیقت: مثال خیال، مطلق، کیفیت مراتب، مقامات رؤیا اور درجات خلق و ادك علوم و معانی از عالم علوی و اطوار خیال و مثال وغیرہ۔

۶-رسالہ بهرام شاهیه: (موضوع: ایزد تعالیٰ نے انسان کے لیے ایک غیر مختتم سفر مقرر فرمایا، اس کے خطرات و منازل)

۷-درویشیه: (جوہر انسانیت پر بحث)

۸-عقلیه: (انسانی عقل کی فضیلت، اس کے مختلف نام، صفات و درجات، عقل کے مطابق مخلوق خدا کا تنوع)

۹-ذکریه (عربی زبان میں) ذکر کی اہمیت،

۱۰-داؤدیه: اہل عرفان وسلوک کے مشاہدات اوراذکار کے فضائل

۱۱-موچلکه: ظاہروباطن کا تفاوت، غوروانہماک سے مشاہدہ کرنے کی تلقین۔ سورۃ الروم کی آیت و من آیاته خلق السموات و الارض و اختلاف اللیل و النهار کی شرح،
۱۲-مقامیه (حقیقت خواب) ۱۳-اعتقادیه (ایمانیات واعتقادیات) ۱۴- فقریه (وصیت نامہ) ۱۵- نوریه: (نور کی حقیقت پر بحث)، ۱۶-واردات امیریه -یہ آپ کے پرسوز مکاشفات، مناجات اورواردات پر مشتمل ہے، ۱۷-مقامات صوفیه: دربیان روح ونفس، ۱۸-دہ قاعده شیخ نجم الدین کبریٰ کے عربی رسالہ "الاصل العشره" کا دلآویز فارسی ترجمہ-اس کے نسخے برٹش میوزیم لندن، پیرس، ویانا، برلن اورتہران میں موجود ہیں، ۱۹-مصطلحات صوفیه: (تین سوصوفیانہ اصطلاحات کی تشریح وتوجیہ)، ۲۰- اسرار النقطه :(عربی) ذات وصفات کے موضوع پر عارفانہ، متکلمانہ اورفلسفیانہ مباحث، ۲۱ -مودۃ القربیٰ (عربی): قل لااسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ کی شرح -اس موضوع پر ۱۱۷۶ احادیث درج کی گئی ہیں۔ ۲۲-مکتوبات امیریه، سلاطین، امرا اور مریدوں کے نام بائیس خطوط۔ ۲۳-چهل اسرار: آپ کی چالیس غزلوں کا مجموعہ ایک غزل میں مولانا روم کا مطلع ہے:

از کنار خویش می یابم دمادم بوئے یار
زاں ہمی گیرم بہردم خویشتن را در کنار

بہت سے اشعار اس کی شرح ہیں۔ غزلوں میں مسائل تصوف کو پرتاثیر انداز میں پیش کیا گیا ہے مثلاً:

ای راح روح پرور ای ریح روح نام
بوئے حیات از نفست می دمد مدام

۲۴- فتوت نامہ' تصوف اور توحید کے ایک شعبہ فتوت پر سیر حاصل تبصرہ، ۲۵- اورادفتحیہ بمع دعائے رقاب، ۲۶-مناجات : آپ کی مناجات کا مجموعہ جو سوز وخلوص اور برجستگی کا شاہکار ہے، ۲۷-روضۃ الفردوس: مکارم اخلاق کے بارے میں دو ہزار پچاس احادیث، ۲۸-خواطریہ: وساوس شیطانی اور اقسام قلوب۔ جاوید نامہ میں علامہ اقبال نے حضرتؒ کی روح سے جو سوالات لیے ہیں وہ اسی پر مبنی ہیں،

۲۹- الانسان الکامل: وحدت الوجود کی تعلیمات اور انسان کامل کے اوصاف ۳۰-الناسخ و المنسوخ فی القرآن المجید :موضوع عنوان سے ظاہر ہے، ۳۱- فی سواد اللیل و لبس الاسود: خرقہ سیاہ کی فضیلت ۳۲-معاش السالکین: (موضوع اکل حلال کا حصول)، ۳۳- اقرب الطریق ازلم یوجد الرفیق: سیر وسلوک اور مقامات روحانی پر بحث، ۳۴-حل الفصوص: شیخ ابن عربی کی فصوص الحکم کا خلاصہ مطالب ۳۵-شرح اسماء الحسنی، ۳۶- اختیارات منطق الطیر: شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی "منطق الطیر" کا انتخاب، ۳۷- انسان نامہ: (مرآۃ الخیال) علم القیافہ،

۳۸- آداب سفرہ -سالکان راہ باری کے لیے ۱۸ آدابِ دسترخوان، ۳۹- منازل السالکین: سالکوں کے احوال ومقامات، ۴۰-منہاج العارفین : آپ کے ۱۴۴ پند و نصائح، ۴۱- سوالات : دس متکلمانہ سوالات کے جواب، ۴۲- فقیریہ: فقر کی فضیلت، قرآن' حدیث اور اکابر صوفیا کے اقوال کی روشنی میں، ۴۳-صفۃ الفقراء: مسلک تصوف و عرفان پر آپ کا فصیح وبلیغ خطبہ، ۴۴-طالقانیہ (عربی) (حقیقت تصوف) تفسیر حروف المعجم (عربی) عربی حروف تہجی کے معانی، ۴۶-مرادات دیوان حافظ : دیوان حافظ کی اصطلاحات کی صوفیانہ شرح، ۴۷-طائفہ ہائے مردم : مخلوق خدا کی طبیعتوں کے تنوع اور تخلیق کی حکمتوں پر بحث، ۴۸-تلقینیہ: اس کا مبحث شریعت وطریقت کی ہم آہنگی ہے، ۴۹-

مشکل حل: عرفان باری تعالیٰ اور معرفت کے حصول کی مشکلات، ۵۰- عبقات: والی کشمیر سلطان قطب الدین کو امامت دین کی ترغیب۔ آپ کی نظر میں بادشاہوں کے راستے کی چار گھاٹیاں (عبقات) ہیں، ۵۱- سیر و سلوک ۵۲- آداب سیر و سلوک ۵۳- فتحیہ: خضر شاہ کی تحریک پر رسالہ (تقویٰ) درخواست پر (توبہ کی حقیقت) شرائط وغیرہ ،۵۶- مشیت: صبر و شکر اور قناعت کی تلقین، ۵۷- حقیقت ایمان، ۵۸- آداب المریدین، ۵۹- اسناد حلیہ: (حضرت رسالتمآبؐ) ۶۰- حفظ صحت، ۶۱- مکارم اخلاق، ۶۲- فرھنگ میر سیدعلی: مفردات قرآن کی فرہنگ ۱۲۸ ابواب، ۶۳- فی خواص اھل الباطن، ۶۴- الاوراد، ۶۵- سیر الطالبین، ۶۶- کشف الحقائق: علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین کے اسرار و حقائق، ۶۷- اسرار وحی۔

تیسری دفعہ آپ ۷۸۵ھ میں وارد کشمیر ہوئے۔ آپ کے حلقۂ درس میں بادشاہ‘ اس کی والدہ اور اعیان و اکابر باقاعدہ شریک ہوتے تھے۔ آپ نے تبلیغی اور رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ صحت کی خرابی کی بنا پر آپ ذیقعد ۷۸۶ھ کے اواخر میں تبدیلی آب و ہوا کی خاطر ختلان روانہ ہو گئے۔ یکم ذی الحج کو اس مرض کا شدید دورہ ہوا جو زہر خورانی کی وجہ سے آپ کو ہر سال ہوا کرتا تھا۔ ۶ ذی الحج ۷۸۶ھ بروز بدھ آپ نے وفات پائی۔ وفات سے قبل آپ کی زبان مبارکہ پر مسلسل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا وظیفہ (ایک ہزار دفعہ) جو مقرر تھا‘ جاری ہو گیا اور اسی سے آپ کا سال وفات نکلتا ہے۔ آپ کو وصیت کے مطابق پانچ ماہ ۱۹ دن کے بعد ۲۵ جمادی الاول ۷۸۶ھ کو ختلان (تاجیکستان) میں دفن کیا گیا۔ آپ کی نعش بالکل متغیر نہیں ہوئی بلکہ اس سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ آپ کے مقبرے کی عمارت دو بڑے اور نو چھوٹے کمروں پر مشتمل ہے۔ وسط میں آپ کا مزار ہے۔ یہ عمارت امیر تیمور نے بنوائی تھی جو آپ کو جلاوطن کرنے پر نادم تھا۔ یہ جمہوریہ تاجیکستان کی

مشہور زیارت گاہ ہے۔ آپ کے ساتھ آپ کے خاندان کے دس افراد بھی مدفون ہیں جن میں آپ کی بہن سیدہ ماہ خراسانی اور صاحبزادے سید محمد سہانی اور ان کی اولاد کے لوگ شامل ہیں۔ آپ کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے۔ پاکستان میں آپ کی اولاد بہاولپور' خیر پور ٹامیوالی (ضلع بہاولپور)، قصور، لاہور، وندہ شاہ بلاول، زمان آباد (ضلع اٹک)، کراچی، کوئٹہ، رحیم یار خان، عیسیٰ خیل (ضلع میانوالی)' سندہ خیل' جلال پور جوئیہ' جابہ' کھوتکہ، تلہ گنگ انگہ (تحصیل خوشاب)، رھنہ سیدان (تحصیل چکوال)' چکوال' جھنگ' پیر محل (فیصل آباد)، لاڑا گوڑہ (تحصیل ایبٹ آباد) اور آزاد کشمیر میں آباد ہے۔

☆☆☆

بلتستان میں میر سید علی ہمدانیؒ کے آثار

فدا محمد ناشاد☆

امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ تاریخ عالم کی ان نامور اور عظیم ہستیوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے اپنی زندگی اسلام کی اشاعت و سربلندی کی لیے وقف کر رکھی تھی۔ اپنے اس مقدس مشن کے سلسلے میں انہوں نے جو صعوبتیں برداشت کیں اس کی مثال اب تک دیکھنے میں نہیں آئی۔ آپ نے ایک ایسے دور میں اسلام کی شمع ہدایت دنیا کے ایک وسیع خطے میں قریہ قریہ روشن کی جب اس خطے کی حالت، معیشت و معاشرتی ھیت اور رسل و رسائل کے اعتبار سے انتہائی ناموافق تھی۔

میر سید علی ہمدانیؒ ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ آپ اپنے زمانے کے مجتہد اعلم اور مفتی اعظم تھے۔ زہد و تقویٰ اور ریاضت میں اپنی مثال آپ تھے، اس کے ساتھ سیاست آپ کو وراثت میں ملی تھی۔ قدرت نے آپ کے بیان میں فصاحت و بلاغت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ تحریر و تصنیف میں بھی انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ان باتوں کے علاوہ فنون اور صنعت و حرفت سے بھی انہیں شدید لگاؤ تھا۔ ان کی شخصیت کی اسی ہمہ گیری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاعر مشرق علامہ اقبال فرماتے ہیں:

سید السادات، سالار عجم
دست او معمار تقدیر امم

☆ ڈپٹی چیف ایگزیکٹیو، شمالی علاقہ جات کونسل، حسین آباد، اسکردو، بلتستان

خطہ را آن شاہ دریا آستین
داد علم و صنعت و تہذیب و دین

شاہ ہمدان کی بلتستان میں آمد سے قبل بلتستان میں بدھ مت کا دور دورہ تھا۔ اسلام کے اس عظیم مبلغ نے اس علاقے سے بدھ مذہب کا خاتمہ کر دیا۔ تاہم مختلف چٹانوں پر بلتستان کے طول و عرض میں ''اَگے'' یعنی قدیم تبتی رسم الخط میں بدھسٹ تعلیمات کی تحریریں اور بدھ مت کے کچھ مقدس نشانات آج بھی ملتے ہیں۔ بلتستان کے صدر مقام سکردو میں نالۂ ہرگیسہ کے کنارے منٹھل کے مقام پر موجود ایک چٹان پر مہاتما بدھ (Great Buddha) کے دربار کا ایک منظر نہایت خوبصورتی سے تراشا گیا ہے۔ اُن دنوں اس چٹان کے تقدس کا یہ عالم تھا کہ لوگ اس پر ہر رات باقاعدگی سے چراغ جلایا کرتے تھے اور بدھسٹ لاما اظہار عقیدت کے طور پر یہاں ہمیشہ موجود رہتے تھے۔ چراغ کو رکھنے کے لیے مہاتما بدھ کے مجسمے کے عین اوپر چٹان کو کھود کر ایک مخصوص جگہ بنائی گئی ہے۔ اس چٹان کے عقب میں ایک سٹوپا بھی کندہ ہے۔ دربار کے منظر کے نیچے ایک جگہ کچھ تحریریں بھی کندہ ہیں۔ اس طرح کی تحریریں اور بدھ مت دور کے نشانات خپلو جاتے ہوئے کھرفق کے بالمقابل فو نگ نق میں، کریس کے قریب اور تھورگو میں دریائے سندھ کے کنارے موجود چٹانوں پر بھی آسانی سے دیکھے جا سکتے ہیں لیکن امیر کبیر کی آمد اور اس علاقے کے نور اسلام سے منور ہونے کے بعد اب یہاں بدھ مت کے ایسے قدیم نشانات چند ایک ہی باقی رہ گئے ہیں۔

رشد و ہدایت کے اس آفتاب عالم تاب کا جہاں جہاں سے گذر ہوا وہاں وہاں علم و عمل اور تہذیب و فن کے ایسے کہکشاں پیچھے چھوڑ گیا جو سات سو سال گذرنے کے بعد بھی جگمگا رہے ہیں۔ آپ نے اپنی شخصیت کی ہمہ گیری کے ساتھ زندگی کے ہر پہلو پر ایسے انمٹ نقوش مرتب کر دیے ہیں کہ صدیاں بیت چکیں لیکن حوادث زمانہ اسلام کے اس مایۂ ناز

فرزند کے آثار کو مٹانے سے مکمل طور پر قاصر رہے۔ خطۂ کشمیر کے ساتھ دنیا کے بلند ترین اور طویل ترین سلسلہ ہائے کوہ قراقرم اور کوہ ہمالیہ کے آغوش میں واقع ارض بلتستان بھی انہیں خوش نصیب علاقوں میں سے ایک ہے جنہوں نے اللہ کے اس برگزیدہ بندے کے نشانات اور یادگاروں کو اب تک تبرک کے طور پر گلے سے لگا رکھا ہے۔

بلتستان میں اشاعت اسلام کا کام حضرت شاہ ہمدانؒ کے ہاتھوں انجام پایا۔ آپ ۸۵-۷۷۵ھ مطابق ۸۲-۱۳۷۳ء کے دوران تین بار کشمیر تشریف لے گئے۔ مقامی روایات اور تاریخ دونوں اس امر پر شاہد ہیں کہ آپ انہی ایام میں دو بار بلتستان بھی تشریف لائے اور اسلام کا عظیم انقلاب برپا کیا۔ بلتستان کے عہد عتیق کے ممتاز شاعر اور مورخ سید میر نجم الدین ثاقب نے اپنی منظوم تاریخ زاد الجنان میں اس بات کا تذکرہ یوں کیا ہے:

در اوراق تاریخ اہل شگر
نوشتہ بدیدم کہ از کاشغر
علی ثانی آمد بہ تبت دو بار
بعہد غوری تھم شہ نامدار

ان دنوں بلتستان تبت ہی کا حصہ تھا بلکہ ''تبت خورد'' کہلاتا تھا۔ آپ کے اس علاقے میں لائے ہوئے انقلاب کے نتیجے میں نہ صرف بدھ مت کی جگہ دین مقدس اسلام آیا بلکہ یہاں کی صنعت و حرفت، تہذیب و تمدن اور معاشرتی ہیئت میں بھی یکسر تبدیلی آ گئی۔ بلند ترین پہاڑوں کے حصار کے اندر دنیا کی نظروں سے اوجھل اس علاقے میں اگر آج بھی سو فیصد شمع اسلام کے پروانے آباد ہیں تو یہ آپ ہی کے دم

قدم کی برکات کا نتیجہ ہے۔

امیر کبیر پہلی بار کشمیر سے سکردو تشریف لائے تو مقامی روایات کے مطابق آپ دیوسائی کے راستے آئے اور سدپارہ جھیل کے کنارے ایک چوپال یا چبوترے پر نماز ادا کی، جہاں بعد میں ان کی یاد میں ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر ہوئی ہے، جو بلتستان کی اس خوبصورت ترین سیرگاہ پر پہنچنے والے سیاحوں کو دعوت عبادت دیتی ہے۔ سکردو میں اس وقت مقپون خاندان کے راجہ غوطہ چوسنگھے کی حکومت تھی جس نے امیر کبیر کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ بعدازاں ''الناس علیٰ دین ملوکھم'' کے مقولے کو درست ثابت کرتے ہوئے سکردو کی ساری آبادی مسلمان ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ رگیہ یول اور منٹھل میں موجود سکردو کے بڑے گونپہ یعنی بدھست عبادت گاہوں کو شاہ ہمدان نے منہدم کرادیا اور کھرگرونگ اور کھنچوں میں مسجدیں تعمیر کرواکے ان مقامات پر نماز جماعت قائم کی۔ کھرگرونگ کی مسجد کے متعلق ہزار کوشش کے باوجود یہ معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کہاں واقع تھی؟ بعض بزرگ کہتے ہیں کہ یہ کھرگرونگ نہیں بلکہ ڈونکس کی مسجد ہے۔ کھنچوں کی جس مسجد کا تاریخ میں ذکر ہوا ہے وہ محلہ بیورسنگ میں اسی حالت میں موجود تھی۔ ۱۹۶۲ء میں اس مسجد کی تعمیر نو عمل میں آئی اور کھنچوں کا نام بھی ۱۹۷۱ء میں بدل کر حسین آباد رکھ دیا گیا۔

مقامی روایات کے مطابق جب امیر کبیر وارد سکردو ہوئے تو ان دنوں مقپون دارالسلطنت شگری یا رگیہ یول میں قائم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ امیر کبیر نے اس مقپون دارالسلطنت کے قریب گمبہ سکردو کے وسیع وعریض گاؤں کے مرکز میں ایک خانقاہ تعمیر کراکے نماز جمعہ قائم کی۔ تسلسل کے ساتھ پہنچی ہوئی روایات کے مطابق ۱۸۸۱ء یعنی راجہ علی شاہ مقپون کے دور حکومت تک اس خانقاہ میں بدستور نماز جمعہ ہوتی رہی اور اس میں راجگان سکردو بھی باقاعدگی کے ساتھ شرکت کرتے رہے۔ یہ خانقاہ بلتستان کی سب سے بڑی خانقاہ

ہے۔ اس کی پہلی بار ۱۱۳۰ھ میں سید علی طوسی کے ہاتھوں تعمیر نو ہوئی۔ اب ۱۹۸۸ء سے یہ دوبارہ جدید تقاضوں کے مطابق تعمیری مراحل سے گذر رہی ہے۔ بعض محققین کے مطابق یہ خانقاہ میر شمس الدین عراقی کے ہاتھوں تعمیر ہوئی۔ کشمیر اور بلتستان میں جتنی خانقاہیں امیر کبیر نے بنوائیں وہ سب تقریباً ایک ہی نمونے کی ہیں۔ انہیں مساجدِ جامع کی حیثیت حاصل ہے جن کے اردگرد انفرادی عبادت و ریاضت اور چلہ کشی کے لیے چھوٹے چھوٹے حجرے اور ان کے اوپر مخصوص بلندی پر خواتین کے لیے غلام گردشیں بنی ہوئی ہیں۔ بلتستان بھر میں ایسی خانقاہیں امیر کبیر کی یادگار سمجھی جاتی ہیں۔

سکردو میں اشاعت اسلام کے بعد شاہ ہمدان بلتستان کی دوسری ریاست شگر پہنچے۔ شگر میں اس وقت عماچہ خاندان کے راجہ غوری تھم کی حکومت تھی۔ آپ کی تبلیغ سے یہاں بھی راجہ نے اسلام قبول کیا۔ شگر کے محلّہ امبوڑک میں ایک بوسیدہ مگر نہایت ہی خوبصورت مسجد موجود ہے جسے امیر کبیر نے اپنے قیام شگر کے دوران تعمیر کروایا تھا۔ اس مسجد کی اندرونی دیواروں پر دروازے کے دائیں طرف سے امیر کبیر نے اپنے دست مبارک سے سورۂ مزمل جلی حروف میں تحریر کی ہے جو دروازے کے بائیں جانب اختتام پذیر ہوتی ہے۔ اس مسجد کی ابھی تک مرمت یا تعمیر نو نہیں ہوئی اور یہ بالکل اپنی اصلی حالت میں موجود ہے لیکن اس کا گنبد گر چکا ہے اور اس کا مجموعی تعمیراتی توازن بگڑ چکا ہے اور پوری عمارت روبہ انہدام ہے۔ کہتے ہیں کہ اس مسجد کو امیر کبیر کے ہمراہ آئے ہوئے ایرانی کاریگروں نے بنایا تھا۔ جس طرح کی چوبکاری اور کندہ کاری اس مسجد کے چوکھٹوں اور ستونوں پر کی گئی ہے وہ بجائے خود اس امر کی گواہ ہے کہ امیر کبیر نے یہاں کے فن تعمیر کو بھی نئی ڈگر پر ڈال دیا تھا۔ حضرت شاہ ہمدان نے اپنے ساتھ کشمیر سے آئے ہوئے ایک خاندان کو امبوڑک مسجد کی مجاورت سونپی تھی۔ آج بھی انہی کی اولاد اس مسجد کی مجاور ہے۔ اس مسجد کی تعمیر کے بعد

آپ نے بچی ہوئی لکڑیوں سے چھ برونجی شگر میں بھی ایک مسجد کی بنیاد رکھی اور اس کے تعمیراتی کام کی دیکھ بھال اپنے ساتھ آئے ہوئے ایک شخص کے ذمے ڈال دی جو پہلے بدھ مذہب کا پیروکار تھا اور اب آپ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تھا۔ اس شخص کا ابتدائی نام ''شیرنیگ زانکسپہ'' تھا جسے مسلمان ہونے کے بعد بدل کر ''بوازنکسپہ'' یعنی سخی بابا'' رکھ دیا گیا۔ یہ مسجد اسی کی زیر نگرانی مکمل ہوئی۔ سخی بابا کی قبر بھی مسجد چھ برونجی کے قریب واقع ہے۔ اس مسجد کا نچلا حصہ بالکل اپنی اصلی حالت میں موجود ہے جبکہ دروازے کے اوپر کا حصہ چھت سمیت بعد میں تعمیر ہوا ہے۔ مسجد کا قدیم حصہ امبوڑک مسجد کی طرز پر تعمیر ہوا ہے۔ یہ دونوں یادگار مسجدیں شگر کی سرزمین پر اسلام کی پہلی عبادت گاہیں ہیں۔

ایک روایت کے مطابق شگر کی خانقاہ کا سنگ بنیاد بھی امیر کبیر سید علی ہمدانی ہی نے رکھا تھا۔ اس کی تعمیر ہو بہو خانقاہ معلیٰ سری نگر کے نمونے پر ہوئی ہے۔ بعد میں اٹھارہویں صدی عیسوی کے دوران میر یحییٰ نے اس کی تعمیر نو کی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کی تعمیر اول بھی میر یحییٰ ہی کے ہاتھوں ہوئی تھی لیکن یہ بات درست نہیں۔ خانقاہ معلیٰ سری نگر کے نمونے پر اس کی تعمیر بجائے خود ایک شہادت ہے کہ اسے امیر کبیر کے ہمراہ کشمیر سے آئے ہوئے کاریگروں نے ہی تعمیر کیا۔ البتہ شگر کے دوسرے علاقوں میں جو خانقاہیں بنی ہیں ان کے بارے میں یہ دعویٰ درست ہے کہ انہیں میر یحییٰ نے تعمیر کرایا، لیکن شگر خاص کی خانقاہ کے بارے میں روایات اتنی زیادہ ہیں جن کی رو سے یہ بات زیادہ درست نظر آتی ہے کہ میر یحییٰ کے ہاتھوں اس کی تعمیر نو ہوئی ہو۔

جب ہم شاہ ہمدان کے آثار کے حوالے سے بلتستان کی بات کرتے ہیں تو خپلو کا علاقہ ایک نمایاں مقام کا حامل نظر آتا ہے۔ شاہ ہمدان کے جتنے آثار خپلو میں پائے جاتے ہیں اتنے بلتستان بھر میں اور کہیں نہیں ملتے۔ خپلو ان دنوں بلتستان کی تیسری ریاست تھا

جہاں یبگو خاندان کے راجہ مقیم خان کی حکمرانی تھی۔شگر میں اشاعت اسلام کے بعد امیر کبیر شگر نالہ میں واقع سولہ ہزار فٹ بلند درہ تھلے لا کو عبور کر کے خپلو کے علاقہ تھلے میں وارد ہوئے۔یہیں سے اس وادی میں اشاعت اسلام کا آغاز ہوا۔ایک روایت کے مطابق پہلی مرتبہ آپ سید ھے سلینگ پہنچے جو اس وقت خپلو کی ریاست کا دارالحکومت تھا۔آپ کے ہاتھوں خپلو کا راجہ مقیم خان مسلمان ہو گیا۔اس کے بعد تھلے سے چھور بٹ تک تبلیغ کرتے ہوئے گئے اور نہایت ہی قلیل عرصے میں سارا خپلو مشرف بہ اسلام ہو گیا۔صاحب زادالجنان نے خپلو میں آپ کی آمد کا تذکرہ نہایت وضاحت کے ساتھ کیا ہے:

بعہد مقیم خان شجاعت پلنگ
علی ثانی آمد بسال نہنگ
بہ ہفتاد و سہ بود ہفتم صدی
ز کشمیر بہ تبت رسید آن ولی

خپلو خاص میں راجہ کے محل کے قریب جامع مسجد چقچن واقع ہے۔یہ مسجد امیر کبیر نے خود تعمیر کرائی تھی۔اس تعمیر میں شاہ ہمدان کے ساتھ آئے ہوئے کاریگروں نے کام کیا۔ یہ مسجد بھی سری نگر کی خانقاہ معلیٰ کی طرز پر بنائی گئی ہے۔کہتے ہیں کہ اس مسجد کی جگہ ایک بدھ عبادت گاہ تھی جہاں بدھ مت کا ایک مشہور لاما رہتا تھا۔آپ نے اس لاما کے ساتھ مناظرہ کیا اور وہ مغلوب ہو کر مسلمان ہو گیا۔اس بدھ عبادت گاہ کو گرا کر شاہ ہمدان نے چقچن نامی مسجد تعمیر کروائی۔اس کا نام ''شح چن'' یعنی ''انصاف والی'' مسجد تھا کیونکہ لوگ اپنے باہمی تنازعات کو ختم کرنے کے لیے اسی کی قسم کھاتے تھے۔جو اس مسجد کی جھوٹی قسم کھاتا وہ جلدی ہلاک ہو جاتا یا تباہ ہو جاتا۔ایک اور روایت بھی ہے کہ اس بدھ لاما کے پاس ایک آہنی گھوڑا موجود تھا۔امیر کبیر کو اپنی حکمت سے متاثر کرنے کے لیے دوران مناظرہ وہ اس

آہنی گھوڑے پر سوار ہو کر پرواز کر گیا۔ جونہی وہ ہوا میں بلند ہوا شاہ ہمدان نے اپنے جوتوں کو اس کے تعاقب میں پھینک دیا۔ جوتوں نے ہوا میں بلند ہو کر آہنی گھوڑے پر محوِ پرواز لاما کے سر پر متواتر وہ چوٹیں لگائی شروع کیں کہ لاما اسی جگہ واپس اترنے پر مجبور ہو گیا جہاں سے وہ پرواز کر کے گیا تھا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ چونکہ بلتی زبان میں لوہے کو "ھلچخ" کہتے ہیں لہٰذا اس جگہ جو مسجد بنی وہ اسی مناسبت سے "ھلچخ چن" یعنی لوہے والی مسجد کہلانے لگی۔ یہی " ھلچخ چن" یا "شخ چن" کا لفظ کثرت استعمال سے "چقچن" بن گیا۔ شاہ ہمدان سے منسوب ہونے کی بنا پر آج بھی لوگ اس مسجد کی قسم کھاتے ہیں اور اس سے انتہائی عقیدت رکھتے ہیں۔ یہ مسجد فن تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہے اور اس کی چوبکاریاں آج بھی عجوبۂ روزگار مانی جاتی ہیں۔ لکڑی کے ہر ٹکڑے پر الگ الگ قسم کے انتہائی حسین نقش و نگار کندہ ہیں۔ چھت کا اندرونی حصہ "ختم بام" سے مزین ہے۔ جو چھت کی تعمیر کے لیے ایک خاص قسم کا چوبی آرائشی کام ہوتا ہے۔ مخصوص موسمی حالات کے پیش نظر اس مسجد کی دو منزلیں تعمیر کی گئی ہیں۔ نچلی منزل سردیوں میں عبادت کے لیے جبکہ اوپر کی منزل گرمیوں کے دوران استعمال کے لیے بنائی گئی ہے۔ اس مسجد کے برآمدے کو خوبصورت محرابوں اور قسم قسم کی چوبی جالیوں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ چقچن کے علاوہ خپلو خاص کے محلہ برقچھن میں بھی ایک مسجد ہے جسے امیر کبیر نے تعمیر کرایا تھا اور جسے آج بھی مسجد امیر کبیر کہتے ہیں۔ اس کا گنبد بھی مسجد چقچن کی ہو بہو نقل ہے۔ اس کے علاوہ محلّہ باپئی میں بھی ایک مسجد ہے۔ اسے بھی امیر کبیر ہی نے تعمیر کرایا تھا۔

تھلے وادی کے مرکزی گاؤں یارکھور میں ایک خانقاہ موجود ہے۔ تسلسل اور تواتر کے ساتھ پہنچی ہوئی روایات کے مطابق شاہ ہمدان جب درہ تھلے کے راستے وارد خپلو ہوئے تو یہ خانقاہ اس وقت انہوں نے تعمیر کی تھی۔ اس کا سن تعمیر ۷۸۳ھ لکھا ہوا ہے۔ تھلے میں

ایک اور بھی چھوٹی سی مسجد آپ نے تعمیر کروائی تھی۔ جو اب بھی اپنی ابتدائی حالت میں موجود ہے۔اس مسجد کے پہلو میں بید کے دو قدیم درخت موجود ہیں۔ کہتے ہیں امیر کبیرؒ نے یہاں اپنا عصا گاڑ دیا تھا۔ یہ ان کی ایک کرامت تھی کہ وہی عصا اب ان درختوں کی شکل اختیار کر چکا ہے۔امیر کبیر سیاچن گلیشیر کے پہلو سے دو بار گذرے ہیں۔ راستے میں پھڑوا کے مقام پر آپ نے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی جو اسی حالت میں موجود ہے اور اس کا سن تکمیل ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ۷۸۶ھ تحریر ہے۔ کہتے ہیں کہ اس مسجد کی جگہ ایک چوپال تھا جہاں قبل از اسلام گاؤں کے لوگ جمع ہو کر شراب نوشی کیا کرتے تھے۔امیر کبیر نے اسی چوپال کی جگہ یہ مسجد تعمیر کرائی۔

گونگمہ سلترو کے مقام پر ایک مسجد ہے جس پر سن تعمیر ۷۸۲ھ کندہ ہے جسے شاہ ہمدان نے تعمیر کرایا تھا۔ اسی راستے سے آگے جا کر چپلو اور نوبرا وادیوں کے درمیان ایک روح افزا مقام ہے جو ''علی برانگسہ'' یعنی ''علی کے پڑاؤ'' کے نام سے مشہور ہے۔ کہتے ہیں یہاں امیر کبیر نے درۂ قراقرم کے راستے کاشغر واپسی کے وقت رات گذاری تھی۔اسی لیے آج بھی یہ مقام انہی کی یاد میں ''علی برانگسہ'' کہلاتا ہے۔

یہاں ہم نے صرف ان مساجد اور خانقاہوں کا تذکرہ کیا ہے جن کے بارے میں ثابت ہے کہ انہیں امیر کبیر سید علی ہمدانی نے تعمیر کرایا تھا۔ بہت سی دیگر عبادت گاہیں بھی ہیں، جن کی تعمیر کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ کچھ روایات کے مطابق ان کی تعمیر اول امیر کبیر نے کی تھی اور بعد میں تعمیر نو دوسرے مبلغین کے ہاتھوں انجام پائی۔ ان عبادت گاہوں میں خانقاہ تھگس، خانقاہ مچلو، خانقاہ سکسہ، خانقاہ کریس، خانقاہ چپلو اور سینو مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان خانقاہوں کی تعمیر نو بعد میں ۸۹۱ھ تا ۱۱۸۱ھ کے درمیان میر شمس الدین عراقی، میر مختار اخیار، میر اسحٰق، سید علی طوسی اور میر عارف جیسے مبلغین کے ذریعے انجام پائی۔

یہ حقیقت ہے کہ امیر کبیر نے اسلام کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ان علاقوں میں ایک نیا تہذیبی انقلاب بھی برپا کیا۔ صنعت و حرفت میں انقلاب آیا۔ ایرانی فن تعمیر کو یہاں رائج کیا۔ چوبی نقش و نگار، ختم بام اور چوبی جالیوں کے ابھی تک ایرانی نام رائج ہیں۔ مثلاً آبشار، موج حیدر، عنکبوت، طومار چہ، سنگ دوسر، شستک، تندوری، عمباری، سہ سر، چہار سر، کشمور وغیرہ۔ آپ کے اس انقلاب کے نتیجے میں بلتی زبان بھی سخت متاثر ہوئی۔ اس کا اصلی رسم الخط متروک اور اس کی جگہ فارسی رسم الخط رائج ہو گیا۔ بلتی زبان میں عربی اور فارسی زبانوں کے الفاظ اور جملے داخل ہو گئے۔ بلتی شاعری پر اس انقلاب نے گہرا اثر ڈالا۔ اصناف، بحور اور اوزان وقوافی کے فارسی اصول بلتی میں منتقل ہو گئے۔ یوں بلتی شاعری کے لیے ترقی کے نئے راستے کھل گئے۔ آپ کے لائے ہوئے تہذیبی اور ثقافتی انقلاب سے علاقہ اس قدر متاثر ہوا کہ بعد کی صدیوں میں ایرانی موسیقی بھی یہاں پہنچ گئی جو اب تک یہاں رائج ہے۔ کئی راگوں کے نام مثلاً نوبت، عشاق، مغلوب، شادیاں، دلاور، ہزار داستان، سحر آگاہ، چمنِ بینظیر، ساز ہندی وغیرہ فارسی ہیں۔

امیر کبیر ایک پر اسرار ہستی تھے جن کی کرامات کی بے شمار داستانیں بلتستان بھر میں صدیوں سے زبان زد خاص و عام ہیں۔ ویسے بھی آپ کا ہر کارنامہ کرامت سے کم نہیں۔ آپ نے اس مختصر سی زندگی میں وہ سب کچھ کیا جو ایک عام آدمی کے لیے ناممکن تھا۔ کہتے ہیں کہ شگر کی مسجد امبوڑک میں گوشہ گیری کے دوران آپ نے ذخیرۃ الملوک اور کتاب المودۃ تصنیف کیں۔ اس وقت خپلو میں شاہ ہمدان کے ایک عقیدت مند کے ذاتی کتب خانے میں آپ کی پینسٹھ (۶۵) قلمی اور پینتیس (۳۵) مطبوعہ تصانیف کے نسخے موجود ہیں۔

بلتستان کے لوگوں کے اندر موجود مخصوص جذبۂ ایثار و قربانی، مہمان نوازی،

رحم دلی، سادگی، امن پسندی اور اخلاق و مروت آپ کی تعلیمات اور تربیت کی بہترین یادگاریں ہیں۔ امیر کبیر اپنے ساتھیوں میں سے چند سادات اور علماء کو اس علاقے میں لوگوں کی تعلیم و تربیت اور دینی رہنمائی کے لیے چھوڑ گئے تھے۔ یہاں کے موسوی سادات انہی کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ نے بلتستان اور تبت میں جس منظم اور پرامن معاشرے کی داغ بیل ڈالی بلتستان کی تہذیب و تمدن اور رہن سہن نے اسی کے نتیجے میں اس قدر ترقی کی کہ آج بھی بلتی قوم کو پورے شمالی پاکستان میں اپنی شرافت اور تہذیب کے حوالے سے ایک ممتاز مقام حاصل ہے جسے آپ کے اہم ترین آثار میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ پس ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ:

ہر فیض کہ در سابقۂ ہر دو جہان است
در پیروی حضرت شاہ ہمدان است

❀❀❀

یادرفتگان

قتیل شفائی

کچھ یادیں کچھ باتیں ☆

شبنم شکیل ☆☆

قتیل صاحب کو میں کتنے عرصے سے جانتی ہوں؟ اس کی وضاحت یوں کرتی ہوں کہ جب میں اس قابل ہوئی کہ چائے کی پیالی تھام کر اپنے والد کے کمرے تک پہنچا سکوں تو میں نے قتیل صاحب کو وہاں بیٹھے دیکھا۔ ان کی شاعری سے بھی میرا رشتہ اتنا ہی پرانا ہے۔ اسی حوالے سے ایک واقعہ میرے ذہن پر نقش ہے۔ ہوا یوں کہ میرے والد نے مجھے کسی کام کے لیے آواز دی۔ میں ان کے کمرے میں پہنچی تو دیکھا کہ وہاں قتیل صاحب کے علاوہ ممتاز گائیکہ مختار بیگم اور ایک صاحب جنہوں نے تب شاعری کے میدان میں نیا نیا قدم رکھا تھا بیٹھے ہیں۔ میرے والد حسب معمول بھول گئے کہ انہوں نے مجھے کیوں بلایا تھا۔ چنانچہ میں کام یاد آنے کے انتظار میں ایک طرف چپ چاپ بیٹھ گئی۔ بات جمالیات پر ہو رہی تھی، حسن زیر بحث تھا اور کمرے کا ماحول خوشگوار۔ وہ صاحب جو نئے نئے شاعر ہوئے تھے انہوں نے اچانک سوال کیا۔ ''عابد صاحب، حسن کیا ہے؟'' وہ بولے، ''حسن تناسب کا نام ہے۔ اب دیکھو قتیل کی شاعری میں حسن ہے، مختار بیگم کے چہرے میں حسن ہے۔'' وہ صاحب فوراً بولے ''عابد صاحب! لوگ میری شاعری کے لیے بھی یہی کہتے

☆ یہ مضمون قتیل صاحب کی زندگی میں ماہنامہ تخلیق کے زیر اہتمام لاہور پرل کانٹیننٹل میں ان کے اعزاز میں ہونے والی ایک تقریب میں پڑھا گیا تھا۔

☆☆ کالم نگار، محقق اور شاعر، اسلام آباد

ہیں۔'' میرے والد دفعتاً مذاق کے موڈ میں آ گئے اور لہک کر اپنا پسندیدہ قطعہ پڑھنے لگے:

خدا کی شان تو دیکھو کہ کلچڑی گنجی
حضورِ بلبل بستاں کرے نوا سنجی

بس اتنا سننا تھا کہ باوجود ضبط کے مجھے ہنسی آ گئی۔ والد نے مجھے گھور کر دیکھا اور کہا'' جاؤ، جا کر شربت بنوا کر لاؤ۔''

سوچتی ہوں کہ آج جب میں قتیل شفائی جیسے خوبصورت شاعر پر بات کرنے کے لیے کھڑی ہوں تو میرے والد کی روح ضرور کہیں نہ کہیں یہ کہہ رہی ہوگی: ''خدا کی شان تو دیکھو کہ....''

بس اس سے آگے نہیں کہوں گی۔ واقعی کتنا حسن ہے قتیل صاحب کی شاعری میں۔ کبھی خیر کی شکل میں، کبھی نیکی کی، کبھی محبت کی شکل میں، اور ہر پہلو سے مثبت، کیا توانا اور منفرد لہجہ ہے! کیسی موثر آواز ہے کہ لاکھوں دلوں کو مسخر کر لیا، عوام کے دلوں میں گھر کر لیا، ایسی مقبولیت حاصل کی کہ کوئی بھی رشک کرے! لیکن بات رشک کرنے تک کہاں رہتی ہے۔ مقبولیت کی تو بڑی بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ وہ قتیل صاحب نے کی ہے۔

وہ یوں کہ کچھ نام نہاد ثقہ نقادوں نے مقبولیت سے متعلق اپنے کلیشے سے ہمیشہ قتیل صاحب کو Defensive پر رکھا۔ ان کے کچھ ہم عصروں نے بھی طبقہ اشرافیہ کے ان نقادوں کی ہاں میں ہاں ملائی اور تنقید کی اس کھلی جنگ میں اکثر ان کے فلمی گیتوں کو ڈھال بنانے کی کوشش کی گئی۔ مگر بنا کچھ نہیں۔ قتیل صاحب کی شاعری اسی طرح لوگوں کے ذہنوں پر راج کرتی رہی، بلکہ ایسی باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوامی مقبولیت تو اسے پہلے ہی حاصل تھی اب خواص نے بھی اس میں دلچسپی لینی شروع کی، اس کی پذیرائی کی،

اور مقبولیت میں عزت کا اضافہ ہو گیا۔ مقبولیت کے دکھ اور سکھ کیا ہوتے ہیں، جب سوچتی ہوں تو پروین شاکر سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ کہتی ہے ''مجھے دیکھو تم جانتی ہو نا میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔ میں نے مقبولیت کا کانٹوں بھرا تاج جو پہنا تھا''۔ میں کہتی ہوں ''پروین تمہارے جانے کے بعد تمہارا وہ تاج روشنی کی کرنوں میں تبدیل ہو گیا ہے مگر تم کو اس سے کیا تم تو بے نیاز ہو گئیں!'' سو اگر قتیل صاحب کی شاعری بھی مصر ہے کہ یہ تاج ان کے سر پر یونہی سجا رہے گا تو میں اور آپ کیا کر سکتے ہیں' وہ جیسا کریں گے ویسا بھریں گے۔ اب آپس کی بات ہے دل تو میرا بھی اور بہت سے دوسروں کا بھی چاہتا ہے کہ ذرا دیر کو یہ تاج پہن کر دیکھ لیں کہ کیسا لگتا ہے، مگر ہاتھ آئے تو نا۔ شہرت اور مقبولیت کا کچھ عجیب ہی چکر ہے گانے والوں کو دیکھیں پانچ سات اکٹھے اٹھیں گے، سب اپنے فن میں طاق مگر ایک بلندیوں پر اڑنے لگے گا، باقی نیچے رہ جائیں گے۔ مصوروں، لکھاریوں اور دوسرے فنون لطیفہ کے متوالوں کا بھی یہی حال ہے۔ مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خوش قسمتوں کو کہیں آٹھواں سُر مل جاتا ہے اور کہیں Third Dimension کا پتہ چل جاتا ہے۔ کہیں نامعلوم کا سرا ہاتھ آ جاتا ہے۔ خیر چھوڑیے، ذکر ان کے فلمی گیتوں کا ہو رہا تھا تو ایک بات کہوں۔ لاکھوں لوگ اس حوالے سے ان کے احسان مند ہیں۔ انہوں نے اس سحر سے کتنے لوگوں کے نفس کی تہذیب کی ہے، کتنے پراگندہ ذہنوں کو یکسوئی بخشی ہے، کتنے ذہنوں کی تطہیر کی ہے، کتنے دلوں کو اپنی محبت سے زنجیر کیا ہے، اس کی گنتی ممکن ہی نہیں۔ میں تو بس اتنا کہہ سکتی ہوں کہ مجھے تو خواب دیکھنا بھی قتیل صاحب کے گیتوں ہی سے آیا۔ کیسے سہانے، کیسے میٹھے، کتنے پیارے خواب! خواب ہمیشہ پورے نہیں ہوا کرتے۔ میرے جیسے اور بھی لاکھوں لوگ ایسے ہوں گے جو اپنے خوابوں کو تعبیر نہیں دے پاتے۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ خواب دیکھنا بذاتِ خود کتنا مکمل، کتنا خوبصورت عمل ہے۔ مجھ جیسوں کو ان کی

شاعری کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ آج ایک اور بات کا اعتراف کرتی ہوں کہ جب میں نے محبت کی تو جو پہلا نغمہ میرے لبوں پر آیا وہ انہیں کا لکھا ہوا تھا۔ خدا جانے اور کتنوں نے محبت کے جذبے کی روح کو انہی کے گیتوں کے توسط سے محسوس کیا ہوگا!

میں تو سمجھتی ہوں کہ اگر انہوں نے صرف محبت کے گیت ہی لکھے ہوتے تو وہ بھی انہیں شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں جگہ دینے کے لیے کافی تھے، مگر قتیل صاحب نے ہر ممکنہ موضوع پر شاعری کی، اور خوب کی اور ان کے شدید احساس جمال کے پارس نے ہر موضوع کو سونا بنا دیا۔ حتیٰ کہ اگر مزاحمتی شاعری بھی کی تو اسے نعرہ نہیں بننے دیا۔ شعریت کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ غنائیت کو جو ان کا طرۂ امتیاز ہے ہمیشہ، ہر جگہ قائم رکھا۔

اب مزاحمتی شاعری کا ذکر آ ہی گیا ہے تو یہاں یہ ذکر بھی ناگزیر ہے کہ قتیل صاحب ایک دردمند دل رکھتے ہیں۔ ایک باشعور اور آگاہ شاعر ہیں کہ جو اپنے گردوپیش سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ انہوں نے ظلم اور جبر کے خلاف اور مظلوم کی حمایت میں ہمیشہ آواز اٹھائی، امن کا پرچار کیا، آزادی کی مدح لکھی اور غریبوں کا دکھ محسوس کیا:

''پاکستان کا شہری تھا میں، پاکستان سے پہلے بھی''

کہنے والے نے صرف اس ملک کی تاریخ کو ہی اپنے سامنے بنتے نہیں دیکھا بلکہ اس کی گذشتہ صدیاں بھی اس کے خون میں گردش کر رہی ہیں۔

یہ انوکھا تجربہ رکھنے والا شاعر have and have nots کی کشمکش کے بھی تمام مناظر دیکھ چکا ہے۔ چنانچہ وہ ان کے تقابل کے بیان پر بھی پوری طرح قادر ہے۔ غرضیکہ کسی حوالے سے بھی پرکھا جائے اردو ادب میں قتیل صاحب کی بہت Contribution ملے گی۔

آج ہر طرف تشدد کا دور دورہ ہے۔ چھین جھپٹ کا رجحان ہے۔ کشت وخون کا بازار گرم ہے۔ ذہنی تعصّبات نے ایک قافلے کے لوگوں کو منتشر کر دیا ہے۔ بداعتمادی ہے۔ بےاعتباری ہے۔ آدمی آدمی سے ڈر رہا ہے۔ کدورتیں اور نفرتیں ایسا جال پھیلا رہی ہیں کہ ڈر لگتا ہے کہیں یہ گھر محبت سے خالی نہ ہو جائے۔ نفرت کا تریاق محبت ہے مگر جب تک عراق سے تریاق آئے کہیں مریض آخری دموں پر نہ آ جائے۔ اسے ابھی اور یہیں تلاش کرنا چاہیے۔ شاعر وادیب تو محبت کے علم بردار کہلاتے ہیں۔ رواداری اور تحمل کے دعوے دار ہوتے ہیں۔ تمام اعلیٰ اقدار کے ضامن ہوتے ہیں۔ چلیے کوشش کرتے ہیں اسے تلاش کرنے کی۔ یہ کوشش ویسے چلہ کاٹنے کے مترادف ہے۔ چلّے کے دوران بھتنے اور جن آ آ کر بہت ڈراتے ہیں لیکن بعد میں فرماں بردار ہو جاتے ہیں۔ قتیل صاحب تو محبت فاتح عالم کے جادو سے خوب واقف ہیں۔

یہ حصار کھینچیں۔ ہم لوگ بھی آتے ہیں۔

☆☆☆

سفریات

محبتوں کی سرزمین میں چند روز

ڈاکٹر گوہر نوشاہی☆

رات کے دس بجے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ یہ پاکستان میں ایران کے ہر دلعزیز اور صاحب علم و سعادت رایزن جناب ڈاکٹر مصطفوی سبزواری کی آواز تھی جو یہ مژدہ سنا رہے تھے کہ سومین مجمع بین المللی استادان زبان فارسی میں مجھے شرکت کرنا ہے اور اس کے لیے میں رایزنی کو اپنے پاسپورٹ کے کوائف ارسال کردوں۔ میں نے ان کے اس لطف خاص کا شکریہ ادا کیا اور اگلے روز رایزنی کو پاسپورٹ کے کوائف فراہم کر دیے۔ اس کے ساتھ ہی خود مقالہ لکھنے میں مصروف ہو گیا۔ میں چند ماہ سے اپنے ایک پسندیدہ موضوع ''شعر ایران پس از انقلاب اسلامی'' پر کام کر رہا تھا اور مطالعہ کے نتائج غیر مرتب صورت میں میرے پاس موجود تھے۔ چونکہ کانفرنس کے دن بہت قریب تھے اس لیے یاد داشتوں کو قلم برداشتہ مسودے کی شکل دے کر رایزنی میں اپنے ایک دوست جناب توقیر کے سپرد کیا کہ وہ انہیں صاف اور خوشخط لکھ دیں تا کہ اہل ایران کو پڑھنے میں دقت نہ ہو۔ یہ کام بھی موصوف کی مہربانی سے جلد انجام پا گیا اور میں ہر لحاظ سے تیار ہو کر محبتوں کی سرزمین کے دلنواز تصور میں محو ہو گیا۔ اسی دوران یہ بات بھی میرے علم میں آئی کہ اسلام آباد سے میرے ساتھ فارسی زبان کے ممتاز دانشور سید مرتضیٰ موسوی بھی اس کانفرنس میں شرکت کے لیے جا رہے ہیں۔ موسوی صاحب سے ذہنی اور فکری ہمبستگی کے سبب میرے لیے یہ خبر فی الحقیقت خوش کن تھی۔

☆ استاد زبان اردو، دانشگاہ نمل، اسلام آباد

۱۷/ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو ہمیں ایرانی ویزے عطا کیے گئے۔ ۲۰ اکتوبر کو ہم نے رایزنی میں ڈاکٹر رضا مصطفوی اور ان کے رفقاء سے خدا حافظی کی۔ ڈاکٹر مصطفوی نے جس شفقت اور والہانہ محبت سے قرآن پاک کے زیر سایہ ہمیں خدا حافظ کہا وہ منظر دل و دماغ میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

۲۱/ اکتوبر کو صبح دس بجے کی پرواز سے میں اور ڈاکٹر موسوی کراچی روانہ ہوئے۔ کراچی کے ہوائی اڈے پر خانہ فرہنگ ایران کے عملے نے ہمیں خوش آمدید کہا اور چونکہ اگلی پرواز شام چھ بجے تھی اس لیے ہمیں دن بھر کی استراحت کے لیے خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران لے گئے۔ کراچی کے ہوائی اڈے پر ہی لاہور سے تشریف لانے والے مہمان اسکالر ڈاکٹر معین نظامی اور پشاور سے آنے والے جناب سید غیور حسین سے بھی ملاقات ہوئی اور ہم مل کر خانہ فرہنگ ایران کے پرشکوہ اور آرام دہ مہمان خانہ میں آ گئے جہاں ہمیں دوپہر کا کھانا کھلایا گیا، دوبئ کے راستے تہران جانے کے لیے ہمیں ہوائی جہازوں کے ٹکٹ دیے گئے اور کراچی کے مناظر سے لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کیا گیا۔ یہیں پر جناب کمیل قزلباش بھی تشریف لے آئے۔ ۶ بجے شام کی پرواز کے لیے خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران کے کارکنان نے ہمیں الوداع کہا اور ہم کراچی کے ہوائی اڈے پر آ گئے جہاں کانفرنس کے باقی دو مہمان جو کراچی سے شامل ہونے والے تھے یعنی ڈاکٹر ساجد اللہ تفہیمی اور ڈاکٹر شہلا سلیم نوری بھی تشریف لے آئے۔ اس طرح سات افراد پر مشتمل یہ علمی وفد کراچی سے دوبئ روانہ ہوا۔

دوبئ کے ہوائی اڈے پر چودہ گھنٹے قیام تھا۔ یہ دورانیہ خاصا تکلیف دہ اور تھکا

دینے والا ثابت ہوا لیکن میزبان ہوائی کمپنی نے ہمارے کھانے پینے کا معقول بندوبست کیا جس سے اس ذہنی بے سکونی میں خاصی کمی ہوئی۔ انتظار گاہ کی آرام دہ کرسیوں نے علمی بحث ومباحثے اور باہمی مشورت کا اچھا موقع فراہم کیا۔ خاص طور پر ڈاکٹر موسوی اور ڈاکٹر نظامی کی مرنجاں مرنجی نے انتظار کو اذیت ناک نہ ہونے دیا۔

۲۲ راکتوبر ۲۰۰۰ء کو دوبئی کے مقامی وقت کے مطابق ہم دو بجے دوپہر ایران ایر سے عازم تہران ہوئے۔ دلوں میں پرانے اور صمیمی دوستوں کو دیکھنے اور فارسی زبان وادب کے روح پرور اجتماعات میں شرکت کی خواہش موجزن تھی اور اس سرزمین محبت یعنی دوست اور برادر ملک ایران کی سرزمین سراپا فرہنگ و دانش دیکھنے کی آرزو احساسات میں کروٹیں لے رہی تھی۔ سرزمین ایران میرے لیے ایک ایسے محبوب کی طرح ہے جس کے دیدار سے کبھی طبیعت سیر نہیں ہوئی اور اسے جتنا دیکھوں اتنی ہی دیکھنے کی خواہش زیادہ ہوئی ہے۔ ہم عصر کے وقت تہران ایرپورٹ پر اترے جہاں ہمارا استقبال کانفرنس کے منتظمین نے بیحد پرتپاک اور گرم جوش انداز سے کیا۔ تمام رسمی امور سے فراغت کے بعد ہمیں نہایت عزت و احترام کے ساتھ تہران کے دل میں واقع ہوٹل ''لالہ'' میں پہنچایا گیا جہاں دو دو مہمانوں کے لیے ایک ایک آرام دہ کمرہ ہمارا منتظر تھا، رات اس قدر سکون اور آرام سے بسر ہوئی کہ سفر کی ہر صعوبت خواب فراموش بن گئی۔

۲۳ راکتوبر ۲۰۰۰ء یعنی اول آبان ۱۳۸۰ش ''سومین مجمع بین المللی استادان زبان فارسی'' کے افتتاح کا تاریخی اور یادگار دن تھا۔ ہوٹل لالہ سے جدید ماڈل کی دیدہ زیب بسوں کے ذریعے مہمانوں کو دانشکدۂ ادبیات وعلوم انسانی دانشگاہ تہران میں لایا گیا جہاں تالار فردوسی میں افتتاحی اجلاس منعقد ہو رہا تھا۔ پورے ہال کو روایتی سلیقے اور زیب و زینت سے آراستہ کیا گیا تھا، خاص طور پر موسمی پھولوں کی آرائش دیکھنے والوں کو مسحور کر رہی تھی۔

نشستوں پر پہنچتے پہنچتے مختلف ممالک سے آئے ہوئے صاحبان علم و دانش نے ایک دوسرے سے لپک لپک کر معانقے کیے اور خندہ پیشانی سے ایک دوسرے کو خوش آمدید کہا۔

افتتاحی اجلاس کی ہیئت رئیسہ یعنی صدارتی شخصیات کا اعلان ہوا۔ تلاوت کلام پاک سے کارروائی شروع ہوئی۔ دانشگاہ تہران کے چانسلر ڈاکٹر عراقی نے افتتاحی کلمات ادا کیے۔ اس کے بعد چند مہمان مندوبین نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ اس اجلاس کی سب سے اہم تقریر فرہنگستان زبان و ادب فارسی کے چیئرمین ڈاکٹر حداد عادل کی تھی۔ ڈاکٹر حداد عادل ایران میں صف اول کے دانشور اور اپنی ذات میں علم و فرہنگ کا ایک مثالی نمونہ ہیں۔ خوش وضع' خوش باطن، خوش گفتار ایک سحر آفرین شخصیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے اپنی مختصر لیکن جامع تقریر میں یہ سوال اٹھایا کہ اس وقت زبان فارسی کی دنیا کو کیوں ضرورت ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس وقت اقوام عالم اپنی قومی شناخت اور دریافت کی خواہشمند ہیں۔ یہ شناخت فارسی زبان کے بغیر ممکن نہیں۔ ہم اپنے تمدن کی جڑیں تلاش کر رہے ہیں اور دوسری اقوام کے تمدن دریافت کر سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم اپنے بزرگوں کی حکمت و دانش کو نہ تو فراموش کر سکتے ہیں اور نہ اس سے دور رہ سکتے ہیں۔ حکمت سے دوری نے انسانی زندگی کو سرگرداں کر دیا ہے ایک انسان، انجینئر، عالم اور شاعر ہونے سے پہلے انسانیت کا محتاج ہے اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار کا تصور فارسی شعر و ادب کی تفہیم کے بغیر ممکن نہیں۔ آخری کلمات میں ڈاکٹر حداد عادل نے فرہنگستان زبان و ادب فارسی کا تعارف کرایا اور اس ادارے کی کارگزاری پر روشنی ڈالی۔

یکم آبان کا دوسرا اجلاس مختلف نشستوں کی صورت میں دانشکدۂ ادبیات کے مختلف کمروں میں منعقد ہوا۔ ایک اجلاس کے صدر، پاکستان میں ایران کے سابق رایزن فرہنگی سید کمال حاج سید جوادی تھے جو ان دنوں برطانیہ میں اسلامی جمہوریہ ایران کے کلچرل قونصلر ہیں۔

اس روز چائے کے وقفے میں جن اہم شخصیات اور قدیمی دوستوں سے ملاقات ہوئی ان میں ڈاکٹر محسن خلیجی، ڈاکٹر حداد عادل' ڈاکٹر حاج سید جوادی، ڈاکٹر جعفر شہیدی، ڈاکٹر قاسم صافی، ڈاکٹر تمیم داری، ڈاکٹر مہدی ناصح اور ڈاکٹر موذنی جیسے ممتاز ایرانی اساتذہ کے علاوہ ڈاکٹر کمال عینی (تاجیکستان)، ڈاکٹر امیر حسن عابدی (بھارت)، پروفیسر یان شین (چین)، ڈاکٹر اساطوریان (ارمنستان)، ڈاکٹر نتالیا پریگارینا (روس)، ڈاکٹر تاتیانا (یوکرائن) اور ڈاکٹر جمال الدین (مصر) کے نام قابل ذکر ہیں۔

۲/آبان/۱۳۸۰ش بدھ کے روز مختلف کمروں میں فارسی زبان و ادب اور فرہنگ و تمدن کے موضوعات پر مختلف اجلاس منعقد ہوئے، قبل از دوپہر چار موضوعات زیر بحث تھے:

۱- زبان فارسی و گفتگوی تمدن ہا: اس موضوع پر جن صاحبان علم نے اظہار خیال کیا اور مقالے پڑھے ان میں ڈاکٹر شرقی (ایران) ڈاکٹر تمیم داری، ڈاکٹر ترابی (ایران) اور ڈاکٹر فضیلت (ایران) ڈاکٹر علی محمد خراسانی (تاجیکستان) قابل ذکر ہیں۔

۲- زبان فارسی در جہان: اس موضوع پر سات مقالے پڑھے گئے۔ متخصصین میں ڈاکٹر عبدالسبحان (بھارت)، ڈاکٹر بہرام طوسی (ایران)، جناب ایوانوف (روس)، ڈاکٹر مہوش واحد دوست (ایران)، ڈاکٹر فقیھی (ایران)، جناب روبین چک (روس)، اور ڈاکٹر تاتیانا (یوکرائن) شامل تھے۔

۳- آموزش زبان فارسی: اس موضوع پر سات مقالے پیش ہوئے۔ مقالہ نگاروں میں ڈاکٹر زارعی (ایران)، ڈاکٹر ولی صمد (تاجیکستان)، آقای سیروس مرادی (ایران)، آقای عقیل آبسالان (ایران)، جناب فرید قطاط (تیونس)، ڈاکٹر سپنتا (ایران) اور آقای مسلمانیان قبادیانی (تاجیکستان) شامل تھے۔

اسی دوران ڈاکٹر تمیم داری کی صدارت میں آموزش زبان فارسی کے موضوع پر

ایک خصوصی مذاکرہ بھی منعقد ہوا جس میں تاجیکستان سے ڈاکٹر عینی ، پاکستان سے راقم الحروف اور بھارت سے ڈاکٹر اظہر دہلوی نے بھی شرکت کی اور اپنے اپنے ممالک میں فارسی زبان کی آموزش و تدریس کے بارے میں مشکلات اور ان کے حل کا ذکر کیا۔

۲/آبان کو بعد از ظہر بھی تین اجلاس منعقد ہوئے جن کے موضوعات قبل از ظہر کے جلسوں کے مطابق تھے۔ مختلف کمروں میں منعقدہ تینوں نشستوں میں کل سترہ مقالات پڑھے گئے۔ مقالہ نگاروں میں ڈاکٹر بسام علی ربابعہ (اردن)، ڈاکٹر اختر مہدی (بھارت)، ڈاکٹر احمد خاتمی (ایران)، جناب اسا طوریان (آرمینیا)، راقم الحروف، (پاکستان)، ڈاکٹر قاسم صافی (ایران)، ڈاکٹر سراج الحق (بنگلا دیش)، ڈاکٹر ابوالقاسم رادفر (ایران)، سید مرتضیٰ موسوی (پاکستان)، ڈاکٹر خان محمد عامر (بھارت)، ڈاکٹر احمد مسعود (اردن)، ڈاکٹر محمد عاطف (بھارت)، ڈاکٹر ابوموسیٰ محمد عارف (بنگلا دیش)، ڈاکٹر میرزا ملا احمد (تاجکستان)، ڈاکٹر شریف حسین قاسمی (بھارت)، جناب لقمان باہمت اوف (تاجکستان) اور ڈاکٹر تنویر الدین خدانمائی (بھارت) شامل تھے۔

اسی روز بعد از ظہر کے ایک اجلاس میں سید مرتضیٰ موسوی بھی ہیئت رؤساء میں شامل تھے اور ان کا مقالہ بھی اسی جلسے میں پڑھا گیا۔

۳/آبان ۱۳۸۰ش صبح کو ایک عام اجلاس مشاورتی گول میز کانفرنس کی صورت میں دانشکدۂ ادبیات و علوم انسانی دانشگاہ تہران کے تالار فردوسی میں منعقد ہوا۔ موضوع تھا: ''مشکلات و مسائل زبان و ادبیات فارسی در جہان''۔ اس اجلاس کی ہیئت روسا میں پاکستان سے راقم الحروف شامل تھا، جبکہ مختلف ممالک کے مندوبین نے اظہار خیال کیا۔ پاکستان کے بارے میں سید مرتضیٰ موسوی نے بھی مختصر تقریر کی۔

اسی دن اختتامی اجلاس سہ پہر چار بجے تالار فردوسی میں منعقد ہوا جس میں تلاوت

قرآن پاک کے بعد وزارت امور خارجہ کے ڈائریکٹر برائے تحقیق و تعلیم جناب صادق خرازی نے مہمانوں اور مندوبین کو خوش آمدید کہا۔ اس اجلاس میں پہلے چند اہم شخصیات کے پیغام پڑھے گئے۔ اس کے بعد اسلامی جمہوریہ ایران کے صدر کے مشیر ڈاکٹر مہاجرانی اور ڈاکٹر شرقی ڈائریکٹر جنرل وزارت علوم نے خطاب کیا۔ اور آخر میں تیسرے بین الاقوامی اجتماع کا منشور پڑھ کر سنایا گیا۔

۴ر جمعۃ المبارک کا دن مہمانوں اور مندوبین کو ایران کے اہم مقامات کی سیر کا تھا۔ تمام مہمانوں کے لیے شیراز کے دورے کا اہتمام کیا گیا تھا لیکن مجھے اور سید مرتضیٰ موسوی کو ہماری خواہش کے مطابق مشہد مقدس کی زیارت سے فیض یاب ہونے کا موقع دیا گیا۔ ہم دونوں ۳ر آبان کو بعد از ظہر مشہد مقدس کے لیے روانہ ہوئے۔ نماز عشاء حرم مطہر میں ادا کی۔ اپنے اہل خانہ احباب اور تمام ارادتمندان آستانہ امام ہشتمؑ کے لیے خلوص نیت سے دعائیں کیں۔ اگلے روز یعنی ۴ر آبان کو نماز فجر حرم حضرت امام رضا علیہ السلام میں ادا کی، نوافل پڑھے، دعائیں مانگیں اور ظہر کے قریب تہران کے لیے ہوائی جہاز پر سوار ہو گئے۔

چونکہ صبح پاکستان کے لیے روانگی تھی۔ لہذا تمام شب دنیا بھر سے آئے ہوئے فارسی زبان کے اساتذہ اور صاحبان علم سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ اس سفر میں تہران میں میرے عزیز ترین دوست آقای کیومرث امیری نے ہم پر جو محبتیں نچھاور کیں، تہران اور مشہد کے اساتذہ اور اہل علم سے جو خصوصی ملاقاتیں ہوئیں اور کانفرنس کے منتظمین خاص طور پر آقای شاہ حسینی اور آقای نقوی نے مہمان نوازی کا جو حق ادا کیا، اس کا بیان ایک جداگانہ مفصل تحریر کا متقاضی ہے۔ سرزمین ایران کو میں نے آغاز کلام میں "محبتوں کی سرزمین" کہا ہے اس سفر میں اس سرزمین کے جلوہ ہائے صد رنگ دیکھنے کا موقع ملا جو دیدہ و دل کے لیے یادگار اور ناقابل فراموش تھے، اس موضوع پر مفصل گفتگو کسی دوسرے موقع پر اٹھائے رکھتے ہیں۔ یار زندہ صحبت باقی۔

☆☆☆

آثارقدیمہ

بہاولپور کی ثقافتی میراث... شاہی محلات

ڈاکٹر شاہد حسن رضوی ☆

سابق ریاست بہاول پور کے عباسی فرمانرواؤں کا عہد حکومت تقریباً ڈھائی سو سال کے عرصہ پر محیط ہے جس میں سے قریباً نصف صدی تو انہیں اس علاقہ میں اپنے پیر جمانے، قبائلی سرداروں کو زیر کرنے اور اپنا تسلط قائم رکھنے میں گزر گئی۔

اٹھارہویں صدی عیسوی کے اواخر میں جب یہ حکمران علاقائی شورشوں کو دبانے اور اپنی ریاست کی بنیادیں مستحکم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انہیں جہاں مختلف شہر اور بستیاں آباد کرنے کا خیال پیدا ہوا، وہاں اپنے اور اپنے خاندان کی رہائش کے لیے محلات کی تعمیر کی ضرورت بھی محسوس ہوئی۔ شروع شروع میں والیان ریاست نے جن عمارات کو منتخب کیا تھا ان کی حیثیت اگرچہ حفاظتی قلعوں کی تھی لیکن یہی قلعے محلات کا بھی کام دیتے تھے۔

نواب بہاول پور کی پہلی رہائش گاہ:

چنانچہ جب ۱۷۲۷ء میں نواب صادق محمد خاں اول نے نواب حیات اللہ خاں ملقب بہ شہسوار خاں صوبہ دار ملتان سے چودہری کا علاقہ بطور جاگیر حاصل کیا[1] تو قیاس کہتا ہے کہ انہوں نے اسی عمارت میں رہائش اختیار کی ہو گی جو چودری یعنی چار دروالی تھی اور جس کی وجہ سے اس علاقے کا نام چودری اور بعد میں بگڑ کر چودہری بن گیا۔ اس عمارت کا اگرچہ اب نام و نشان

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تاریخ و مطالعہ پاکستان، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

باقی نہیں رہا تاہم قدیم تاریخوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ مقامی روایات سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ یہاں چار دریا چار دروازوں والی کوئی بڑی عمارت تھی جسے نواب صادق محمد خاں اول نے اپنی رہائش کے لیے منتخب کیا تھا۔ یہیں بیٹھ کر انہوں نے اپنی مہمات کا آغاز کیا اور جیسے جیسے مہمات کامیاب ہوتی گئیں ان کے مقبوضات ایک ریاست کی شکل اختیار کرتے گئے۔ اس کے ساتھ ہی تعمیرات کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔ چودہری سے دو تین میل کے فاصلے پر اللہ آباد وہ پہلا قصبہ ہے (۲) جسے نواب صادق محمد خاں اول نے آباد کیا اور جس مقام پر یہاں ابتدائی ایام میں انہوں نے قیام کیا وہ چودری والی عمارت تھی جسے مقامی روایات و قرائن کے مطابق والیان ریاست کا پہلا محل کہا جا سکتا ہے۔

قلعہ ڈیراور کا استعمال بطور محل:

قطع نظر اس سے جب ہم سابق ریاست بہاول پور کی حدود میں واقع عباسی فرمانرواؤں کے محلات کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو سب سے پہلے نظر قلعہ ڈیراور پر پڑتی ہے۔ یہ قلعہ احمد پور شرقیہ اور بہاول پور سے مساوی طور پر تقریباً ۳۲ میل کے فاصلے پر چولستان کے عین وسط میں واقع ہے۔ اس قلعہ کے متعلق تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ اسے بھاٹی قوم کے راجاؤں نے ۸۳۴ء میں تعمیر کیا تھا۔ (۳)

صادق محمد خاں عباسی اول نے جب گورنر ملتان کے ایماء پر یہاں کے سرکش قبائل کو زیر کرنے کی مہم کا آغاز کیا تو انہیں اپنے لئے کسی ایسی محفوظ مقام کی ضرورت محسوس ہوئی جہاں بیٹھ کر وہ اس علاقے کے نظام و نسق پر بھی نظر رکھ سکیں اور کسی بیرونی شورش کا خطرہ بھی لاحق نہ ہو۔ چنانچہ اس غرض کے لیے انہوں نے قلعہ ڈیراور کو منتخب کیا جو اس وقت جیسلمیر کے راجہ راول سنگھ کے قبضے میں تھا۔ ۱۷۳۳ء میں نواب صادق محمد خاں اول نے اس سے جنگ کر کے یہ قلعہ فتح کر

لیا۔(۴) اس قلعہ کا محل وقوع فوجی نقطہ نگاہ سے بہت اہم تھا۔ حد نگاہ تک ریت کے ٹیلے ہی ٹیلے تھے اور پانی کا دور دور تک نشان نہ تھا اور کسی دشمن کا یہاں تک پہنچنا جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ چنانچہ امیر صادق محمد خاں عباسی نے اسی میں رہائش اختیار کی اور اسی کو اپنا دارالحکومت بنالیا۔

یہ قلعہ جو وسیع و عریض رقبے پر پھیلا ہوا ہے، قدیم ہندو طرز تعمیر سے تعلق رکھتا ہے جن میں سے نصف کچے اور نصف پکے تھے۔ عہد عباسی میں ان سب میناروں کو پختہ کیا گیا۔(۵) قلعہ کے بڑے دروازے کے بائیں جانب سب سے بلند مینار ہے جسے ککوھا مینار کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ککوھا اس معمار کا نام تھا جس نے یہ مینار کیے تھے۔ قلعہ کے اس حصہ کو چھوڑ کر جو نواب کی رہائش کے لیے مخصوص تھا حکومت سے متعلق کئی محکموں کے دفاتر بھی اسی قلعہ میں واقع تھے۔(۶)

۱۸۲۵ء میں نواب محمد بہاول خاں سوم نے قلعہ کے سامنے ایک شاندار مسجد تعمیر کرائی جو دہلی کی جامع مسجد کے نمونے کی تھی۔ جس طرح یہ مسجد قلعے کے سامنے تعمیر کی گئی اسی طرح دہلی کی شاہجہانی مسجد بھی لال قلعہ کے بالکل سامنے واقع ہے۔(۷) ڈیراور کی مسجد میں اعلیٰ درجے کا سنگ مرمر استعمال ہوا ہے۔ اس کے پاس ہی پانی کے لیے ایک پختہ تالاب بھی بنایا گیا تھا جس میں ضرورت کے لیے پانی جمع کر دیا جاتا تھا۔ جب قلعے کا عکس پانی میں پڑتا تو بڑا حسین منظر پیش کرتا تھا۔

قلعہ ڈیراور کے قریب ہی ایک قدیم شاہی قبرستان ہے جہاں ایک بڑے ہال کمرے میں جو شیشے کی خوبصورت چھت سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس قبرستان میں والیان ریاست کے مزارات ہیں۔ تمام قبریں سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہیں اور ان پر کتبے نصب ہیں۔ ہر قبر پر خوبصورت

فانوس بھی آویزاں ہے۔ قبرستان میں بیگمات کے مزارات علیحدہ ہیں اور یہ تمام مزارات پختہ اور رنگین ٹائلوں سے بنائے گئے ہیں اور ان کے دروازوں پر لکڑی کا دیدہ زیب کام دکھائی دیتا ہے۔

امیر بہاول خان (۴۹-۱۷۴۶ء) جب برسر اقتدار آئے تو انہیں اندرونی خلفشار، خاندانی رقابت، اپنے مقبوضات کی نگرانی اور صوبیدار ملتان سے قریبی تعلق رکھنے کے لیے کسی مضبوط مرکز کی تلاش تھی۔ چنانچہ اس ضرورت کے پیش نظر انہوں نے موجودہ شہر بہاول پور کی بنیاد ڈالی - اس وقت یہ علاقہ سوڈھا کی جھوک کہلاتا تھا اور یہاں وڈیرہ محمد پناہ خان گھمرانی کی حویلی کی باقیات موجود تھیں۔(۸) امیر بہاول خان نے ان کھنڈرات کے گرداگرد ایک دیوار بنوائی جس سے فصیل شہر کا کام لیا گیا اور یہیں پر انہوں نے اپنی رہائش کے لیے ایک شاندار شیش محل، دولت خانہ اور دیگر شاہی عمارات بھی تعمیر کرائیں(۹) یہ محل موجود جامع مسجد الصادق کے جوار میں واقعہ تھا(۱۰) اسی محل میں نواب کا دربار لگتا تھا اور یہیں ان کے مہمان بھی قیام کرتے تھے۔ چنانچہ بہاول خان ثانی (۱۸۰۹-۱۷۷۲ء) کے عہد میں سادات بارہہ کے میر محمد کاظم علی خاں۔(۱۱) میر محمد بخش علی خاں وغیرہ یہاں آئے تو نواب بہاول خاں ثانی نے نہ صرف انہیں اپنا اتالیق مقرر کیا بلکہ انہیں اسی شیش محل ٹھہرایا(۱۲) لیکن اس محل کی تعمیر کو ابھی چالیس سال ہی گزرے تھے کہ ۱۷۸۷ء میں کابل کے بادشاہ تیمور شاہ کے ایک سردار احمد خاں نورزئی نے بہاول پور شہر پر حملہ آور ہو کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔(۱۳) نواب بہاول خاں ثانی نے قلعہ ڈیراور میں پناہ لی۔ افغانی فوج نے وہ لوٹ مار مچائی کہ لوگ کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گئے۔ شہر کی تمام خوبصورت عمارات کو جن میں شیش محل اور دیوان خانہ بھی شامل تھا مسمار کر دیا گیا۔(۱۴) شیش محل کے آثار اب کہیں موجود نہیں، تاہم قدیم کتابوں میں اس کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔ غالباً اس واقعہ کے بعد ہی نواب نے اپنی رہائش مستقلاً قلعہ ڈیراور ہی میں رکھی کیونکہ وہ محفوظ ترین

مقام تھا۔ البتہ امیر بہاول خاں ثالث (۵۲-۱۸۲۵ء) نے احمد پور شرقیہ سے ۳ میل جنوب کی طرف "ڈیراور" کے راستے میں رہائشی عمارات کے لیے ایک وسیع رقبہ منتخب کیا جہاں رنگلا محل تعمیر کرایا گیا۔(۱۵) تاریخ مراد میں درج ہے کہ ۱۸۲۸ء میں نواب محمد بہاول خاں ثالث نے پکی اینٹوں کی ایک بہت بلند اور لمبی دیوار بطور فصیل تعمیر کر کے ایک عالیشان حویلی کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس میں باغات اور دیگر پختہ عمارات بھی تھیں فصیل کے دروازے کے باہر مشرقی جانب ایک عالیشان مسجد کی بھی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ اس کے علاوہ اس کے دربار اور جلوس خاص کے لیے ایک نفیس پختہ محل تعمیر کیا گیا تھا جس میں زمین دوز خوبصورت رنگین تہہ خانے بھی تھے۔ محل کی بارہ دری میں نواب صاحب درباریوں کا سلام لیا کرتے تھے۔(۱۶) اس سلسلہ عمارات کا نام ڈیرہ رکھا گیا۔ بعد میں نواب کے متوسلین نے بھی اپنی رہائش کے لیے یہاں مکانات تعمیر کر لیے اور اس طرح جگہ ایک اچھا خاصا شہر آباد ہو گیا جو آج تک موجود اور ڈیرہ نواب کے نام سے مشہور ہے۔ وہ رنگین اور نفیس عمارت جسے نواب صاحب کے پہلے خود ساختہ محل ہونے کا شرف حاصل ہے، محل قدیم کے نام سے موسوم ہے اور آثار قدیمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس قدیم محل کو پرانا کوٹ کے نام بھی سے یاد کیا جاتا ہے۔(۱۷) اس کی بیشتر عمارات اب معدوم ہو چکی ہیں۔

ریاست کا دارالحکومت بہاول پور منتقل ہونے کے بعد نواب صاحب نے زیادہ سے زیادہ توجہ بہاول پور پر دی چونکہ ابتدائی ایام میں بہاول پور شہر کی آبادی کا مسئلہ نہایت پریشانی کا موجب بنی ہوئی تھی۔ لوگ باہر سے آ کر اس غیر آباد خطے میں رہائش رکھنے کے لیے تیار نہ ہوتے تھے، اس لیے نواب صاحب نے خود جگہ جگہ عالیشان عمارات بنوا کر لوگوں میں تحریص و ترغیب پیدا کی۔ یہ عمارات سرکاری ضروریات اور رہائشی مقاصد دونوں کے لیے تھیں۔ چنانچہ پرانی کوٹھی جس میں کچھ عرصہ پہلے تک ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر کا دفتر تھا اور چیف منسٹر ہاؤس جس میں پرانی غلہ منڈی ہے اور نواب صاحب کا محل جس میں کچھ عرصہ قبل فوجی ہسپتال قائم تھا، بہاول پور کی

اولین عمارات میں سے ہیں (۱۸) جن میں نوابوں نے خود رہائش اختیار کی یا انہیں اپنے اہل
کاروں کی رہائش کے لیے مختص کیا۔

نور محل

۱۸۷۲ء میں نواب صادق محمد خاں رابع کی رہائش کے لیے بستی ملوک شاہ کے قریب ایک محل تعمیر ہوا جس کا نام نور محل رکھا گیا۔ نور محل کی بلور جیسی سفید اور پرکشش عمارت دور سے بقعہ نور نظر آتی ہے۔ یہ محل جو اطالوی طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہے وسیع رقبے پر پھیلا ہوا ہیں۔ (۱۹)

صادق گڑھ پیلس کے بعد نور محل سابق ریاست بہاولپور کی خوبصورت ترین عمارت ہے۔ اس محل کی خوبصورتی کا اندازہ اس کے طرز تعمیر سے ہوتا ہے۔ یہ مستطیل نما ایک تین منزلہ عمارت ہے جس میں درمیانی ہال اور شرقی غربی کمروں کے علاوہ چاروں کونوں پر چار کمرے بنے ہوئے ہیں۔ ان چاروں کمروں کے اوپر چار کمرے اسی لمبائی چوڑائی کے بنے ہوئے ہیں جن کی چھتیں برج نما ہیں اور چوگوشیہ ہیں۔ یہ چوگوشیہ چار برج پانچویں درمیانی برج کے ساتھ جو ہشت پہلو ہے اور سائز میں سب سے بڑا ہے محل کی عظمت کا ایک عجیب سماں پیش کرتے ہیں۔

عمارت کے وسطی حصے میں ایک نہایت وسیع و عریض ہال ہے چھتوں اور دیواروں پر نقاشی کا خوبصورت کام ہے۔ ہال میں ایک اسٹیج بنا ہوا ہے جس پر چاندی کی کرسی نواب صاحب کے بیٹھنے کے لیے مخصوص تھی۔ ہال اور دوسرے کمروں کی دیواروں کو والیان ریاست کی تصاویر سے مزین کیا گیا تھا۔ بعض کمروں میں بڑے بڑے قد آدم آئینے بھی تھے جو مختلف خاصیتیں رکھتے تھے۔ مثلاً ایک آئینے کے سامنے جائیں تو اس میں انسان غیر معمولی طور پر فربہ نظر آتا تھا اور اسی طرح ایک دوسرے آئینے کے سامنے جانے سے انتہائی دبلا دکھائی دیتا تھا۔ ایک زمانے میں پورا محل سنہری اور روپہلی فانوس اور بہترین فرنیچر سے آراستہ تھا۔

نور محل کا نقشہ ریاست کے انجینئر مسٹر ہنین نے تیار کیا تھا اور اسی کی نگرانی میں ۱۸۷۲ء

سے شروع ہو کر ۱۸۷۵ء میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ محل کی بنیاد میں ریاست کے سکے (۲۰) اور ایک تحریر جس میں تعمیر محل کی تاریخ وغیرہ درج تھی، رکھے گئے تھے۔ اس محل کی تعمیر پر بارہ لاکھ روپے سے زیادہ خرچ ہوئے۔ (۲۱) بہاول پور کے سرکاری اخبار ''صادق الاخبار'' نے اس کی تاریخ تعمیر یہ شائع کی تھی۔

عروجش تا قیام آسمان باد (۱۲۹۲ھ) (۲۲)

۱۹۰۲ء میں نواب محمد بہاول خاں خامس نے نور محل کے احاطے میں صدر عمارت سے دو سو گز کے فاصلے پر ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرائی (۲۳) یہ مسجد لاہور کے چیفس کالج کی مسجد کے نمونے کی ہے جس کی تعمیر کا شرف بھی نواب موصوف کو اپنی طالب علمی کے زمانے میں حاصل ہوا تھا۔ نور محل کی مسجد کی تعمیر پر اس زمانے میں ۳۰ ہزار روپے سے زائد خرچ ہوئے تھے اور اس کی بنیاد میں بھی ریاست کے طلائی، نقرئی اور مسّی ایک بوتل میں بند کر کے رکھے گئے تھے۔ بوتل کے ساتھ مندرجہ ذیل رباعی بھی نہایت خوشخط لکھوا کر رکھی گئی تھی۔ (۲۴)

بہاول خاں خامس حامی دین
سراج ملت بیضاء پیغمبری
بنا فرمود این مسجد معلیٰ
بہ سال سیزدہ صد بست ہجری

نور محل میں نواب صاحب کے قیام کا زمانہ بہت مختصر ہے۔ تھوڑے ہی دن بعد قبرستان ملوک شاہ کے قرب اور وہاں کی فضا میں جو قدرتی حزن کی کیفیات طاری تھیں اس نے یہاں اسے سکونت ترک کرنے پر انہیں مجبور کر دیا لیکن ترک سکونت کے باوجود نور محل سرکاری تقریبات کے لیے مخصوص رہا۔ چنانچہ نواب صادق محمد خاں رابع کو اختیارات حکومت سپرد کرنے کی رسم اسی

محل میں ۲۸ نومبر ۱۸۷۹ء کو ادا کی گئی۔ اس موقع پر محل کو خوب سجایا گیا اور ایک عالیشان دربار بھی یہاں منعقد ہوا جس میں پنجاب کے لیفٹیننٹ گورنر سر رابرٹ ایجرٹن نے بہ نفسِ نفیس شرکت کر کے نواب صاحب کو ریاست کے مکمل اختیارات سونپنے کا اعلان کیا تھا۔ (۲۵)

نواب بہاول خاں خامس کی دستار بندی بھی اسی محل میں ہوئی تھی۔ نومبر ۱۹۰۳ء کو ہزایکسیلنسی لارڈ کرزن وائسرائے و گورنر جنرل ہند نے یہاں آ کر ایک عالیشان دربار میں جو نور محل میں منعقد کیا گیا تھا۔ (۲۶) نواب بہاول خاں پنجم کو اختیارات سلطانی تفویض کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اس دربار میں ہندوستان کی ممتاز اور اہم شخصیات کی علاوہ سو سے زائد یورپین افسران نے بھی شرکت کی۔ صبح صادق مصنفہ مولوی عزیز الرحمٰن میں درج ہے کہ اس موقعہ پر "نور محل" کے شمالی جانب ایک وسیع میدان میں مہمانوں کے لیے نہایت خوبصورت خیموں کا کیمپ تیار کیا گیا تھا۔ یہ میدان نہایت خوبصورت خوش وضع باغ کی صورت اختیار کر گیا تھا اور اس کے سبزہ زاروں کے اندر پھولوں کی قطاروں کے درمیان سرخ سڑکیں اور خوشنما روشیں بنائی گئی تھیں کہ دیکھنے والا دیکھتا ہی رہ جاتا تھا۔" (۲۷)

یہ محل ریاست کے آخری دور میں بطور سرکاری مہمان خانہ استعمال ہوتا رہا۔ یہیں پاکستان کے دوسرے وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین نے اپنے دورۂ بہاولپور کے دوران قیام کیا اور نواب صادق محمد خاں خامس نے ان کے اعزاز میں گارڈن پارٹی دی تھی۔ (۲۸) (اب یہ محل پاک فوج نے نواب کے ورثا سے قیمتاً خرید لیا ہے۔) نور محل کے علاوہ بہاولپور کے دیگر محلات بھی اپنی شان و شوکت کے لیے مشہور ہیں۔

دولت خانہ:

۱۸۸۱ء میں نواب صادق محمد خاں رابع نے دو لاکھ روپے کے مصرف سے بہاول پور

میں ایک اور محل تعمیر کرایا جو دولت خانہ کے نام سے مشہور ہوا۔(۲۹) دولت خانہ میں اس وقت کی روایات کے مطابق قبہ دار مرکزی کمرے بھی تعمیر کیے گئے اور وسیع اور فراخ کمرے اور محراب دار برآمدے بھی بنائے گئے۔ محل کا بڑا دروازہ شمالی جانب ہے اس کے لیے محراب دار گیٹ اور بڑا چوبی دروازہ بنایا گیا تھا۔اس کے گرداگرد ایک قلعہ نما دیوار تعمیر کرائی گئی تھی اور دیوار کے ساتھ اندر کی طرف ایک خوبصورت باغ لگایا گیا تھا جس کے جوار میں بگھی خانہ، رتھ خانہ اور توشہ خانہ کی عمارات تھیں اور ساتھ ہی نجی عملہ اور ملازمین کے دفاتر اور رہائش گاہیں بھی۔مغربی جانب چار سوفٹ لمبا اور ایک سو پچاس فٹ چوڑا تالاب تھا جس کے سامنے ایک خوبصورت مسجد ہے جس کے تین گنبد اور سنہری کلس ہیں۔دولت خانہ کو ریاست بہاول پور کے آخری دو حکمرانوں یعنی نواب بہاول خاں خامس (۱۹۰۲-۱۸۹۹ء) اور نواب صادق محمد خاں خامس (۶۶-۱۹۰۴ء) کی جائے پیدائش ہونے کا شرف حاصل ہے۔(۳۰) ریاست کے جمہوری دور میں اسے دارالسلام کا نام دیا گیا اور اسے یہاں کے منتخب وزیر اعلیٰ مخدوم زادہ سید حسن محمود کی سرکاری رہائشگاہ کا درجہ حاصل رہا۔(۳۱) یہ تمام محلات کئی کلومیٹر رقبے پر محیط ایک سنگین اور خوبصورت فصیل میں واقع ہیں۔ان محلات کی تعمیر کا منصوبہ نواب بہاول خاں خامس (۱۹۰۷-۱۸۹۹ء) نے ۱۹رمئی ۱۹۰۴ء میں منظور کیا تھا۔(۳۲) لیکن ابھی یہ طویل منصوبہ تکمیل کے مراحل ہی میں تھا کہ جواں سال بہاول خاں انتقال کر گئے اور یوں ان محلات کی تکمیل ۱۱-۱۹۱۰ء کے درمیان ہوئی (۳۳) اگرچہ محلات کے اس سلسلے کا نام بہاول گڑھ تھا تاہم ان محلات میں سب سے بڑے محل کا نام نواب موصوف کے نام پر مبارک محل رکھا گیا۔یہ محل بیسویں صدی کے آغاز ہی میں سرکاری دفاتر کے لیے استعمال ہونے لگا تھا اور بہاول پور میں جب عوامی دور کا آغاز ہوا تو اس وقت کے منتخب وزراء کے دفاتر بھی یہیں تھے اور اس کے ہال میں اسمبلی کے اجلاس ہوتے

تھے۔(۴۴) چونکہ یہاں تواتر کے ساتھ دربار منعقد ہوتے رہتے تھے اس لیے یہ محل دربار محل کے نام سے مشہور گیا اور آج بھی جبکہ یہاں افواج پاکستان کے دفاتر ہیں۔ یہ دربار محل کے نام سے ہی مشہور ہے۔

جہاں تک محل کی تعمیرات کا تعلق ہے مستطیل فصیل کا بڑا دروازہ مشرقی جانب ہے۔ محل کے دروازہ سے داخل ہوتے ہی دائیں طرف دربار محل کی شاندار دومنزلہ عمارت کا الگ احاطہ شروع ہو جاتا ہے جبکہ بائیں جانب حفاظتی عملہ کے دفاتر وغیرہ کی عمارات ہیں۔ نصف فرلانگ کے فاصلہ پر بائیں جانب ایک رفیع الشان محل ہے جس کا فرش اور مغرب و مشرق میں وسیع تھڑے سرخ پتھر سے بنائے گئے ہیں۔ اس عمارت میں سابق ریاست کی وزارت تعلیم کے دفاتر اور اس کے بعد نظامت تعلیمات کے دفاتر وغیرہ رہے ہیں۔ اسی طرح کا ایک محل احاطہ فصیل کے جنوب مشرقی جانب میں بھی واقع ہے جس میں محکمہ انہار کے دفاتر مدتوں قائم رہے۔ دربار محل کی دومنزلہ عمارت بہت خوبصورت اور آرائشی طریق پر بنائی گئی ہے۔ چاروں طرف خوبصورت اور محراب دار برآمدے اور سنگ سرخ کی سیڑھیاں ہیں، چاروں کونوں پر قبہ دار مینار نما تعمیرات ہیں جن میں سے سیڑھیاں اوپر جاتی ہیں۔ درمیان میں دربار ہال ہے۔ محل کی سامنی جانب جنوب میں سنگ سرخ سے تعمیر کردہ نفیس اور دیدہ زیب بارہ دری کی عمارت ہے جس کی وسط میں سنگ سرخ کا تالاب اور فوارے نصب ہیں جو اس محل کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔(۴۵) اس بارہ دری میں ریاست کے وقت سے محکمہ اطلاعات کے دفاتر قائم تھے جو ون یونٹ کے خاتمہ تک رہے۔ ان فواروں کو چلانے کے لیے جانبِ مشرق مسجد کے قریب ایک پانی کا آہنی ٹینک بلندی پر رکھا گیا ہے جس کو رہٹ کی ذریعے کنویں کے شفاف پانی سے بھرتے تھے ۔رہٹ کے بیل نیچے چلتے تھے اور پانی کھینچنے والے ڈول ٹینک کی بلندی تک پانی اٹھا لے جاتے تھے۔ قریب ہی مسجد بھی ہے جو صادق گڑھ پیلس کی مسجد سے ملتی جلتی ہے۔ محل کی فصیل کے اندر

مشرق کی طرف چھوٹی چھوٹی چنداور اضافی عمارات بھی موجود ہیں۔ایک زمانے میں ان محلات کے چہار طرف مروئے کے پودے اپنی بھینی بھینی خوشبو سے سارے ماحول کو معطر رکھتے تھے۔

گلزار محل:

۱۹۰۴ء میں نواب بہاول خاں خامس نے چند اور محلات تعمیر کرنے کی بھی منظوری دی تھی۔جن میں گلزار محل، نشاط محل اور فروخ محل خاص طرو پر قابل ذکر ہیں۔(۳۶) گلزار محل، دربار محل کے متصل نہایت خوبصورت عمارات پر مشتمل ہے۔اس کے کئی دروازے ہیں۔کمروں کو نفیس فرنیچر اور خوبصورت قالینوں سے سجایا گیا تھا۔دروازوں پر عنابی رنگ کے مخملی پردے پڑے ہوئے تھے۔تمام دیواریں سنگ مرمر کی ہیں۔چھتوں پر پچی کاری کا کام کیا گیا ہے۔بڑے بڑے فانوسوں نے اس کی شان وشوکت میں کافی اضافہ کر دیا ہے۔ہال کے ساتھ ایک وسیع گیلری ہے جو شاید کبھی آرٹ گیلری کا کام دیتی تھی جس یمں آرٹ کے نادر نمونے رکھے ہوئے تھے۔(۳۷) آرٹ کے نمونے تو نہیں البتہ بعض والیان ریاست کی تصویریں اب بھی دیواروں پر آویزاں ہیں۔کافی عرصہ تک یہ محل نواب صادق محمد خاں خامس کے ولی عہد (موجودہ نواب صلاح الدین کے والد) کے زیر تصرف رہا اور اب اس میں بھی فوجی دفاتر ہیں۔

صادق گڑھ پیلس

والیان ریاست بہاولپور کے محلات میں سے جس محل کو بہ لحاظ خوبصورتی اور وسعت و آرائش سب پر فوقیت حاصل ہے وہ صادق گڑھ پیلس ہے جو ڈیرہ نواب میں نواب صادق محمد خاں رابع نے ۱۸۸۳ء میں تعمیر کرایا تھا۔(۳۸) اس محل کی تعمیر ماہر انجینئروں کی نگرانی میں ہوئی تھی اور اس وقت اس کی تعمیر پر تقریباً ۱۸ لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔تعمیر کا کام تقریباً دس سال جاری رہا تھا جس کے پایہ تکمیل کو پہنچنے کے بعد ایک شاندار دربار منعقد کر کے اس کا افتتاح کیا گیا تھا۔

محل کے گرد ایک نہایت مضبوط، چوڑی اور پختہ فصیل ہے۔فصیل کے اندر چاروں طرف گھاس کے خوبصورت پلاٹ ہیں جن میں رنگ برنگ پھولوں کے پودے اپنی بہار الگ دکھا رہے ہیں۔ آسمان سے باتیں کرتی ہوئی عمارت جس میں جمال وجلال کا حسین امتزاج رعب شاہی میں رعایا پروری کی جھلک دکھاتا ہے۔اس کی سنگین بنیادیں اور لوہالاٹ دیواریں دلفریبی اور خوشنمائی کے قالب میں ڈھلی ہوئی ہیں۔محل کے ہر کونے میں ایک برجی اس طرح بنائی گئی ہے کہ گویا پہرہ دار سپاہی ایوان شاہی کی حفاظت پر مامور ہیں۔عمارت کے وسط میں نہایت حسین گنبد ہے جو رات کے وقت روشنیوں سے جگ مگ کرتا ہے۔محل کے چاروں طرف برآمدے ہیں۔ برجیوں کے نچلے حصوں میں تہہ خانے ہیں جہاں قدرتی روشنی کے علاوہ بجلی کی روشنی کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔

مرکزی ایوان کے اندر دربار ہال اور اسی کے متصل دونوں جانب آٹھ مکمل سیٹ ہیں جو معزز مہمانوں کے لیے مخصوص ہیں اور انہیں تمام ضروری سامان آراستہ کیا گیا ہے۔خوابگاہوں سے لے کر ڈرائنگ روم، ڈریسنگ روم، غسل خانے اور دفتر کے کمرے ہر طرح خود کفیل ہیں۔ہر کمرے کی چھت فرض اور درودیوار سے نفاست اور خوبصورتی ٹپکی پڑتی ہے۔سامان آرائش اور فرنیچر بڑے اعلیٰ درجے کا ہے۔کمروں میں قد آدم آئینے بلوری خوشنما اور نفیس جھاڑ فانوس لگے ہوئے ہیں۔کرسیوں، میزوں اور گلدانوں پر ایک ہی قسم کا رنگ ہے۔عجیب وغریب تصویریں، آرٹ کے بہترین نمونے اور قیمتی پردے اس قصر عالیشان کی زینت و وقار میں اضافہ کر رہے ہیں۔

دربار ہال کی سجاوٹ دیکھنے کے قابل ہے۔اس وسیع وعریض ہال میں تخت شاہی بچھا ہوا ہے جس کے عقب میں ایک بہت بڑا آئینہ نصب ہے، جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جب یہ آئینہ سمندری راستہ سے کراچی پہنچا تو اسے بہاولپور تک لانے کے لیے خاص ٹرک مہیا کئے گئے

تھے اور کئی ریلوے اسٹیشنوں کے پلیٹ فارم محض اس کی خاطر وسیع کرنے پڑے تھے۔(۳۹)

محل کے پورچ کے سامنے سنگ مرمر کا ایک فوارہ نظر آتا ہے جو اس عمارت کی زیبائش میں چار چاند لگاتا ہے۔محل کے ایک حصہ میں چڑیا گھر تھا جس میں دنیا بھر کے عجیب وغریب پرندے اور جانور تھے اسی کی ساتھ ایک میوزیم بھی تھا جس میں جانوروں اور پرندوں کے پنجروں کو کیمیائی طریقہ سے محفوظ کیا گیا تھا۔(۴۰)

محل کا محل وقوع ایک ایسی جگہ ہے اور اس کا نقشہ کچھ ایسی مہارت سے تیار کیا گیا ہے کہ یہ بیک وقت باغ کا منظر بھی پیش کرتا ہے اور صحرائی علاقہ بھی نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ محل کے گرداگرد باغ ہے لیکن اگر جنوبی دروازے پر آئیں تو پانی کے تالاب دکھائی دیتے ہیں اور دوسری جانب کے دروازے پر پہنچیں تو صحرا کا منظر آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

محل کے احاطہ ہی میں توشہ خانہ اور کتب خانہ بھی ہے۔کتب خانہ میں مختلف موضوعات پر انگریزی، اردو، فارسی اور عربی کی نادر کتابیں ہیں۔بعض قلمی مخطوطے بھی ہیں جن میں سے اکثر مصنفین کے اپنے لکھے ہوئے نسخے ہیں۔(۴۱) یہ محل نواب محمد عباس خاں عباسی کے دور حکومت تک آباد رہا۔

بہاول پور کے تمام محلات میں ایک قدر مشترک ان کی طرز تعمیر میں اسلامی فکر کی جھلک ہے۔مثلاً وہ اطالوی طرز کا ہو یا مغربی انداز کا اس میں برجیاں اور گنبد ضرور ہوں گے چونکہ زیادہ تر محلات نواب صادق محمد خاں رابع کے عہد میں تعمیر ہوئے ہیں اس لیے اگر انہیں بہاول پور کا شاہجہاں کہا جائے تو بے جانہ ہوگا۔انہیں نئی نئی عمارات بنوانے کا بڑا شوق تھا چنانچہ ریاست کی حدود میں محلات کے علاوہ بھی جتنی اہم عمارات ملتی ہیں وہ ان ہی کے عہد کی یادگار ہیں۔

حوالہ جات

۱-مرزا محمد اشرف گورکانی ومولوی محمد دین، صادق التواریخ، بہاول پور ۱۸۹۸ء،ص ۱۵۰

۲-شیخ انوار النبیؒ، مختصر تاریخ بہاول پور ،جالندھر ،۱۹۴۰ء،ص ۶۳

۳-پنجاب اسٹیٹ گزیٹیئر، جلد xxxvii، بہاول پور اسٹیٹ ،۱۹۰۴ء،سول ملٹری گزٹ پریس،ص ۳۶۰

۴-مسعود حسن شہاب،بہاول پور کی سیاسی تاریخ، مکتبہ الہام بہاول پور، ۱۹۷۷ء،ص ۱۲

۵-نور الزماں احمد اوج، *Cholistan Land and People*، کارواں بک سنٹر ملتان، ۱۹۹۱ء،ص ۱۱۷

۶-عزیز الرحمٰن عزیز، مولوی محمد اعظم، ماھنامه العزیز، اپریل ۱۹۸۱ء،ص ۲۱

۷-میر ناصر علی، جغرافیه ریاست بھاولپور، دہلی ،۱۸۹۲ء،ص ۱۶

۸-مولوی شہامت علی، The History of Bahawalpur، لندن ۱۸۴۸ء،ص ۳۰

۹-مولوی محمد اعظم، جواھر عباسیه، (قلمی)،ص ۵۸

۱۰-پروفیسر محمد طاہر نے اپنے مضمون ''بہاول پور تاریخ کی آئینے میں'' (جو مجلہ بانگ سحر ۹۱-۱۹۹۰ء گورنمنٹ کالج خانپور میں شائع ہوا) لکھا ہے کہ شیش محل ملتانی دروازہ کے باہر تھا۔ یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ قرین قیاس یہ ہے جو درست بھی ہے کہ نوابان نے بیرونی حملہ آوروں کی خوف سے فصیل شہر کے اندر ہی یہ محل بنوایا ہوگا۔ اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب نواب محمد مبارک خاں نواب دوم کا آخری وقت تھا تو انہوں نے کہا کہ مجھے مسجد کے اوپر ایک کبوتر بیٹھا دکھائی دے رہا ہے۔ (مرآۃ الغفوریه قلمی، صفحہ نمبر ۱۶۵، بزبان فارسی) یہ مسجد شہر کی قدیم جامع مسجد مچھی ہٹہ تھی کیونکہ ملتانی دروازہ کے باہر کوئی قدیم مسجد نہیں ہے۔ (مولف)

۱۱-یہ وہی میر محمد کاظم علی بار ہہ ہیں جن کو نواب بہاول خاں ثانی نے تحائف کے ساتھ دربار دہلی بھیجا اور شاہ عالم ثانی نے خوشنودی کی اظہار میں فرمان حکومت علاقہ کچھی (بہاول پور کے اردگرد کے علاقے کا نام اس وقت کچھ ہی تھا) اور خطاب نصرت جنگ، حافظ الملک عطا فرمایا۔ (صادق التواریخ صفحہ نمبر ۱۹۳)

۱۲-جواھر عباسیه، بحوالہ سابقہ،ص ۹۳-۹۲

۱۳-اعجاز الحق قدوسی، تاریخ سندھ، جلد دوم،ص ۵۴۶-۵۴۴

۱۴-ایضاً، بحوالہ سابقہ،ص ۱۷۷؛ سید محمد لطیف، تاریخ پنجاب، کلکتہ ۱۸۹۱ء،ص ۲۹۹

۱۵-بحوالہ سابقہ، بہاول پور اسٹیٹ گزیٹیر -۱۹۰۴ء،ص ۳۶۰

۱۶-میر ناصر علی، بحوالہ سابقہ،ص ۱۵

۱۷- بھاول پور گزیٹیر، بحوالہ سابقہ، ص ۱۵

۱۸- میر ناصر علی، بحوالہ سابقہ، ص ۵

۱۹- عزیز الرحمٰن عزیز، صبح صادق، بارسوم، ۱۹۶۰ء، ص ۱۹۲

۲۰- ایک وقت میں ریاست بہاول پور میں سکے جاری رہے ہیں جس کے لیے یہاں باقاعدہ ٹکسال تھی اور سندھ کی مشہور سیاسی شخصیت محمد ہاشم گزدر جو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کی نائب صدر بنے تھے، اس ٹکسال کے مہتمم تھے۔
(صبح صادق، ص ۱۷۰)

۲۱- بریگیڈیر نذیر علی شاہ، صادق نامے، لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ۱۳۹

۲۲- عزیز الرحمٰن عزیز، بحوالہ سابقہ، ص ۱۹۳

۲۳- گزیٹیر بھاول پور، بحوالہ سابقہ

۲۴- صبح صادق، بحوالہ سابقہ، ص ۱۷۱

۲۵- عزیز الرحمٰن عزیز، حیات محمد بھاول خان، ۱۹۳۹ء، ص ۱۷۴

۲۶- صبح صادق، بحوالۂ سابقہ، ص ۱۷۲

۲۷- ایضاً: ص ۱۷۳

۲۸- مسعود حسن شہاب، بحوالہ سابقہ، ص ۱۱۳

۲۹- بریگیڈیر نذیر علی شاہ، بحوالہ سابقہ، ص ۱۳۱

۳۰- ایضاً ص ۱۳۲

۳۱- بھاول پور ریویو، محکمہ اطلاعات ریاست بہاول پور، نومبر ۱۹۵۵ء، ص ۱۳

۳۲- صبح صادق، بحوالہ سابقہ، ص ۱۱۴

۳۳- ایضاً، ص ۱۱۵

۳۴- صادق الاخبار، بہاول پور، ۱۹۵۲ء، ص ۳۲

۳۵- ہفت روزہ الھام، بہاول پور، ۱۹۵۲ء، ص ۳۲

۳۶- بھاول پور اسٹیٹ گزیٹیر، بحوالہ سابقہ، ص ۳۳۲

۳۷- صبح صادق، بحوالہ سابقہ، ص ۱۷۷

۳۸- بھاول پور اسٹیٹ گزیٹیر، بحوالہ سابقہ، ص ۳۵۷

۳۹- بریگیڈیر نذیر علی شاہ، بحوالہ سابقہ، ص ۱۳۵

۴۰- ہفت روزہ الہام، بہاول پور نمبر، ۲۸/جون ۱۹۵۲ء، ص ۳۴

۴۱-ماہنامہ العزیز ،''صادق گڑھ پیلس''، جولائی ۱۹۶۲ء، ص ۲۷

(نوٹ: راقم الحروف کو زمانہ طالب علمی میں صادق گڑھ پیلس کو دیکھنے کا موقع ملا تھا مگر بعد میں جائیداد کی تقسیم کے جھگڑوں کی وجہ سے اس محل کو سر بمہر کر دیا گیا)۔

☆☆☆

عہد مغلیہ کی ایک یادگار عمارت:
اخوند پنجو بابا کی پکی مسجد بمقام اکبر پورہ، ضلع نوشہرہ

ابراہیم شاہ☆

ظہیر الدین محمد بابر نے ۱۵۲۶ء میں لودھی خاندان کے آخری حکمران سلطان ابراہیم کو پانی پت کے میدان میں شکست دے کر برصغیر پاک و ہند میں مغلیہ حکومت کی بنیاد رکھی۔ بابر کے دور حکومت (۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۰ء) میں تعمیر شدہ دو مساجد کا ذکر تاریخ میں محفوظ ہے۔ ۱- مسجد بمقام کابلی باغ (پانی پت) اور ۲- جامع مسجد بمقام سنبھل جو دہلی سے مشرق کی طرف واقع ہے۔

ایک قول کے مطابق یہ دونوں مساجد ۱۵۲۶ء میں بادشاہ کے حکم سے تعمیر کرائی گئی تھیں۔(۱) اس لحاظ سے انہیں مغلیہ دور کی اولین مساجد کہا جا سکتا ہے۔ بابر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نصیر الدین محمد ہمایوں ۱۵۳۰ء میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا، لیکن ۱۵۴۰ء میں فرید خان معروف بہ شیر شاہ سوری نے ہمایوں کو شکست فاش دی یہاں تک کہ وہ ایران کے صفوی بادشاہ، شاہ طہماسپ کے دربار میں جلاوطنی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہو گیا۔ ۱۵۵۵ء میں ہمایوں نے اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کے بعد دوبارہ دہلی پر قبضہ کر کے اپنی حکومت قائم کر لی لیکن اگلے ہی سال یعنی ۱۵۵۶ء میں وہ فوت ہو گیا۔ کشور ہند میں غیر متوازن سیاسی حالات اور کشمکش کی وجہ سے ہمایوں کو تعمیری میدان میں اپنی سرگرمی دکھانے کا بہت کم وقت

☆ لیکچرار، آرکیالوجی ڈیپارٹمنٹ، پشاور یونیورسٹی، پشاور

ملا۔ پھر بھی اس کے زمانے کی دو مساجد کے آثار ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک آگرہ میں، جبکہ دوسری فتح آباد، حصار میں بنوائی گئی تھی۔(۲) ایک اندازے کے مطابق موجودہ پاکستان میں مغلیہ دور حکومت کی سب سے قدیم عمارت لاہور میں ہمایوں کے بھائی کامران (م ۱۵۵۷ء کی بارہ دری ہے)۔(۳)

ہمایوں کے بعد اس کا بیٹا جلال الدین محمد اکبر ۱۵۵۶ء میں تخت نشین ہوا۔ جس نے برصغیر پاک و ہند پر تقریباً نصف صدی تک حکومت کی۔ اکبری دور میں دیگر فنون کے ساتھ ساتھ فن تعمیر میں بھی خاصی ترقی ہوئی۔ حکومتی سرپرستی کی وجہ سے بہت سی عمارتیں معرض وجود میں آئیں۔ ان عمارات میں سرخ پتھر (Red Sandstone) کا استعمال بکثرت ملتا ہے۔ دراصل سیاسی استحکام اور معاشی و اقتصادی ترقی جیسے محرکات کا فن تعمیر کی ترقی و فروغ کے سلسلے میں خاصا عمل دخل رہا ہے۔ اس وقت کی طرز تعمیر کو اکبری طرز تعمیر بھی کہتے ہیں۔ قلعۂ آگرہ، قلعۂ اجمیر، قلعۂ ہنڈ (صوابی)، جامع مسجد فتح پور سیکری وغیرہ اس عہد کی قابل ذکر عمارات میں شامل ہیں۔ یہ تمام عمارات شاہی احکامات کے تحت سرکاری افسروں کی نگرانی میں پایۂ تکمیل تک پہنچیں۔ ان کی تعمیر و تزئین کے تمام اخراجات سرکاری خزانے ہی سے ادا کیے جاتے۔

وادی پشاور مغلیہ دور کے صوبۂ کابل و پشاور کا اہم حصہ رہی ہے۔ صوبے میں اس وقت کی زیادہ تر عمارات تقریباً اسی علاقے میں واقع ہیں۔ وادی پشاور میں اکبر کے عہد کی موجود مذہبی عمارات میں دو بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ ایک مقبرہ قطب الدین خان بمقام گنبد کلے (دلہ زاک، ضلع پشاور) اور دوسری اخوند پنجو بابا کی پکی مسجد، موضع اکبر پورہ، ضلع نوشہرہ۔

دلہ زاک روڈ پر واقع یہ مقبرہ قطب الدین خان سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ

قطب الدین خان شمس الدین خان اتکہ کا بھائی اور دور اکبری کے پانچ ہزاری امراء میں سے تھا۔(۵) وہ نویں سال جلوس اکبری (۱۵۶۴ء) میں اکبر بادشاہ کے سوتیلے بھائی مرزا محمد حکیم کے فوجی مددگار کی حیثیت سے کابل میں متعین ہوا۔ مآثر الامراء کے مصنف کا بیان ہے کہ قطب الدین خان نے اپنے آبائی وطن غزنی میں ایک عمارت اور باغ بنوایا۔ اس سے قبل اس نے پنجاب کی جاگیرداری کے زمانے میں لاہور میں بھی چند عمارتیں بنوائیں۔ تعمیری سرگرمیوں کی طرف اس کے رجحان اور میلان طبع کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ مقبرہ قطب الدین خان نے اپنی حیات ہی میں یہاں تعمیر کروایا ہو اور جب اٹھائیسویں سال جلوس اکبری (۱۵۸۳ء) میں وہ بھڑوچ میں فوت ہوا تو اس کی لاش کو یہاں لاکر دفن کر دیا گیا ہو۔

حال ہی میں مسجد قاسم علی خان، پشاور کو بھی عہد اکبری سے منسوب کر کے قدیم مساجد میں شمار کیا گیا ہے۔(۶) تاہم یہ بات قرین حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور اس کی تردید ہم اپنے ایک دوسرے مقالے میں کر چکے ہیں۔(۷) فاضل مصنفین نے اس مسجد کا بانی انجینئر قاسم خان، صوبیدار کابل و پشاور (۱۵۸۹ء تا ۱۵۹۴ء) کو قرار دیا ہے۔(۸) یہ وہی شخصیت ہے جس نے ۱۵۸۶ء میں درۂ خیبر میں سرکاری نقل و حمل کی سہولت کے لیے شاہراہ تعمیر کی۔(۹) اس کارنامے سے خوش ہو کر اکبر بادشاہ نے اسے اس صوبے کا حاکم یا صوبیدار مقرر کیا۔ انہی مصنفین کا خیال ہے کہ قاسم خان نے اپنی صوبیداری کے زمانے میں یہ مسجد تعمیر کرائی لیکن اس مسجد کی ہیئت ترکیبی سے کہ جس میں شاہانہ سرپرستی کا فقدان نظر آتا ہے، اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مسجد کسی گورنر یا صوبیدار کے بجائے کسی مخیّر ذیلی سرکاری عہدیدار یا منصبدار کی بنوائی ہوئی ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس مسجد کے بانی کا نام طویل عرصے سے قاسم

علی خان چلا آرہا ہے نہ کہ قاسم خان۔ان حقائق کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مسجد قاسم علی خان معتمد خان کی تعمیر کردہ ہے، جو عہد اورنگزیب کے اواخر میں صوبۂ کابل و پشاور میں بطور وقائع نگار مقرر کیا گیا تھا۔(۱۰)

چونکہ تاحال وادیِ پشاور میں اکبر کے دور یا اس سے قبل کی کسی مسجد کے آثار نہیں ملے، لہذا وادی پشاور میں موجود مغلیہ دور کے معلوم آثار یاتی ورثے کے تجزیے کی روشنی میں ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ موضع اکبر پورہ (۱۱) ضلع نوشہرہ میں واقع اخوند پنجو بابا کی طرف منسوب کردہ پکی مسجد ہی وادی پشاور میں مغلیہ دور کی قدیم ترین مسجد ہے۔

سید عبدالوہاب اخوند پنجو بابا کو دنیائے علم و تصوف میں ایک امتیازی مقام حاصل ہے۔آپ ۱۵۳۸ء میں ضلع صوابی کے موضع ترکئی میں پیدا ہوئے۔(۱۲) آپ کے والد ماجد سید برہان الدین المعروف بہ غازی بابا (۱۳) چند ناگزیر وجوہات کی بنا پر غازی بابا ترکئی سے چوآ گجر (پشاور) منتقل ہوگئے۔چوآ گجر میں ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد، سید عبدالوہاب نے علوم دینیہ میں دسترس حاصل کرنے کے لیے سنبھل (روہیل کھنڈ، یو۔پی، انڈیا) اور نو سلجام میں کافی عرصہ تک قیام کیا جس کی وجہ سے آپ ''افغانی نوسلجامی'' (۱۴) اور شیخ پنجو سنبھلی (۱۵) کے القابات سے مشہور ہوئے۔سید عبدالوہاب کی ہندوستان سے واپسی پر غازی بابا اپنے گھرانے کو لے کر شاہ ڈھنڈ (پشاور) آئے۔یہاں کچھ ہی عرصے کے بعد سید عبدالوھاب کے والدین اس دارفانی سے رحلت فرما گئے۔پھر آپ ۴۵ سال کی (۱۵۸۲ء) میں شاہ ڈھنڈ کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ کر اکبر پورہ تشریف لے آئے۔(۱۶)

تصوف کے میدان میں آپ اپنے والد محترم اور ابوالفتح قنباچیؒ کے مرید رہ کر مرشد کامل کے درجہ پر پہلے ہی فائز ہو چکے تھے۔اکبر پورہ آکر آپ نے دینی اور روحانی علوم کی

تدریس و تبلیغ شروع کی۔ میر احمد شاہ رضوانی [17] کے مطابق تین سو مشاہیر علماء نے آپ سے علوم ظاہری کی تکمیل کی اور ایک متبحر عالم ہونے کی بنا پر آپ کو اخوند کہا جانے لگا۔

اکبر پورہ اس وقت آج کی طرح اتنا گنجان آباد علاقہ نہیں تھا بلکہ معدودے چند گھروں پر مشتمل تھا۔ یہاں آپ نے کھجور کے ایک درخت کے نیچے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد یہیں آپ نے ایک مسجد بنوائی۔ جو کھجور والی مسجد کے نام سے مشہور ہوئی۔ مرور زمانہ اور عدم توجہی کی وجہ سے یہ مسجد اپنی اصل صورت میں قائم نہ رہ سکی۔ اس کی جگہ آج کل ایک نئی مسجد قائم ہے۔ کھجور والی مسجد کی پہلی تعمیر کے دس سال بعد، اخوند پنجو بابا نے گاؤں کے وسط میں ایک دوسری مسجد تعمیر کرائی، جسے پکی مسجد (پشتو میں پوخ جمات) کہا جانے لگا۔ [18] ہمارے قیاس میں ''پکی مسجد'' ۱۵۹۲ء اور ۱۵۹۵ء کے درمیانی عرصے میں بنوائی گئی تھی جو کہ عہد اکبری کا تقریباً آخری زمانہ ہے۔

نصر اللہ نصر (سلسلۂ اولیائے سرحد، نمبر ۱۸، پشاور: ۱۹۵۱ء، ص ۷) نے بلا ذکر مأخذ اور محمد امیر شاہ قادری (تذکرۂ علماء و مشائخ سرحد، پشاور، ۱۹۶۴ء، ص ۴۲) نے بحوالہ تحفۃ الاولیاء (مصنفہ قاضی میر احمد شاہ رضوانی) یہ روایت نقل کی ہے کہ اکبر بادشاہ، تاریکیوں (روشنائیوں) اور یوسفزیوں کی بغاوت کو کچلنے کے لیے جب یہاں آیا، تو اخوند پنجو بابا کے سلام اور آپ سے دعا لینے کے لیے بہ نفس نفیس اکبر پورہ بھی حاضر ہوا۔ اس وقت اخوند پنجو بابا کھجور والی مسجد میں قیام فرما تھے۔ فاضل مصنفین نے تاریخی بحث چھیڑنے سے گریز کیا ہے۔ سال وقوعہ محمد امیر شاہ قادری نے ۹۹۳ھ لکھا ہے، جو درست معلوم نہیں ہوتا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اکتیسویں سال جلوس اکبری (۱۵۸۶ء) میں بادشاہ نے افغانوں کی سرکوبی اور تاریکیوں کی بیخ کنی کے لیے خود آ کر قلعہ اٹک بنارس (موجودہ قلعہ اٹک) میں قیام کیا۔ سوات اور باجوڑ میں افغانوں سے نمٹنے کے لیے زین خان کوکہ کی قیادت میں، جبکہ

تاریکیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے راجہ مان سنگھ کو فوجیں دے کر روانہ کیا۔ اس فوجی مہم کی نگرانی بادشاہ بذات خود قلعہ اٹک سے کر رہے تھے۔ جس کی کامیاب تکمیل پر بادشاہ بتیسویں سال جلوس (۱۵۸۷ء) میں یہاں سے دارالخلافہ لاہور کی جانب روانہ ہوا۔ (۱۹)

دربار اکبری کے سرکاری مورخ ابوالفضل نے ہم عصر علماء میں آپ کا ذکر شیخ پنجو کے نام سے کیا ہے۔ (۲۰) ان حقائق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اخوند پنجو بابا کی شخصیت، علمی اور روحانی عظمت عوام و خواص سب پر عیاں تھی۔ یہاں تک کہ اکبر بادشاہ خود آپ کا معتقد تھا۔ اخوند پنجو بابا ۱۶۳۰ء میں ۹۲ سال کی عمر میں واصل بحق ہوئے۔ آپؒ کا مقبرہ (۲۱) اکبر پورہ سے تھوڑے ہی فاصلے پر مصری پورہ کے مقام پر واقع ہے۔

تعمیری لحاظ سے مسجد ایک مستطیل کمرے، برآمدے اور صحن پر مشتمل ہے۔ مسجد کے کمرے کی لمبائی ۱۱٫۹ میٹر اور چوڑائی ۵٫۲ میٹر ہے۔ بنیادی طور پر مسجد صرف اسی ایک کمرے اور صحن پر مشتمل تھی۔ مقامی روایات اور طرز تعمیر کی رو سے برآمدہ ۱۸۰۰ء کے لگ بھگ کا بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ نماز کا کمرہ (Prayer hall) تین حصوں (bays) یعنی مرکزی ہال (nave or transept) اور دائیں بائیں نسبتاً چھوٹے حصوں (compartments) پر محیط ہے۔ ان تینوں حصوں کو دو بھاری بھرکم نوکدار محرابوں (pointed arches) کے ذریعے جدا کیا گیا ہے۔ ان میں سے ہر محراب کی دیوار ڈیڑھ میٹر چوڑی ہے۔ کمرے کی شمالی اور جنوبی دیوار کو اندر کی طرف دھنسے ہوئے محرابی فریم کی شکل دی گئی ہے۔ کمرے کے مرکزی حصے (nave) کی مغربی اور مشرقی دیواریں بھی ایک کشادہ محرابی فریم پر مشتمل ہیں جو دیوار کی چنائی میں بنے ہوئے ہیں۔ مغربی دیوار کی صورت میں یہ محرابی فریم گہری طاق پر مشتمل مرکزی محراب کا احاطہ کرتا ہے۔ جبکہ مشرق کی طرف یہ کمرے کا راستہ یا دروازہ متعین کرتا ہے، طرفین کے حصوں کی مشرقی دیواریں بھی محرابی فریموں پر

مشتمل ہیں، جن کے بالائی سروں (apices) کی طرف کمرے کے اندر تازہ ہوا اور روشنی کی آمد کے لیے چھوٹے سوراخ چھوڑے گئے ہیں۔ دور مابعد کی مغلیہ عمارتوں میں اس طرح کا انتظام گنبد کے زیریں حصہ (Springing point) میں کیا گیا ہے۔ جبکہ چمکنی (ضلع پشاور) میں میاں عمر صاحب کی مساجد (عہد درّانیہ) کے تہہ خانوں میں بھی اس طرح کا بندوبست موجود ہے۔ (۲۳)

مسجد کے کمرے کے مرکزی حصے کو، جو مربع شکل میں ہے، اوپر کی طرف گولائی دینے کے لیے ایک خاص تیکنیک سے کام لیا گیا ہے جسے (Corner Pendentives) کہتے ہیں۔ اس میں معمار عمارت پر گنبد بنانے کے لیے زیریں مربع حصے کو ایک خاص سطح پر گول بنانا شروع کرتا ہے۔ جو عموماً ہر کونے میں تکون کی طرح نظر آتا ہے۔ اس طرح معمار کونوں میں اینٹوں کے ردے (Courses) ایک دوسرے کے اوپر دیوار سے باہر (یعنی کمرے کے اندر) کی طرف رکھتا ہے۔ ایک خاص حد تک پہنچ کر مربع کمرہ گول شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اب معمار کے لیے اس پر گول گنبد بنانا آسان ہو جاتا ہے۔ یہ طریق کار بالعموم ان گنبدوں کے لیے اپنایا جاتا ہے، جن میں گنبد کی اونچائی زیادہ نہ رکھنا مقصود ہو۔ ورنہ بلند و بالا گنبد بنانے کے لیے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جس میں مربع کمرے کو محراب دار وتری طاقوں (Diagonal Squinch Arches) کے ذریعے ہشت پہلو (Octagonal) حصے میں تبدیل کر کے پھر گنبد بنانے کے لیے گول بنایا جاتا ہے۔ کسی عمارت کے اس حصے کو جس میں اسے مربع سے گنبد کی تعمیر کے لیے ہشت گونہ شکل میں تبدیل کیا جاتا ہے حالت (یا ہیئت) تغیر (Phase of transition) کہتے ہیں۔

مسجد کے مرکزی حصے (transept) پر نصف کروی (hemispherical) شکل کا ایک عظیم الجثہ گنبد تعمیر کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس طرفین کے حصوں پر پیالہ نما چھوٹے

گنبد بنے ہوئے ہیں۔ مسجد کے اندرونی حصے میں نقش و نگار کے کوئی آثار نہیں پائے جاتے۔ تعمیری مواد میں پکی ہوئی چھوٹی اینٹیں (جنہیں مقامی طور پر وزیری اینٹیں کہتے ہیں) اور چونا (stucco) (۲۳) شامل ہیں۔ چونا نہ صرف بطور مسالہ (mortar) بلکہ بطور سطحی پلستر بھی استعمال کیا گیا ہے۔ عمارت کی بنیادوں میں پتھر کے استعمال کے امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

زیر بحث مسجد کی تعمیر کے بعد کافی عرصے تک مسجد کا کمرہ اکبر پورہ کی آبادی کے تناسب سے نمازیوں کے لیے کافی تھا۔ البتہ جوں جوں گاؤں کی آبادی بڑھتی گئی، اور نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا توں توں دھوپ اور بارش سے نمازیوں کے بچاؤ کی خاطر برآمدہ کی اشد ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اس مسئلے کے حل کے لیے اخوند پنجو بابا کی پکی مسجد کے کمرے سے مشرق کی طرف ملحقہ برآمدہ (۵ء۷۳x۱۵ء۱۲ میٹر) مقامی روایات کے مطابق ۱۸۰۰ء کے قریب تعمیر کرایا گیا۔

برآمدہ تین محرابی راستوں اور تین گنبدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی تعمیر میں بھی پکی ہوئی چھوٹی اینٹیں اور چونے کا گارا استعمال ہوا ہے۔ مسجد کے کمرے کا گنبد گہرائی میں ہونے کی وجہ سے برآمدے کے گنبدوں کے پیچھے چھپا ہوا ہے، اور یوں عام آدمی کو بآسانی نظر نہیں آتا۔ برآمدے کے تین گنبدوں میں درمیانی گنبد طرفین سے نسبتاً بڑا ہے۔ کمرے کا دروازہ، جو برآمدے میں کھلتا ہے، لکڑی کا بنا ہوا ہے۔

اخوند پنجو بابا کی پکی مسجد میں ایک دلچسپ اور حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اس کے کمرے کی سطح گرد و نواح سے کافی نیچے ہے، جسے عمومی طور پر اس طرح تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ نیچے دھنستی جا رہی ہے جسے دیکھنے کے لیے دور دراز سے زائرین، سیاح اور آثار قدیمہ کے ماہرین آتے رہتے ہیں۔ اور مسجد کی اس حالت کو دیکھ کر ششدر رہ جاتے ہیں۔ حال ہی

میں راقم نے جب مسجد کا دورہ کیا، تو کمرے کے اندر محرابوں کی اونچائی کمرے کے فرش سے ان کی چوٹی (apics) تک تقریباً دو میٹر تھی اور برآمدے سے کمرے میں اترنے کے لیے تین سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ کمرے کی سطح برآمدے سے تقریباً ایک میٹر نیچے ہے۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ کمرے کا تقریباً آدھا حصہ (بلحاظ بلندی) زمین کے اندر دھنس چکا ہے اور یوں کمرہ تاریک تہہ خانہ کا سا سماں پیش کرتا ہے۔ پراسرار طور پر کمرے کے دھنس جانے کی وجہ سے کمرے کے اندرونی یا بیرونی حصے یا اس سے ملحقہ برآمدے کی دیواروں میں کوئی شگاف نہیں پڑا۔

اس کی ایک توجیہہ قاضی میر احمد شاہ رضوانی نے اپنی تصنیف تحفۃ الاولیاء کے صفحہ ۲۴ پر اس طرح کی ہے کہ حاجی دریا خان (مدفون چمکنی، ضلع پشاور) نے اخوند پنجو بابا سے قیامت کی علامت کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا ''غرق شدن محراب مسجد من در زمین'' (یعنی جب میری مسجد کی محراب زمین میں غرق ہو جائے گی اس وقت قیامت آجائے گی)۔ یہ روایت محمد امیر شاہ قادری نے اپنی کتاب تذکرۂ علماء ومشائخ سرحد کے صفحہ ۲۳ پر نقل کی ہے۔ یہی بات راقم کو اکبر پورہ میں اخوند پنجو بابا کی اولاد میں معتبر شخصیت پیر طریقت سید شمشاد علی شاہ نے بھی بتائی جبکہ مقامی طور پر عوام الناس میں بھی یہی روایت مشہور ہے۔

بادی النظر میں یہی لگتا ہے کہ مسجد نیچے جا رہی ہے لیکن بظاہر اس کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ کیا مسجد کے نیچے زمین کی تہوں میں کوئی تبدیلی رونما ہو رہی ہے؟ اس کا کوئی واضح ثبوت ہمارے پاس موجود نہیں۔ اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو اس کے اثرات اردگرد کے علاقے میں بھی ضرور ظاہر ہوتے۔ زیادہ قریب قیاس توجیہہ یہ ہے کہ مسجد تو اپنی صحیح جگہ پر قائم ہے، تاہم اس کے اردگرد زمین کی سطح میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اسی اضافے کے پیش نظر

ماضی میں مسجد کے فرش کو بھی وقتاً فوقتاً بلند کیا جاتا رہا ہے۔ جس سے یہ تاثر ملتا ہے۔ کہ مسجد کی محراب زمین کی سطح میں دھنستی جارہی ہے۔ ظاہر ہے۔ مسجد کا فرش جتنا بلند ہوتا جائے گا مسجد کی محراب اسی نسبت سے زمین میں غائب ہوتی جائے گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مراجع

1-PeryBrown, *Indian Architecture (The Islamic Period)* Bombay, 1942,p.96

۲- ایضاً

۳-Waliullah Khan, *Lahore and Its Important Monuments*, Lahore, 1961, Chronological List of Important Monuments at Lahore (Appendix), n.p.

۴- Abdur Rahman and Sardar Muhammad, "Shaikh Qutb ad-Din's Tomb at Dalazak" *Central Asia: Journal of Area Study,*" No.14, University of Peshawar, Summer, 1984, pp.107-113; Taj Ali and Ziaullah Sehrai, The Islamic Heritage of Pakistan : A Brief Outlin," *The Glory That Was Pakistan: 50 years of Archaeological Research in Pakistan (A Photographic Exhibition)*, Peshawar, 1998, p.65.

۵- صمصام الدولہ شاہ نواز خان' مآثر الامراء، (جلد سوم)، اردو ترجمہ محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۷۰ء، ص ۵۲-۴۹

٦- Nuzhat Harun and Nuzhat Shaheen Dar, "Masjid Qasim Ali Khan" *Peshawar University Teachers Association Journal,* Vol.3 ,Peshawar, 1996,pp.153- 57

۷- قاسم خان کی مختصر سوانح حیات کے لیے ملاحظہ کیجیے: مآثر الامراء، بحوالہ سابق، ص ۵۸-۵۵

۸-Ibrahim Shah, "MUGHAL GOVERNORS OF SUBA-E-KABUL WA PESHAWAR", *Ancient Pakistan,* Vol.VIII, Peshawar, 1993

۹- تفصیل کے لیے دیکھیں

Ahmad Hasan Dani, *Peshawar:Historic City of the Frontier*,PESHAWAR, 1969, p.77

۱۰- کیول رام، تذکرۃ الامراء (فارسی)، جلد دوم، ترتیب و حواشی، سید معین الحق و انصار زاہد خان، کراچی، ۱۹۹۱، ص ۹۶

۱۱- گوپال داس، تاریخ پشاور (اردو)، لاہور، ۱۸۷۴، ص ۲۰۲۔ ''اصل نام اس گاؤں کا اکبر پورہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک شخص افغان داؤدزئی اکبر نام نے کسی زمانہ میں اس کو آباد کر کے بنام خود موسوم کیا اور بقول بعضے زمانہ اکبر بادشاہ میں کسی شخص مجہول الحال نے آباد کیا اور اس کا نام اکبر پورہ برعایت مناسب نام بادشاہ وقت رکھا اور بعہد سلاطین اسلام دیہات نو آباد کو باسمائے سلاطین موسوم کیا جاتا تھا۔''

یہ گاؤں پشاور سے تقریباً ۱۵ کیلو میٹر شمال مشرق کی طرف واقع ہے۔ اکبر پورہ کی ابتدائی تعمیر کے بارے میں صاحبزادہ حبیب الرحمان اپنی تصنیف تذکرۂ غوث الزمان سید عبدالوهاب اخوند پنجو صاحب، اکبرپورہ، پشاور (اردو) مردان، ۱۹۸۷، ص ۱۲ پر لکھتے ہیں: ''۹۶۱ھ (۱۵۵۳ء) میں ہمایوں نے ایران سے چل کر ہندوستان پر حملہ کیا۔ راستے میں چار باغ کے پاس جنگل میں قیام کیا۔ یہ جگہ آب و ہوا کے لحاظ سے موافق ثابت ہوئی اور ہمایوں کو بہت پسند آئی۔ ساتھ ہی مجذوب نے بتایا کہ یہ مقام غوث زمان کا مسکن ہوگا۔ لہٰذا حد بندی کر کے عمارت کی بنیاد ڈالی اور اپنے لڑکے جلال الدین اکبر کے نام پر اس مقام کا نام اکبر پورہ رکھا۔ منعم خان نے جو خانخاناں کے نام سے مشہور تھا، اس تمام چراگاہ کو آبادی میں تبدیل کر دیا۔'' مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: قاضی میر احمد شاہ رضوانی، تحفۃ الاولیاء، فارسی، لاہور، ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء، ص ۳۷-۳۶۔

۱۲- نصر اللہ نصر ''حضرت اخوند پنجو صاحب'' (پشتو)، سلسلۂ اولیائے سرحد، نمبر ۱۸، پشاور، ۱۹۵۱، ص ۳، و محمد امیر شاہ قادری، تذکرۂ علماء و مشائخ سرحد (اردو)، پشاور، ۱۹۶۴، ص ۱۷ او اعجاز الحق قدوسی، تذکرۂ صوفیائے سرحد (اردو)، لاہور، ۱۹۶۶، ص ۲۰۶

۱۳- عبدالحلیم اثر افغانی، روحانی رابطہ اور روحانی تڑون (پشتو)، باجوڑ، ۱۹۶۷، ص ۴۷۵

۱۴- نصر اللہ نصر، بحوالہ سابقہ، ص ۶

۱۵- خواجہ نظام الدین احمد، طبقات اکبری، (جلد دوم)، اردو ترجمہ محمد ایوب قادری، لاہور، ۱۹۹۰، ص ۵۰۴

۱۶- میر احمد شاہ رضوانی، بحوالہ سابق، ص ۱۳، رضوانی صاحب کا یہ بیان کہ اخوند پنجو بابا ۹۹۰ھ (۱۵۸۲ء)

(۲۸ویں سال جلوس اکبری) میں ۴۸ سال کی عمر میں اکبر پورہ تشریف لائے تھے درست معلوم نہیں ہوتا۔ رضوانی صاحب نے خود تحفۃ الاولیاء ہی کے صفحہ نمبر ۱۰ پر آپ کی پیدائش کا سال ۹۴۵ھ (۱۵۳۸ء) لکھا ہے۔ اس لحاظ سے اکبر پورہ میں ورود کے وقت آپ کی عمر ۴۵ سال بنتی ہے۔

۱۷- ایضاً، ص ۳

۱۸- نصر اللہ نصر، بحوالہ سابق، ص ۵، گوپال داس، بحوالہ سابق، ص ۲۰۳ پر رقم طراز ہے کہ اکبر پورہ کی ۲۱ مساجد میں سے ۲۰ خام اور ایک پکی مسجد ہے۔ جس سے مراد غالباً زیر مطالعہ پکی مسجد ہے کیونکہ دیگر خام مساجد اپنی اصل شکل وصورت میں زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکیں۔

۱۹- خواجہ نظام الدین احمد، بحوالہ سابق، ص ۲۱۷-۲۱۳

۲۰-Abu'l Fazl, *A'in-i-Akbari*, English trans. H.Blochmann, (Calcutta, 1927), Lahore,1975 (Repr.), pp.607, 685

۲۱-Ibrahim Shah "*Akhund Panju Baba And His Tomb at Akbar pura,*" *Historicus* (Journal of the Pakistan Historical Society), Vol.XLVII, No.1, Karachi, 1999, pp.71-79

۲۲ Ibrahim Shah, "MIAN UMAR AND HIS MOSQUE (KALA MASJID) AT CHAMKANI DISTRICT PESHAWAR" Vol.VIII, No.1, Lahore, 1995, pp.59-72

۲۳- For ingredients of stucco mortar and plaster, see Abu'l Fazl, *A'in-i-Akbari*, English trans., H.Blochmann, Lahore, 1975 (Repr.) pp.234-236., R.Nath, *The TajMahal and Its Incarnation* Jaipur, 1985, pp.67-70

☆☆☆

فارسیات

دارالعلوم ناجیۂ پشاور کا شعبۂ فارسی اور اس کے مدرسین

ڈاکٹر سید محمد طاہر شاہ بخاری☆

پشاور کے مضافات میں اکبر پورہ ایک تاریخی قصبہ ہے۔ یہاں پر دسویں صدی ہجری میں ایک روحانی بزرگ حضرت سید عبدالوہاب المعروف بہ اخوند پنجوؒ گذرے ہیں۔ انہوں نے باطنی علوم کے ساتھ ساتھ ظاہری علوم بھی پھیلائے۔ ایک روایت کے مطابق دربار اکبری کے ملا سلطان بھی یہیں سے فیضیاب ہوئے(۱) یہی وجہ ہے کہ یہ قصبہ شروع ہی سے علم و فضل کا گہوارہ رہا ہے۔ دیگر علوم کے ماہرین کے علاوہ یہاں فارسی علوم کے بڑے بڑے صاحب فن حضرات گذرے ہیں ۔ شرح سکندرنامہ الموسوم بہ غفرانیہ(۲) کے شارح مولانا محمد غفران اور شاھنامہ فردوسی کا پشتو میں منظوم ترجمہ(۳) کرنے والے قاری محمد رفیقؒ کا تعلق بھی اسی تاریخی قصبے سے تھا اور شمس العلماء قاضی سید میر احمد شاہ رضوانیؒ کا تعلق بھی اسی تاریخی قصبے سے تھا۔

حضرت مولانا محمد غفرانؒ شارح سکندر نامہ کے شاگرد حافظِ مثنوی مولانا زیارت گلؒ (جبہ داؤدزئی اکبر پورہ) نے یہ شمع روشن رکھ کر آخرالامر بانی دارالعلوم

☆اسسٹنٹ پروفیسر، اسلام آباد ماڈل کالج فار بوائز، جی-ٹن فور، اسلام آباد

ناجیہ حضرت مولانا محمد ولی اللہ قادری ذخوی کو یہ امانت سپرد کی اور آپ نے باقاعدہ ایک مدرسے کی بنیاد ڈالی جس میں مروجہ فارسی علوم کا ایک شعبہ قائم کیا گیا۔ حضرت مولانا محمد ولی اللہ قادری ۱۹۰۳ء میں افغان قبیلے بہسود کی شاخ اخوند خیل کے حضرت مولانا فضل اللہؒ کے گھر ذخی کہنہ اکبرپورہ میں پیدا ہوئے۔ چونکہ فارسی میں عالم کو ''اخوند'' کہتے ہیں اس لیے اس علمی خاندان کا نام اخوند خیل پڑ گیا۔(۴)

صوبہ سرحد کے پہلے محدث اعظم حضرت مولانا محمد ایوب اخوندزادہ(۵) حضرت مولانا حافظ عزت اللہ المعروف حافظ جی (۶) اور دربار غوث الاعظم بغداد شریف کے خلیفہ حضرت مولانا صفی اللہ کا تعلق بھی اسی علمی اور روحانی خانوادے سے تھا۔ (۷) اس حوالے سے اس خاندان کو این خانہ ہمہ آفتاب است کا مصداق کہنا بے جا نہ ہوگا۔

آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد علاقے کے جید علماء سے اکتساب فیض کیا۔ جن میں سے حضرت مولانا محمد مشعل ذخی، مولانا سید پھول بادشاہ اکبرپورہ اور حافظ مثنوی حضرت مولانا زیارت گل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آپ نے مثنوی مولانا روم کے پڑھنے میں بہت مشقتیں اٹھائیں۔ حصول علم کی صعوبتوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرمایا کرتے تھے کہ آج کل تو مدارس موجود ہیں اور طلباء کو تمام سہولتیں میسر ہیں، ہمارے اساتذہ کرام تو ہمیں کبھی راہ چلتے چلتے پڑھاتے تھے اور ہم کتاب کھولے ہوئے ان کے ہمراہ ہوتے تھے اور کبھی کھیتوں میں ہم کتاب کھول کر ایک کونے میں بیٹھ جاتے اور اساتذہ کرام ہل چلانے یا کسی اور کام میں مصروف ہونے کے باوجود نہایت تسلی بخش طریقے سے تدریس کے فرائض انجام دیتے۔ خصوصاً حافظ مثنوی مولانا زیارت گل کا طریقۂ تدریس یہی تھا۔

علوم متداولہ سے فراغت کے بعد آپؒ نے اس عظیم امانت کو حق داروں تک پہنچانے کے لیے ایک دینی مدرسے کے قیام کا ارادہ کیا اور اس طرح علاقے کے علمائے کرام کی موجودگی میں آپ کے مرشد حاجی محمد امین عمرزئیؒ چارسدہ کے ہاتھوں ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم ناجیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

شعبۂ فارسی کا اجراء

قرآن وحدیث اور فقہ کے علاوہ آپؒ نے فارسی ادب کا خصوصی اہتمام کیا۔ چونکہ فارسی نظم کی تدریس میں آپ یکتا تھے اس لیے دور دور سے طلباء آنے لگے جن میں اکثر افغانستان کے ہوتے تھے۔ شعبہ فارسی میں ابتدائی فارسی کتب کے علاوہ گلستان، بوستان، دیوان حافظ، یوسف زلیخا، سکندر نامہ اور مثنوی شریف مولانا رومؒ پڑھائی جاتی تھیں۔ آپ کی ایک خصوصیت بھی تھی کہ آپ فارسی نظم کی کتابوں کو ان کی روح کے ساتھ پڑھاتے تھے کیونکہ ہر فن کا ایک مزاج ہوتا ہے یہی نہیں بلکہ آپ قرآن وحدیث کے علاوہ مذکورہ کتابوں سے عملی زندگی میں بھی رہنمائی حاصل کرتے اور فرماتے جو شخص گلستان و بوستان پڑھے اور وزارت کا اہل نہ ہو تو گویا اس نے یہ کتابیں پڑھی ہی نہیں۔ آپ نہایت خوش اخلاق، ہمدرد، حلیم الطبع اور کریم الخصائل تھے۔ اور یہ فارسی نظم کا اثر تھا۔ آپؒ حکمت عملی سے اپنے دشمنوں کا منہ بند رکھتے کبھی ''دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ'' پر عمل کرتے اور کبھی آپ کی زندگی میں خواجہ حافظ کے اس شعر کی جھلک نمایاں طور پر نظر آتی:

آسایش دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستان تلطف با دشمنان مدارا

اور کبھی اپنے وعظ ونصیحت میں مولانا روم کے ہم نوا ہو کر یہ تلقین فرماتے:

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از فضل رب

چونکہ آپ بہت خوش الحان تھے اس لیے فارسی اشعار کو لے کے ساتھ پڑھتے۔ آپ اکثر و بیشتر یہ شعر بھی گنگناتے:

حسن خویش در روے خوبان آشکارا کردہ ای
وز براے عاشقان خود را تماشا کردہ ای

آپ طبعاً درویش واقع ہوئے تھے۔ اسی لیے آپ نے آبادی سے دور ایک قبرستان کی جامع مسجد میں مدرسہ قائم کیا۔ ایسا کرنا شاید مثنوی مولانا رومؒ کی روح تک پہنچنے کے لیے بھی ضروری تھا، جیسا کہ خود مولانا ایک جگہ مثنوی شناسی کے لیے ایک کلیدی نکتہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

دلق و اشک گیر چو ویرانہ

اسی طرح ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

ترک دنیا گیر تا سلطان شوی
ورنہ ہمچون چرخ سرگردان شوی

مولانا ذخوی نے کتب خانہ میں دیگر علوم کے علاوہ فارسی علوم کا ایک معتد بہ ذخیرہ بھی جمع کیا تھا۔ چونکہ آپ علم انشاء کے بھی ماہر تھے اس لیے آپ نے ہر کتاب کے حاشیہ پر اور مثنوی رومی پر گوناگوں نکات درج کر رکھے تھے جن سے طلباء آج بھی استفادہ کرتے ہیں۔ آپ کے خطوط بھی اکثر فارسی زبان میں اور بڑے معیاری اور علمی ہوا کرتے تھے لیکن افسوس کہ ان کی نگہداری کی طرف توجہ نہیں کی گئی اور اب وہ نایاب ہیں۔ آپ ہر کتاب کے سرورق پر یہ کلمات ضرور تحریر فرماتے:

جمادی　چند　دادم　جان　خریدم

بحمداللہ　عجب　ارزان　خریدم

اور اپنے دستخط کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھتے :

''در ملکیت چند روز مولوی محمد ولی اللہ ذخوی''(۱۲)

آپ کے کتب خانے میں ہزاروں کتابیں تھیں جن میں سے اکثر آج کل بھی موجود ہیں ۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں مجھے دو کام بہت پسند ہیں ۔ اول پڑھنا، دوم پڑھانا، اور واقعی اس حدیث شریف میں یہی تعلیم دی گئی ہے کن عالماً او متعلماً یعنی عالم بنو یا طالب علم ۔ آپ کتابوں کے عاشق تھے اور انہیں مجلد کروا کے نہایت حفاظت کے ساتھ رکھتے ۔ وصال سے چند روز پہلے راقم نے فیروز اللغات ان کے کتب خانے سے مستعار حاصل کی تھی ۔ وفات کے دن صبح راقم الحروف جب آپ کی مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوا تو خیریت پوچھنے کے بعد جب رخصت ہونے لگا تو فرمایا: ''وہ کتاب اگر فارغ ہو تو واپس کر دو، کیونکہ کتابیں میری خوراک ہیں ۔'' اور پھر اسی دن مغرب کی جماعت پڑھا کر عشاء سے پہلے داعی اجل کو لبیک کہا اور اس طرح واقعی آپ نے اس حدیث شریف پر عمل کیا کہ اطلب العلم من المهد الى اللحد (یعنی علم پنگھوڑے سے لحد یعنی موت تک حاصل کرو) اور آپ کی زندگی اس آیہ کریمہ کی مصداق بھی بنی: واعبد ربك حتى ياتيك اليقين (اور اپنے رب کی عبادت موت کے آنے تک کرو!) ۔ آپ نے مغرب کی جماعت پڑھا کر عشاء پڑھنے کی تیاری کرتے ہوئے مورخہ ۱۷ محرم الحرام ۱۳۹۶ھ بمطابق ۴ / مارچ ۱۹۷۳ء کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی ۔

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

حضرت مولانا محمد احسان اللہ جان قادریؒ

آپ حضرت مولانا محمد ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید تھے۔ آپ اپنے والد صاحب کی زندگی میں بھی شعبہ فارسی میں خدمات انجام دیتے رہے اور ان کی رحلت کے بعد اس شعبہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے اور تاحین حیات فارسی علوم کی شمع کو فروزاں رکھا۔

آپ ۱۹۳۹ء میں اکبر پورہ (پشاور) کے نزدیک ایک چھوٹے سے گاؤں موضع ذخی کہنہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کی پیدائش کے دو سال بعد فوت ہو گئی تھیں، اس لیے آپ زیادہ تر اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد ولی اللہ ہی کے زیر تربیت رہے اور اس طرح مکتب کرامت کے ساتھ ساتھ فیضان نظر بھی آپ کے شامل حال رہا۔

عظیم ہستیوں کے حالات زندگی کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو ان میں ایک قدر مشترک نظر آتی ہے کہ ان کے والد یا والدہ یا دونوں کا سایہ بچپن ہی میں سر سے اٹھ چکا ہوتا ہے اور شاید ایسی ہستیاں بلاواسطہ اپنے خالق حقیقی کی تربیت میں آ جاتی ہیں جو ان کو بظاہر کٹھن حالات سے گذارتا ہے جس کی وجہ سے ان کی ذہنی، جسمانی اور روحانی نشو ونما ہوتی رہتی ہے۔ غالباً علامہ اقبال نے ایسی ہی ہستیوں کے بارے میں فرمایا تھا: ''کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی۔''

ابتدائی تعلیم و تربیت کی تکمیل کے بعد آپ کے لقمان زمانہ والد نے آپ کو صوبہ سرحد اور پنجاب کے مختلف دینی مدارس میں اکتساب علم کے لیے بھیجا۔ شاید ان کے سامنے شیخ سعدی کا یہ فرمان تھا:

تا بہ دکان خانہ در گروی
ہرگز ای خام، آدمی نشوی!

چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل مدارس میں علم حاصل کیا:

۱- دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک، نوشہرہ

۲- دارالعلوم جامعۂ اسلامیہ، اکوڑہ خٹک، نوشہرہ

۳- دارالعلوم عربیہ، شیر گڑھ، مردان

۴- احسن المدارس، راولپنڈی

۵- دارالعلوم، ساہیوال

آپ دوران درس جن ہستیوں سے زیادہ متاثر ہوئے ان میں حضرت مولانا عبدالغفور ہزاروی (وزیر آباد)، حضرت مولانا عارف اللہ شاہ قادریؒ (راولپنڈی)، اور آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد ولی اللہ قادریؒ سرفہرست ہیں۔ آپ کی تقریر و تحریر میں بھی انہی ہستیوں کا رنگ غالب تھا اور آپ اکثر و بیشتر ان کا ذکر فرماتے۔

۱۹۷۳ء میں اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد آپ نے مکمل طور پر دارالعلوم ناجیہ، اکبر پورہ، پشاور کا انتظام سنبھالا اور اس دوران یہاں کے شعبہ فارسی کو ازسرِ نو منظم کیا اور دیوان حافظ اور گلستان و بوستان سعدیؒ کے علاوہ مثنوی مولانائے روم کی پڑھائی پر خصوصی توجہ دی اور ان کتب کو مدرسے کے نصاب میں باقاعدہ طور پر شامل کیا اور دورہ مثنوی کا اجراء کیا جس میں منتہی طالب علم سے لے کر فاضل علماء تک سبھی شامل ہوتے۔ راقم الحروف سید محمد ظاہر شاہ بخاری نے بھی فارسی علوم کا فیض آپؒ ہی سے حاصل کیا۔

آپ دوران گفتگو بھی رومی، سعدی، حافظ اور مولانا جامی کے اشعار گوہر بار موقع کی مناسبت سے پڑھتے رہتے جس سے آپ کی محفل کی شان دوبالا ہو جاتی۔ حکایات رومی آپ کی تقریروں کا جزو لاینفک ہوا کرتی تھیں۔ کسی بات کی دلیل دینے سے قبل فرماتے ''میں مولانا روم اور سعدی بابا کا شاگرد ہوں'' اور آپ اکثر انہی بزرگوں

کے کلام سے استدلال فرماتے۔ مولانا روم کے متعلق تو آپ کی رائے یہ تھی کہ جس کا مرشد نہیں وہ مثنوی پڑھا کرے جو کہ:

ہست قرآن در زبان پہلوی

دوران تقریر آپ جب مثنوی رومی کا کوئی شعر وزن اور خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے تو مجمع تہہ و بالا ہو جاتا۔ راقم الحروف نے ان کے بعد ان جیسا خوش الحان مثنوی خوان نہیں دیکھا۔

آپ بزرگوں کے ادب و احترام کی بہت تاکید فرماتے اور مولانا روم کے ہم نوا ہو کر یہ اشعار پڑھتے:

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم گشت از فضل رب

حوادث و شرور زمانہ کا ذکر فرماتے ہوئے ان فارسی اشعار کا حوالہ دیتے:

این چہ شوریست کہ در دور قمری بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم
اسب تازی شدہ مجروح بہ زیر پالان
طوق زرّین ہمہ در گردن خر می بینم

آپ ایک وسیع القلب اور وسیع النظر انسان تھے۔ دوست دشمن ہر ایک کے ساتھ آپ کا سلوک قابل تقلید ہوتا۔ دوستوں کے دل جیت لیتے اور خوش اخلاقی سے دشمنوں کا منہ بند کر دیتے اور ساتھ ہی یہ شعر پڑھتے:

آسایش دو گیتی تفسیر این حرف است
بادوستان تلطف با دشمنان مدارا

اگر کسی دشمن کی تکلیف میں گرفتاری کے متعلق سنتے تو شیخ سعدی کے ہمنوا ہو کر کہتے:

اگر بمرد عدو جای شادمانی نیست
که مرا نیز زندگی جاودانی نیست

اور اگر کسی صاحب علم و ہنر کو گردش زمانہ کا شکار دیکھتے تو ارشاد ہوتا:

اگر به هر سرمویت هنر دو صد باشد
هنر به کار نه آید چو بخت بد باشد

اسی طرح اگر کسی ان پڑھ جاہل کو خوشحال دیکھتے تو برجستہ شیخ سعدی کے ہمنوا ہو کر فرماتے:

اگر دانش به روزی در فزودی
ز نادان تنگ روزی تر نبودی
به نادان آنچنان روزی رساند
که دانا اندر آن حیران بماند

اگر کوئی گھریلو ناچاقی کا ذکر کرتا تو بہت زیادہ فکرمند ہوتے اور فرماتے:

تهی پای رفتن به از کفش تنگ
بلای سفر به که در خانه جنگ
زینهار از قرین بد زینهار
وقنا ربنا عذاب النار

آپ محفل آرا شخصیت کے مالک تھے اور محفل یاران میں نہایت خوش ہوتے بلکہ وہ خوشی قابل دید ہوتی اور اگر دوست اجازت مانگتے تو محفل کی رنگینی اور لطف کو دوبالا کرنے کے لیے خواجہ حافظ کے یہ اشعار سناتے:

بدہ ساقی می باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنار آب رکناباد و گلگشت مصلّٰی را
ساقیا برخیز در دہ جام را
خاک بر سر کن غم ایام را

آپ درس و تدریس اور سماجی کاموں میں نہایت مصروف رہتے تھے۔ اس لیے تصنیف و تألیف کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ البتہ ان کے دروس مثنوی راقم نے محفوظ کیے ہیں جنہیں انشاء اللہ عنقریب شائقین مثنوی کے لیے کتابی صورت میں شائع کرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی اردو، پشتو اور ہندکو تقاریر کی ریکارڈنگ بھی موجود ہے جن سے عوام و خواص مستفید ہو رہے ہیں۔

منابع

۱-اس کے راوی پشاور کے ماہر آثاریات اور مورخ سید فیروز شاہ اثر گیلانی ہیں۔
۲-اسکا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ دارلعلوم ناجیہ پشاور میں موجود ہے۔
۳-ایک قلمی نسخہ پشتو اکیڈیمی پشاور یونیورسٹی کے لائبریری میں موجود ہے۔
۴-صوبہ سرحد کے دینی مدارس، مطبوعہ در روز نامہ مشرق، پشاور
۵- مشائخ سرحد، از سید امیر شاہ گیلانی، پشاور
۶- تحفۃ الاولیاء (فارسی) از قاضی میر احمد شاہ جو کہ سید فیروز شاہ اثر گیلانی کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔
۷-سند خلافت از دربار غوث الاعظم راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔

☆☆☆

حافظ شیریں سخن

ڈاکٹر رشیدہ حسن☆

فاش می گویم و از گفتۂ خود دلشادم
بندۂ عشقم و از ہردو جہان آزادم

(میں کھلے بندوں اقرار کرتا ہوں اور اپنے اس اعتراف پر دل سے خوش ہوں کہ میں عشق کا غلام ہوں اور اس بندگی اور غلامی نے مجھے ہر دو جہان سے آزاد کر رکھا ہے۔)

خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی، بلاشبہ، ایک درویش منش اور پاک طینت صوفی تھے۔ وہ حساس دل رکھتے تھے اور باوجود اس کے کہ اپنے زمانے کے سرد وگرم اور نشیب وفراز کا مشاہدہ کر چکے تھے اور اپنی سرزمین پر بادشاہوں کے عروج وزوال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور ان حالات میں کہے گئے اپنے اشعار میں وہ کبھی زمانے سے گلہ اور شکایت کرتے ہیں اور کبھی اپنے پروردگار کی جانب رجوع کرتے ہیں لیکن ان تمام نامساعد حالات میں بھی حافظ کا کلام نازک اور لطیف احساسات سے ناآشنا نہیں ہے۔ وہ حسن کے ادراک اور زندگی کے حقیقی ذائقہ کو چکھنے کے لیے انتہائی حساس دل رکھتے ہیں۔ حافظ ان نامساعد حالات میں بھی عیش ونشاط اور صحبت باغ وبہار سے بڑھ کے کچھ نہیں جانتا اور زندگانی کی رونق اور روضہ ارم کو "می خوشگوار" اور "طرف جوئبار" میں پاتا ہے اور باوجود تمام فقر ودرویشی "گل ونبید" سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔ جب بھی اسے فرصت کے لمحات میسر آتے ہیں اور طبیعت کو ہشاش بشاش پاتا ہے تو ان لمحات کو

☆ استاد شعبہ فارسی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

غنیمت سمجھتا ہے کیوں کہ ''پیوند عمر کو ایک بال سے وابستہ'' جانتا ہے۔ وہ ایک ایسا انسان ہے جو زندگانی کی حقیقت کو جانتا ہے اور اس کے ہر لمحے کے ادراک کے لیے ذوق و اشتیاق رکھتا ہے۔ اسی بنا پر اور اسی شوق اور پیاس نے اس کو یہ کہنے پر مجبور کیا ہے کہ:

عاشق شو ار نہ روزی کارجہان سر آید

حافظ حسن و زیبائی کا عاشق ہے۔ جب بھی اس کی نگاہ حسن پر پڑتی ہے، اس کی مدح وستایش کر ڈالتا ہے اور اس اظہار ستایش حسن میں اس طرح بے خود و سرمست ہو جاتا ہے کہ چہرۂ معشوق کو آئینہ لطف الٰہی قرار دے ڈالتا ہے:

روی تو مگر آئینہ لطف الٰہی است
حقا کہ چنین است و درین روی و ریا نیست

حافظ کے عشق کو مجاز یا حقیقت پر منحصر اور محدود نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے کلام میں عشق مجازی اور عشق حقیقی کی آمیزش اس خوبصورتی او رکمال کے ساتھ ہوئی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لازم و ملزوم معلوم ہوتے ہیں۔ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر عشق حقیقی کی بات کی ہے تو ایسے اشاروں کنایوں سے اور ایسی علامات سے کام لیا ہے کہ قاری انسانی اور خاکی حسن و جمال کی کیفیات سے بھی محظوظ ہوتا ہے۔ حافظ ہمیشہ نشاط اور سرمستی کے اسباب مہیا کرتا ہے اور زندگی کی پیاس کو آب حیات سے سیراب کرتا ہے۔ حافظ اپنی بلندی فکر اور علو تخیل کی بنا پر حقایق زندگی اور کائنات کے رازوں کو بے حجاب کرتا ہے۔ وہ مجاز میں حقیقت کا عکس دیکھتا ہے اور حقیقت کو پردۂ مجاز میں پنہاں کرتا ہے۔ اس کی نظر میں حسن ازلی، حسن انسانی کے کمال اور سرچشمہ حسن انسانی میں پنہاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ شرب مدام کو عکس رخ یار کے دیدار کے پردے میں پنہاں کرتا ہے۔ گویا اس کے عشق کا دوسرا سرچشمہ، جمال یار ہے۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ حافظ کے الہام کا سب سے پہلا سرچشمہ یہی جمال یار ہے یعنی جمال الٰہی کا عکس اور پرتو:

ما در پیالہ عکس رخ یار دیدہ ایم
ای بی خبر ز لذت شرب مدام ما

اس کی تخلیق کے اندر محبوب مجازی کنایہ ہے مرشد طریقت کی طرف کہ سالک کی نسبت مرشد کی جانب اگر مقناطیس کی مانند نہیں ہے تو گویا وہ ناپختہ اور خام ہے۔ حافظ ایک ماہر اور چیرہ دست فنکار ہے۔ وہ دوسرے فنون کی طرح عشق کو بھی ایک فن تصور کرتا ہے کہ حسن و زیبائی کے بغیر عشق اپنے مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

عاشق و رند و نظر بازم و می گویم فاش
تا بدانی کہ بہ چندین ہنر آراستہ ام

وہ اپنے ہنر اور فن کو بے فائدہ نہیں سمجھتا۔ حافظ کی نگاہ میں عشق وہ فن نہیں جو زندگی میں اس کے لیے شکست اور ناامیدی لے کر آئے:

عشق می ورزم و امید کہ این فن شریف
چون ہنرہای دگر، موجب حرمان نشود

کبھی کبھی حافظ، غم کو بھی عشق کا ہنر جانتا ہے:

ناصحم گفت کہ جز غم چہ ہنر دارد عشق
برو ای خواجۂ عاقل، ہنری بہتر ازین

ہمارا شاعر چاہتا ہے کہ معشوق ظاہری حسن کے ساتھ ساتھ روحانی حسن سے بھی بہرہ ور ہوتا کہ عشق کی قدر و قیمت کا ادارک کر سکے اور عاشق کو آزردہ خاطر نہ کرے، کیوں کہ حسن اخلاق اہل دل کو زیادہ اپنی طرف مائل کرتا ہے۔ ہوشیار اور دانا پرندہ اسیر دام و دانہ نہیں ہوتا بلکہ یہ حسن خلق اور لطف نظر ہیں جو اہل نظر کو شکار کرتے ہیں:

بہ خلق و لطف توان کرد صید اہل نظر
بہ دام و دانہ نگیرند مرغ دانا را

حافظ چاہتا ہے کہ اس کا معشوق تمام اخلاقی اوصاف سے آراستہ ہو اور یہ حافظ کے محبوب کی خوبی وراس کا اخلاق ہی تو ہے جو اس کے دل و دین کے لٹ جانے کا باعث بنتے ہیں:

حسن مہرویان مجلس، گرچہ دل می برد و دین
بحث ما در لطف طبع و خوبی اخلاق بود

حافظ کی نگاہ میں یہ صرف عاشق ہی ہے جو حسن کائنات کا انکشاف کرتا ہے اور اسے آشکار کرتا ہے اور یہ عشق کی شدت اور اشتیاق ہی ہے جو مجاز و حقیقت پر حاوی ہے۔ اسی طرح حافظ کے شعر میں شیب اور شباب کے درمیان حدیں نہیں باندھی جاسکتیں، جو دل رکھتا ہے اور عاشق صادق ہے اس کے لیے پیری اور جوانی میں کوئی امتیاز نہیں بلکہ معشوق کے چہرے کا دیدار اسے عین عالم پیری میں بھی احساس جوانی بخشتا ہے:

گرچہ پیرم تو شبی تنگ در آغوشم گیر
تا سحرگہ ز کنار تو جوان بر خیزم

اسی مضمون کو ایک اور مقام پر یوں بیان کیا ہے:

ہر چند پیر و خستہ دل و ناتوان شدم
ہر گہ کہ یاد روی تو کردم جوان شدم

حافظ حتی عالم پیری میں بھی اپنی پیرانہ سالی کا اعتراف نہیں کرتا۔ وہ عمر کے گذرنے کو پیری کا باعث و سبب نہیں مانتا۔ وہ معتقد ہے کہ مجھے عمر کی طوالت نے بوڑھا نہیں کیا بلکہ محبوب کی بے اعتنائی اور بے وفائی سے میں بوڑھا نظر آرہا ہوں۔ وہ معتقد ہے کہ عمر نے میرے ساتھ بے رحمی اور ستمگری کا سلوک کیا ہے اور معشوق نے بھی اسی روش کو اپنایا اور زمانے اور وقت کی طرح وہ بھی بے رحم ہے اور یہ اسی کی بے اعتنائی اور بے توجہی ہے جس نے مجھے پیر و خستہ حال بنا رکھا ہے:

من پیر ماہ و سال نیم ، یار بی وفا ست
برمن چو عمر می گذرد، پیر ازان شدم

کبھی حافظ کے عشق کا محور و مرکز ''انسان'' ہے۔ بعض شارحین نے حافظ کے عشق کو معرفت کا رنگ دیا ہے اور بعض نے اسے محض لذت سے تعبیر کیا ہے، لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے حقیقت یہی ہے کہ حافظ کے شعر میں مجاز اور حقیقت کی آمیزش اس خوبی سے کی گئی ہے کہ اس کے کلام نے عجیب پر اسرار کیفیت اختیار کر لی ہے۔ کہ خدا عشق اور عشق خدا بن کے رہ گیا ہے اور حسن ظاہری، حسن ازل کا پرتو ہو کر رہ گیا ہے۔ گویا مجاز اور حقیقت حافظ کے کلام میں ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ ہیں۔ کبھی ''ہم'' اس کے محتاج ہیں اور کبھی ''وہ'' ہمارا مشتاق ہے اور عشق دونوں صورتوں میں یعنی ''ما'' اور ''او'' کی صورت میں توانا تر ہوتا گیا ہے:

سایۂ معشوق گر افتاد بر عاشق چہ شد؟
ما بہ او محتاج بودیم او بہ ما مشتاق بود

حافظ انتشار سے اپنے آپ کو بچاتا ہے اور جماعت میں مدغم ہو جاتا ہے۔ وہ مشتاق ہے اور ہمیشہ شور و شوق، مستی اور مے پرستی کی کیفیت میں ہے۔

مرا از تست ہر دم تازہ عشقی
ترا ہر ساعتی حسن دگر باد !
بجان مشتاق روی تست حافظ
ترا در حال مشتاقان نظر باد

عشق کی عظمت کے بارے میں حافظ کا عقیدہ یہ ہے کہ عشق کی بات اور جذبۂ عشق کو کبھی زوال نہیں ہوگا، یہ ہمیشہ زندہ و جاوید رہے گا۔ حافظ کے خیال میں کوئی صدا، صدای عشق اور نوائے دوستی سے زیادہ سریلی نہیں۔ اس کے بقول دنیا میں جتنی بھی عمارتیں باقی ہیں، عشق کی عمارت سے زیادہ حسین ان میں کوئی عمارت نہیں۔ یعنی عشق کی عمارت سے بڑھ کر حسین کوئی بھی

یادگار اس جہان میں باقی نہیں ہے۔

از صدای سخن عشق ندیدم خوشتر
یادگاری کہ درین گنبد دوّار بماند

اسی طرح وہ کہتا ہے کہ بنائے محبت کے سوا کوئی بنیاد پائیدار نہیں۔ یہی وہ عمارت ہے جو محکم بنیادوں پر استوار ہوتی ہے اور پائیدار اور خلل ناپذیر ہے۔ اس کے علاوہ ہر عمارت میں دراڑ پڑ سکتی ہے:

خلل پذیر بود ہر بنا کہ می بینی
بجز بنای محبت کہ خالی از خلل است

عشق نے حافظ کے قلب و وجود کو کچھ اس طرح احاطہ کر رکھا ہے کہ وہ جو کچھ دیکھتا ہے عشق ہی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور جو کچھ سنتا ہے عشق ہی کے کان سے سنتا ہے۔ وہ سچا عاشق ہے جس طرح اس کے اپنے حالات زندگی پردۂ اسرار میں ہیں اس کے عشق کے بارے میں بھی قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اکثر اس کے اشعار میں عشق انسانی اور عشق الٰہی کی باہم آمیزش کی گئی ہے۔ کبھی معشوق خالصتاً مجازی ہے اور کبھی عرفان و معرفت کی بات مجاز کے پیرائے میں کی گئی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ حافظ انسان کا عاشق ہے۔ وہ خدا کا بھی عاشق ہے اور نیز اپنے عشق سے بھی اسے عشق ہے۔ سراسر دیوان حافظ اس کے عشق و نشاط کے جذبے سے روشن و تابندہ ہے۔ خواہ مجازی ہو یا حقیقی، حافظ اس عشق کے وسیلے سے اپنے خارجی احوال کو اور وجدانی اور درونی کیفیات کو ایک وحدت کمال بخشتا ہے۔ وہ اسرار دنیوی کو بھی گویا عشق کے وسیلے سے حل کرتا ہے لیکن ان اسرار کو ایک انسان کی زبان سے عبارت کا روپ نہیں دیا جا سکتا۔

قلم را آن زبان نبود کہ سر عشق گوید باز
ورای حد تقریر است شرح آرزومندی

حافظ کا ایمان ہے کہ وہ آیندہ تنہا نہیں رہے گا۔ اس کے ہنر اور فن کے دلدادگان اور

اس کے پیغام کے ارادت مندان ہر جگہ اس کی یاد میں محفلیں بپا کرتے رہیں گے:

گویند ذکر خیرش در خیل عشقبازان

ہر جا کہ نام حافظ در انجمن برآید

نہ صرف یہ جب سے عشق نے اس کے وجود کو، اس کے سراپے کو، تعلیم دی ہے، ہر محفل میں اسی کے عشق کے چرچے ہیں:

مرا تا عشق تعلیم سخن کرد

حدیثم نکتہ ہر محفلی بود

حافظ اپنے آپ کو پیغمبر عشق کی صورت میں دیکھتا ہے:

حدیث عشق ز حافظ شنو نہ از واعظ

اگرچہ صنعت بسیار در عبارت کرد

خواجہ حافظ، بلبل شیراز اپنی ہی غزل کا عاشق ہے اور اس کے عشق کی سرگوشیاں عراق و فارس اور حجاز و بغداد سے لے کر تبریز تک گونجتی ہیں:

عراق و فارس گرفتی بہ شعر خود حافظ

بیا کہ نوبت بغداد و وقت تبریز است

جبکہ اس کے کلام نے تمام عالم اسلام میں اس کی زندگی میں ہی شہرت پالی تھی۔

فکند زمزمۂ عشق در عراق و حجاز

نوای بانگ غزلہای حافظ شیراز

صوفیہ کا عقیدہ ہے کہ انسان کے وجود کی بنیاد عشق پر رکھی گئی ہے۔ اگر اس کے وجود میں سے عشق کی توانائی کو واپس لے لیا جائے تو اس کی زندگی بے معنی ہو کے رہ جائے گی۔ اس لحاظ سے تصوف عشق کا مذہب اور محبت کا مسلک ہے اور یہ ایک ایسی راہ ہے جو زندگانی کے سنگین بوجھ کو عشق کی قوت کے بل بوتے پر آسان اور سبک بنا دیتی ہے۔ رنج و مصائب، مشکلات اور بیماریاں

اسی قوت سے درمان پذیر ہیں اور عداوت، مفاد پرستی، نفاق اور خود غرضی جیسی برائیاں، اسی ارفع اور روحانی قوت سے مغلوب و معدوم ہوتی ہیں، جس کے بعد صلح و آشتی، محبت و دوستی، ایثار و قربانی اور خدمت و اطاعت کی عمارت ان کی جگہ لے لیتی ہیں۔ عشق کے طفیل زندگی کی تلخیاں، شیرینیوں میں بدل جاتی ہیں۔ تانبا سونا بن جاتا ہے۔ خار، گل ہو جاتے ہیں اور سرکہ شراب میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ وہ جذبہ ہے جسے خود خدا نے انسان کے قلب میں سمویا ہے اور یہی وہ مقدس آگ ہے جو عارف کو پروردگار کی ذات میں فنا کر دیتی ہے۔

خدا نے اپنے وجود کی پہچان کے لیے انسان کو تخلیق کیا تاکہ وہ اسے (چھپے خزانے) کو پہچانے۔[1] ورنہ فرشتوں کے پاس وہ قابلیت اور استعداد کہاں تھی کہ انہیں خلعت عشق عطا ہوتی:

در ازل ، پرتو حسنت ز تجلی دم زد
عشق پیدا شد و آتش بہ ہمہ عالم زد
جلوہ ای کرد رخت، دید ملک عشق نداشت
عینِ آتش شد ازین غیرت و بر آدم زد

اگرچہ حافظ نے اپنے کلام میں کہیں کہیں قضا و قدر اور بہشت و دوزخ جیسے دینی مفہوم رکھنے والے الفاظ سے بھی کام لیا ہے۔ وہ اہل دل ہے اور خدا کی ذات کا قائل ہے جبکہ اس کا مضبوط ترین عقیدہ عشق ہی ہے، وہ عشق جس کے بارے میں وہ کہتا ہے:

طفیلِ ہستی عشقند آدمی و پری
ارادتی بنما تا سعادتی ببری

یعنی آدمی و جن اور جملہ موجودات کی علت نہائی "کنت کنزاً مخفیا" کے تقاضے کے مطابق "عشق" ہی ہے۔ پس ارادہ کر اور سعی سے کام لے کہ کائنات کی علت غائی تک پہنچ سکے اور اگر کوشش کرے گا تو پہنچ جائے گا۔ کبھی وہ کہتا ہے:

در عشق خانقاہ و خرابات فرق نیست

۱۔ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لکی اعرف

اور کبھی اعتراف کرتا ہے کہ:

همه کس طالب یارند، چه هشیار و چه مست
همه جا خانهٔ عشقست، چه مسجد چه کنشت

وہ بندے کو پروردگار کی طرف بلاتا ہے:

ترا ز کنگرهٔ عرش می زنند صفیر
ندانمت که درین دامگاه چه افتادست

یعنی خالق مطلق اور تیرا رب بلند آواز سے تجھے ان اعمال کی طرف بلاتا ہے جو دارالسلام تک لے جاتے ہیں۔ اگر تو اہل ظاہر میں سے ہے تو ظاہری اعمال کے وسیلے سے اور اگر اہل باطن یعنی اہل حق میں سے ہے تو اعمال باطن کے توسط سے اس کی جانب راغب ہو۔ معلوم نہیں تجھے اس دامگاہ حادثہ (دنیا) میں کس چیز نے مگن کر رکھا ہے۔ عشق خداوندی میں بھی وہ توحید کا قائل ہے:

خلقی زبان به دعوی عشقش گشاده اند
ای من غلام آن که دلش با زبان یکیست

مذکورہ بالا شعر میں اخلاص کی تعلیم ہے۔ محبوب صرف ایک اور ایک ہی ہے۔ اس کے ساتھ عشق اگر ہے تو اس کے لیے زبان کا دل کے ساتھ یکساں ہونا ضروری ہے۔ دونوں کے درمیان اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ حافظ عشق میں خود کو محبوب کی ذات میں فنا سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ معشوق اعتراف بھی کرے کہ وہ ایک افسون کے ذریعے اس عشق کے راز کو پا گیا ہے۔

فرو رفت از غم عشقت دم، دم می دهی تا کی ؟ !
دمار از من بر آوردی ، نمی گویی برآوردم؟ !

یعنی میں تیرے عشق میں جان دے رہا ہوں۔ کب تک افسون سے کام لیتا رہے گا۔ تو نے مجھے ہلاکت میں ڈال رکھا ہے اور مانتا نہیں کہ تو نے مجھے ہلاک کر ڈالا ہے۔

کبھی حافظ معاملات عشق اور کمالات قلب میں ترکی اور تازی کو ہمسر اور مساوی سمجھتا ہے:

یکی است ترکی و تازی درین معاملہ حافظ
حدیث عشق بیان کن، بدان زبان کہ تو دانی

اس زبان میں جس سے کہ وہ خود واقف ہے، عشق کو پرستش کی حدوں تک پہنچا تا ہے اور چشمۂ عشق سے وضو کر کے اس کے سوا ہر چیز پر چار تکبیر پڑھ ڈالتا ہے۔

من ھماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق
چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہر چہ کہ ہست

وہ کبھی شب ہجران کے مزے لوٹتا ہے اور لحظات شب کو جو یاد محبوب میں بسر ہوئے، سرمایۂ حیات سمجھتا ہے:

از صبا پرس کہ مارا ہمہ شب تادم صبح
بوی زلف تو ھمان مونس جانست کہ بود

منابع

۱- بیدار بخت، آقا، بادۂ حافظ، دیوان حافظ مع شرح ردیف میم، ناشر ملک نذیر احمد، تعلیمی پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۳۶۹ھ، ص ۱۳۸

۲- تھانوی، مولانا محمد اشرف علی، عرفان حافظ، نفیس اکیڈمی چاپ اول، کراچی، ستمبر، ۱۹۸۶ء، ص ۲۹۶

۳- خرم شاہی، بہاء الدین، حافظ نامہ، شرح الفاظ، اعلام مفاہیم کلیدی و دشوار حافظ شرکت انتشارات علمی و فرہنگی چاپ سوم، انتشارات سروش، ۱۳۶۸ھ، ص ۶۵۴

۴- درابی، مولوی شاہ محمد، لطیفہ غیبی، توضیح اشعار مشکلا حافظ شیرازی، کتابفروشی احمدی، شیراز چاپ خانہ موسوی، ص ۱۸۳

۵- دشتی علی، سیری در دیوان شمس، چاپخانہ محمد علی علمی شیرازی، بنیاد فرہنگ ایران، چاپ چہارم،

بہار ۲۵۳۵ شاہنشاہی، ص ۳۱۵

۶-سید محمد رضا جلالی، نائینی، دیوان حافظ ،انتشارات امیر کبیر ایران چاپ ششم تہران، ۱۳۶۷ھ، ص ۷۸۳

۷-رعد، رحمت اللہ محمد، دیوان حافظ ،غزلیات، ناشر شیخ مبارک علی ۱۳۳۹ھ، مطبع کانپور ۱۳۲۰ھ، ص ۴۸۷

۸-صادق لکھنوی، سید محمد، شرح دیوان حافظ ،شرح وتوضیحات دیوان حافظ، مطبع بہار انتشارات منشی نولکشور، لکھنو، نومبر ۱۹۰۸ء ۱۳۲۶ھ ق، ص ۳۴۸

۹-قزوینی، محمد، دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی کتابفروشی زوار، تہران بی تا، ص ۴۰۰

۱۰-نعمانی، شبلی، حیات حافظ ،شرح احوال وسبک حافظ شیرازی، بفرمایش سید ظہور الحسن، قومی پریس دہلی، ۱۹۲۳ھ ق، ص ۵۶

کلمات ذہبیہ
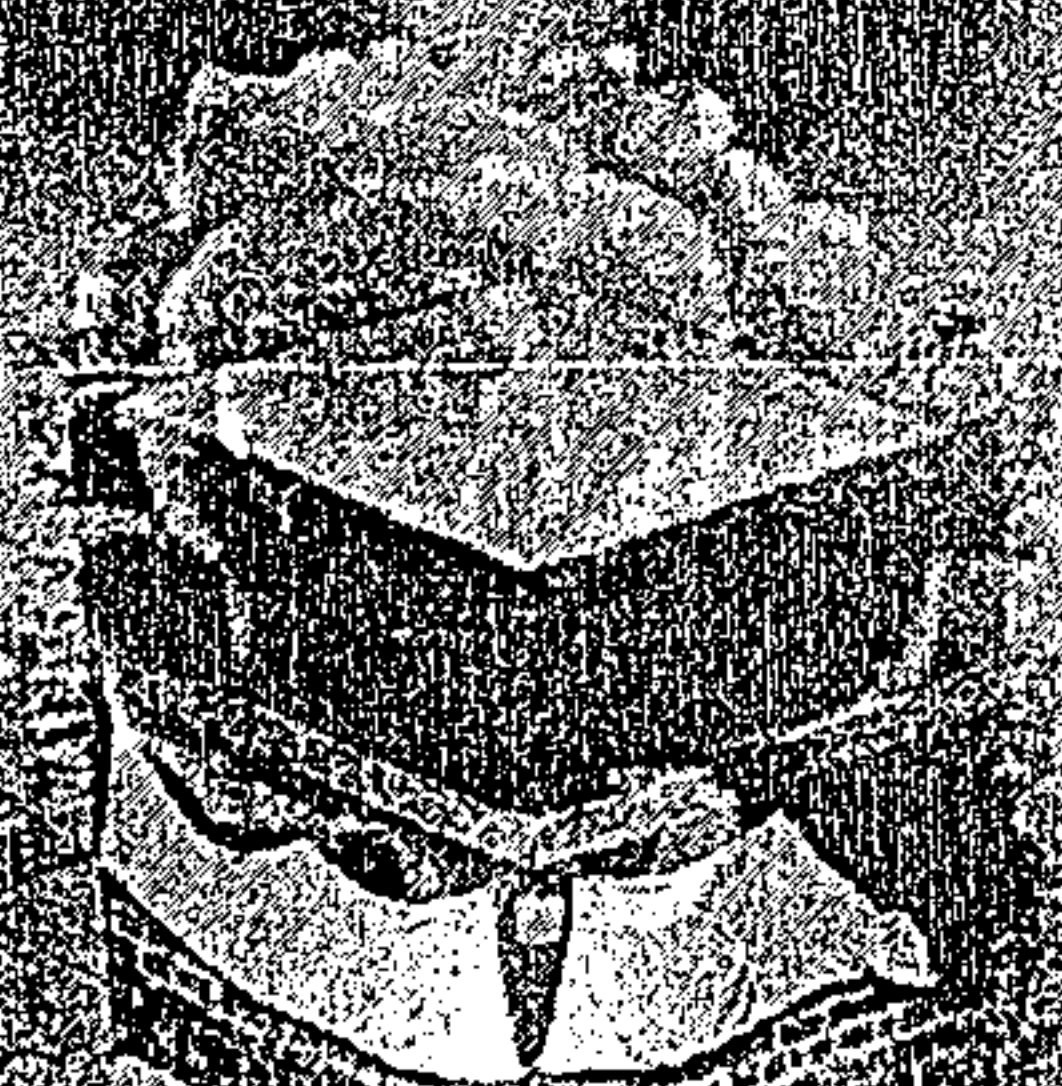
ولادت مولود کعبه حضرت امام علی ابن ابیطالب(ع)
مبارک باد
رایزنی فرهنگی سفارت جمهوری اسلامی ایران - اسلام آباد

کلماتِ قصارِ حضرت علیؑ و حضرت عیسیٰؑ:

ایک مطالعہ

ڈاکٹر صغریٰ بانو شگفتہ موسوی ☆

بے شک دین مبین اسلام انسانیت کو قعر مذلت سے نکال کر نقطۂ کمال بشریت تک پہنچا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات راضی نہیں کہ اس کے بندے کفر و ضلالت میں رہیں ولا یرضی لعبادہ الکفر (۱) چنانچہ اس نے ہدایت انسانی کے لیے انبیاء، اولیاء اور اوصیاء بھیجے جن کا کام لوگوں کو ہوا و ہوس کی دلدل سے نکال کر آخرت کی حیات جاودان کا مژدہ سنانا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر کائنات کی تسخیر کی ڈوری صاحبان عقل کو سونپی تو انسان کی سعادت اخروی کا راز اپنے چنے ہوئے پسندیدہ رسولوں کی گفتار و کردار میں عیاں کر دیا۔ فقط ان کے اتباع کی ضرورت ہے۔

امیر المومنین علی مرتضیٰؑ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ان کے رتبہ اعلیٰ کو یا روح الامین جانیں، نبیؐ جانیں یا خدا جانے۔ ان کے کلام کے متعلق کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ یہ دون کلام خالق و فوق کلام مخلوق ہے۔ آج جب میں آپ کے ''کلمات قصار'' کو نقل کرنے جا رہی ہوں تو مجھے ابو عثمان عمرو بن بحر جاحظ (م ۲۵۵ھ/۸۶۸) کے یہ الفاظ یاد آ رہے ہیں " دوست میدارم کہ تمامی نگارشات خود را میدادم و رشتهٔ

☆ سابق صدر شعبہ فارسی نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

دل از آنہا می گسستم و در ازاء آنہمہ سہ کلمہ از کلمات گہربار امیرالمومنین علی مرتضیٰ از آن من می بودی" (۲) اور یہ سطور رقم کرتے وقت میرے اوقیانوس قلب میں موج آرزو ایک ایسا تلاطم پیدا کر رہی ہے جسے اگر مستجاب الدعوۃ نے قبول فرمالیا تو رب کعبہ کی قسم میں سمجھوں گی کہ میں کامیاب ہوگئی اور آرزو یہ ہے کہ اس حقیر نے آج تک جو بھی تیری تحمید، نبی کی تمجید اور وصی حبیب کبریا کی ثناء بیان کی اسے قبولیت کا شرف بخش دے میرے مالک تو نے مجھے جتنی نعمتیں عطا کی ہیں میں ان کے قابل نہیں میں شرمندہ ہوں کہ حق سپاسگزاری ادا نہ کرسکی تو مجھے ان پاک ہستیوں کے صدقے میں بخش دے، بے شک تو غفور و رحیم ہے۔

بے شک دوست کو دوست کی تعریف پسند ہے اور علیؑ کے ولی اللہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں یہی وجہ ہے کہ اہل دانش و بینش نے نثر و نظم میں آپ کی مدح بیان کی ہے۔

کتاب فضل ترا آب بحر کافی نیست
کہ ترکنم سرانگشت و صفحہ بشمارم

جن کے لیے محبوب کبریا محمد مصطفیٰؐ نے فرمایا کہ جس نے علم آدم، ہیبت موسیٰ، اور حلم عیسیٰؑ کو دیکھنا ہو وہ علیؑ کا چہرہ دیکھے۔ علیؑ کے چند کلمات جو دلکش، شیریں و سبق آموز ہیں حسب ذیل ہیں۔ آپ نے فرمایا:

☆ اللہ کے ذکر میں آگے بڑھے چلو اس لیے کہ وہ بہترین ذکر ہے۔

☆ اس چیز کے خواہشمند رہو جس کا اللہ نے پرہیزگاروں سے وعدہ کیا ہے۔ اس لیے کہ اس کا وعدہ سب وعدوں سے سچا ہے۔

☆ نبی اکرمؐ کی پیروی کرو کہ وہ بہترین سیرت ہے۔ ان کی سنت پر چلو کہ وہ سب طریقوں سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہے۔

☆ قرآن کا علم حاصل کرو کہ وہ بہترین کلام ہے۔ اس پر غور کرو کہ یہ دلوں کی بہار ہے۔ اس کے نور

سے شفا حاصل کرو کہ یہ سینوں کے اندر چھپی ہوئی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ اس کی خوبی کے ساتھ تلاوت کرو کہ اس کے قصے دوسرے سب قصوں سے زیادہ فائدہ رساں ہیں۔

☆ سچائی انسانوں کے ذریعے نہیں پہچانی جاتی، پہلے حق کی معرفت حاصل کرو پھر حق کی پہچان خود بخود ہو جائے گی۔

☆ کبھی کسی کنجوس، بزدل، لالچی شخص کو اپنا مشیر مت بناؤ اس لیے کہ کنجوس تمہیں فیاضی سے روکے گا، بزدل تمہارا حوصلہ پست کر دے گا اور لالچی تمہاری برائیوں کو بھی خوبی بنا کر پیش کرے گا۔ کنجوسی، بزدلی اور لالچ تین مختلف خصلتیں ایک ہی فکری گمراہی کی پیداوار ہیں اور وہ ہے اللہ کی ذات پر بے اعتمادی و بدگمانی۔

☆ طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ حصول علم میں ادب کا لحاظ رکھے۔ اس کے حصول میں تھکن محسوس نہ کرے اور جتنا علم حاصل کرے اسے زیادہ نہ سمجھے۔

☆ علم مشق کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اسے حاصل کرتے رہو تا کہ اس میں اضافہ ہوتا رہے۔

☆ علم مقرونِ عمل ہے۔ پس جو علم رکھتا ہے وہ عمل کرتا ہے ورنہ وہ بے علم ہے۔

☆ علم، عمل کی دعوت دیتا ہے، اگر کسی نے اس کی دعوت قبول کر لی تو علم نافع ہے ورنہ علم دور ہو جاتا ہے۔

☆ علم کی دو اقسام ہیں۔ ایک علم مطبوع جس کا اثر کردار پر ہو، دوسرا علم مسموع یعنی دوسروں سے سنا ہوا، علم مسموع اس وقت تک مفید نہیں جب تک مطبوع نہ ہو۔

☆ اگر اہل دانش وبینش کا کلام درست ہو تو وہ مثل دوا ہے، اگر نادرست ہو تو درد ہے۔

☆ لغزشِ دانشمند لغزشِ جہان ہے

☆ صاحبان عقل کا سینہ مخزن راز ہے۔

☆ وہ کام جو قلیل ہو مگر تسلسل کے ساتھ انجام پائے اس میں نفع کی امید زیادہ ہے اس کام کے مقابل میں جو زیادہ ہو مگر ملال آور اور تھکن لانے والا۔

☆ جب کوئی خبر سنو تو تدبر و تعقل کے ساتھ اس کے الفاظ کو درک کرو، اس لیے کہ علم کے نقل کرنے والے بہت ہیں لیکن اس پر فکر کرنے والے قلیل۔

☆ پارسائی گناہوں کے خلاف سپر ہے۔

☆ بخل و خوف، فقر و بے نوائی کی غار ہے، بزدل ہونا نقص و کاستی ہے۔

☆ خوش روئی و خوش اخلاقی دوستی کا جال ہے۔تحمل و بردباری عیبوں کو چھپا دیتی ہے۔

☆ صلح و آشتی بدی کو ڈھانپتی ہے بلکہ عیوب کی قبر ہے۔لوگوں سے اس طرح کا سلوک کرو کہ جب تم مر جاؤ تو وہ تمہارے لیے گریہ کریں اور اگر تم زندہ رہو تو وہ تمہارے ساتھ معاشرت کے خواہشمند ہوں

☆ اگر دشمن پر غالب آ جاؤ تو عفو و درگزر و بخشش سے کام لو تا کہ وہ شکر گزار رہے اور تم نعمت و توانائی کو برقرار رکھو۔

☆ ناتوان ترین شخص وہ ہے جو دوست بنانے میں ناتواں ہو اور اس سے بھی زیادہ عاجز وہ ہے جو دوست اور اس کی دوستی کو گنوادے۔

☆ آرزو کے پیچھے دوڑنے والے کو موت ہلاک کر دیتی ہے۔معافی اچھا انتقام ہے خوف ہمیشہ زیان، شرمندگی اور ناامیدی کے ساتھ پیوستہ ہے۔

☆ مناسب وقت اور فرصت بادل کی مانند گزر جاتے ہیں۔پس نیکی کرنے میں تعجیل کرو نیکی کرتے وقت یہ جانو کہ بس موت قریب ہے پس نیکی کر لو۔اور برے کام کا خیال آئے تو سوچو زندگی پڑی ہے۔

☆ ایمان کی عمارت چار ستونوں پر استوار ہے صبر، یقین، عدل اور جہاد اور صبر کی چار قسمیں ہیں شوق، خوف و زہد اور انتظار۔پس جو بہشت کا خواہشمند ہے وہ خواہش نفسانی کو فراموش کر دے۔جو آتش جہنم سے خوف رکھے گا حرام و محرمات سے اجتناب کرے گا اور دنیا میں مصیبتوں کو سبک قرار دے گا۔

☆ جس نے اپنی قدر جانی اس نے خود کو ہلاکت سے بچالیا۔جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے خدا کو پہچانا۔

☆ نخوت و تکبر کرنے والے کی کوئی قدر نہیں کرتا۔

☆ لوگ سو رہے ہیں۔اس روز جاگیں گے جب موت آئے گی۔

☆ انسان اپنی زبان کے نیچے چھپا ہے۔ زبان کے ساتھ لوگ بھائی کی طرح شفیق و مہربان بن جاتے ہیں۔

☆ خندہ روئی سب سے بڑی نیکی ہے۔ جو شخص بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا خدا کے شکر سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

☆ اس پیٹ سے بچو جو خالی ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے بھرو ورنہ تمہیں ہلاک کر دوں گا اور جب تم اسے بھرتے ہو تو کہتا ہے مجھے خالی کرو ورنہ میں تمہیں ہلاک کر دوں گا۔

☆ جب تک کسی شخص سے پوری طرح واقف نہ ہو اس کی بزرگی پر اعتماد نہ رکھو۔

☆ عمل صالح وہ ہے جس پر لوگوں کی ثناء کی امید نہ رکھی جائے۔

☆ لجوج و بدمزاج سے محبت نہیں ہوتی۔

☆ بلا پر شور و فغاں رنج و محن میں اضافہ کرتا ہے۔

☆ نیکی و بخل کبھی یکجا نہیں ہو سکتے۔

☆ دروغ گو بامروت نہیں ہو سکتا۔

☆ بادشاہوں سے وفا کی امید عبث ہے۔

☆ مصائب کا مقابلہ صبر سے اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کرو۔

☆ خدا نے جہلاء سے اس وقت تک عہد و پیمان نہ لیا کہ وہ علم حاصل کریں جب تک اس نے علماء سے یہ وعدہ نہ لے لیا کہ وہ انہیں علم سکھائیں گے۔

☆ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور شہید ہونے کا اجر اتنا عظیم نہیں جتنا متقی و پاکدامن رہنے والے کا اجر مقرر ہے۔

☆ حقیقی تونگر وہ ہے جسے آخرت میں بہشت عطا ہوگی۔

☆ اولیاء کی نگاہ باطن دنیا کے فنا ہونے پر ہے جبکہ لوگ اس کی ظاہری زینت و آرائش پر نظر رکھتے ہیں۔

☆ رزق دو قسم کا، ایک وہ جو تجھے تلاش کرتا ہے، دوسرا وہ جسے تو تلاش کرتا ہے۔ دنیا کا چاہنے والا اپنی روزی کے لیے رنج میں مبتلا رہتا ہے جبکہ موت اس کی تلاش میں ہے تا کہ اسے دنیا سے

لے جائے، جو آخرت کا طالب ہے وہ اطاعت میں مشغول ہے اور اپنی ضرورت سے زیادہ روزی کی تلاش میں نہیں جاتا مگر دنیا اس کی تلاش میں ہے کہ اس سے وہ اپنی روزی حاصل کرے یعنی طلب آخرت۔

☆ عیوب کو بردباری سے چھپاؤ اور ہوا و ہوس کو عقل و خرد کے ذریعے ہلاک کر دو۔

☆ دنیا کی مثال اس کاروان کی ہے جو رفع خستگی کے واسطے کچھ دیر کے لیے پڑاؤ ڈالتا ہے، ناگاہ کوچ کی آواز آ جاتی ہے کہ چلو یہ استراحت کی جگہ نہیں۔

جہاں تک حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کا تعلق ہے یہ مسلمانوں کا راسخ عقیدہ ہے کہ وہ جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبر تھے جن پر انجیل آسمانی کتاب نازل ہوئی جنہیں پروردگار نے روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے لقب سے نوازا۔ ان کا اسم مبارک عیسیٰ قرآن میں ۲۵ مرتبہ اور مسیح ۱۱ مرتبہ آیا۔ حضرت موسیٰ کے بعد پے در پے پیغمبر آئے جو شریعت موسیٰؑ کے محافظ تھے ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو کھلی نشانیاں عطا کیں اور پاک روح (روح القدس) سے ان کی مدد کی (۳) نشانیوں سے مراد ان کے معجزات اور روح القدس حضرت جبرئیل ہیں جو سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے، آپ کی والدہ گرامی بی بی مریم اپنے دور کی افضل ترین طاہر و پاک بی بی تھیں جن کی فضیلت قرآن مجید کی اس آیت سے ظاہر ہوتی ہے۔

ترجمہ: اے مریم اللہ نے تم کو انتخاب کر لیا اور تم کو پاک قرار دیا ہے اور تم کو تمام عالموں کی عورتوں سے برگزیدہ کر لیا ہے۔(۴) چنانچہ انہیں حضرت مسیح کی ولادت کی بشارت دی کہ اے مریم اللہ تم کو اپنے کلمہ کی بشارت دیتا ہے اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا اور وہ دنیا و آخرت میں وجیہہ اور شان والا ہوگا۔ (۵)

لفظ مسیح کے معنی ہیں بہت زیادہ سفر و سیاحت کرنے والا (۶) چونکہ آپ سفر بہت کرتے تھے یہی لفظ آرائی زبان میں بصورت ''سیا'' ہے لیکن عیسیٰ معرب ہے جو کہ عبرانی لفظ

''یوستوا'' سے عربی میں ڈھالا گیا جس کی یونانی اور یورپی شکل رانہ رسوس یا جسوس (Jesus) ہے (۷) حضرت عیسیٰ کی ولادت اور آسمان پر زندہ اٹھا (۸) لئے جانے کے ضمن میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے عقیدہ میں نمایاں فرق ہے۔ اسلام کی رو سے وہ اللہ کے بندے تھے (۹) اور جہاں تک ''کلمۃ اللہ'' کی اصطلاح کا تعلق ہے تو وہ مخلوق ہے خالق نہیں۔ پس حضرت عیسیٰ کا مخلوق ہونا ان کے تولد (بطن جناب مریم سے) اور ان کے کھانے پینے اور دیگر حوائج مادی کے ذریعے ثابت ہے۔ البتہ یہ ان کی منزلت تھی کہ انہیں اللہ کا کلمہ کہا گیا جو اس کی اجازت سے بولتا تھا اس کی طرف سے اللہ کا پیغام پہنچاتا۔ ان کو حکمت کا درس اللہ کی طرف سے دیتا مردوں کو زندہ کرتا اس کی اجازت سے اور دیگر معجزات اللہ کی اجازت سے رونما ہوتے تھے۔

محمدلیجن حسن نے کیا خوب کہا ہے:

Wor d of God not because of a carnation whereby his flesh becomes divine but because his spirit is refined to such extent that it becomes a mirror whereby divinity comes to be known. The temple is holy not because of inherent sanctity in structure but because it is place of the worship of God.(10)

کلمۃ اللہ تجسم کی بنا پر نہیں جس نے ملکوتی صورت اختیار کر لی بلکہ اس کی روح کی اس حد تک تطہیر ہوئی کہ اس نے آئینہ جمال الٰہی کی پہچان پائی۔ گرجا گھر اس لیے مقدس نہیں کہ اس کی عمارت میں تقدس ہو بلکہ وہ اس لیے پاک ہے کہ وہ خدا کی پرستش کی جگہ ہے۔''

حضرت عیسیٰ کے اقوال کو علامہ مجلسی نے بحار الانوار کی چودھویں جلد میں آئمہ اہلبیت سے نقل کیا جن میں سے چند منتخب جواہر پاروں کو محمد حسین لیجن اور مہدی منتظر قائم

نے انگریزی میں ترجمہ کیا، حسب ذیل ہیں۔(۱۱)

☆ حضرت عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا "میں نے دنیا کو تمہارے سامنے پھینک دیا اب تم اسے میرے بعد نہ اٹھانا اس لیے کہ اس دنیا میں کچھ خباثتیں موجود ہیں۔ اول یہ کہ اس میں خدا کی نافرمانی موجود ہے۔ دوسری یہ کہ آخرت کو اسے ترک کئے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ پس اس میں سے گزر جاؤ اور اپنا گھر نہ بناؤ۔

☆ دنیا ہی تمام شہوات و خطاؤں کی جڑ ہے اور اکثر خواہشات طویل حزن و ملال کے سوا کچھ نہیں۔ (۱۲)

☆ روزہ رکھو تو ریا کاروں کی سی صورت نہ بناؤ۔

☆ حب دنیا و آخرت بیک وقت مومن کے قلب میں سما نہیں سکتی۔ جس طرح کہ پانی اور آگ بیک وقت کسی برتن میں نہیں سماتے۔

☆ یہ دنیا و آخرت ایک دوسرے کے رقیب ہیں اگر ایک کو خوش کیا تو دوسرا ناراض۔

☆ دنیا پل کی مانند رہگزرگاہ ہے اس پر گھر مت بناؤ۔

☆ دنیا حضرت عیسیٰؑ کے سامنے عجوزہ کی صورت میں آئی جس کی آنکھیں نیلی تھیں۔ آپ نے پوچھا تم نے کتنے شوہر کئے کہا بہت زیادہ، پوچھا پھر انہوں نے تمہیں طلاق دیدی؟ کہا نہیں میں نے ان سب کو ختم کر دیا۔

☆ وہ شخص نیک بخت ہے جس نے اپنی موجودہ خواہش کو موعود پر ترک کر دیا۔

☆ دنیا ایک ایسا گھر ہے جو امواج دریا پر ہے، کون اس پر گھر تعمیر کرے گا؟

☆ افسوس ہے اصحاب دنیا پر کہ وہ مر جاتے ہیں اور اسے ترک کر جاتے ہیں اور وہ کس طرح اس پر تکیہ کرتے ہیں اور وہ انہیں فریب دیتی ہے۔ افسوس فریب خوردگان پر کہ وہ ان سے ان کے محبوب چھین لیتی ہے اور وہ پھر بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔

☆ وہ شخص کیونکر اہل علم کہلا سکتا ہے جس کے سامنے آخرت ہو اور وہ دنیا میں مشغول ہو جائے۔

☆ تم اس دنیا کو حاصل کرنے کے لیے سعی کرتے ہو جب کہ اس سعی و عمل کی بنا پر تمہارا رزق نہیں اور

تم آخرت کے لیے عمل نہیں کرتے جبکہ اسی عمل پر آخرت کا دارومدار ہے اور رزق حسنہ!

☆ اچھی چیز کا حصول خواہ اس دنیا کی ہو یا آخرت کی بہت مشکل ہے اس لیے کہ کوئی بھی اچھی چیز آسانی سے نہیں ملتی، مگر آخرت کی اچھائیاں حاصل کرنا مشکل ہے کہ اس کے حصول کے لیے کوئی مددگار نہیں۔

☆ اس دنیا کو اپنا آقا مت بناؤ ورنہ تمہیں اپنا غلام بنالے گی۔ اپنے سرمائے کو اس کے سپرد کرو جو اسے تلف نہ کرلے۔

☆ اس دنیا کے خزانوں کے مالک اس کی بربادی وتلف ہونے کا خوف رکھتے ہیں لیکن جس نے خدا کے خزائن حاصل کر لیے انہیں ان کی تلف ہونے کا خوف نہیں۔

☆ جس طرح مریض شدت مرض کی بنا پر غذا کی طرف رغبت نہیں رکھتا اصحاب دنیا عبادت کی طرف رغبت نہیں رکھتے اور نہ ہی اس کی شیرینی وعذوبت کو درک کر سکتے ہیں۔

☆ یاد رکھو جس طرح جانور کو اگر قید نہ کیا جائے اور سدھایا نہ جائے تو وہ وحشی ہو جاتا ہے اور سدھانے پر صفت بدل جاتی ہیں اسی طرح اگر قلب کو موت کے خوف کو یاد کرتے ہوئے عبادت کے ذریعے نرم نہ کر دیا جائے تو وہ سخت اور وحشی بن جاتا ہے۔

☆ اے گروہ علماء جس طرح بادشاہان حکمت کو تمہارے لیے ترک کرتے ہیں تم ملوکیت کو ان کے لیے ترک کردو۔

☆ اے اولاد اسرائیل جو لوگ حکمت سے غافل ہیں ان سے گفتگو نہ کرو۔ اگر کرو گے تو اس کے ساتھ ناانصافی ہوگی اور نہ ہی حکمت کو اہل علم سے جدا کرو اگر ایسا کرو گے تو ان صاحبان دانش کے ساتھ انصاف نہ کر پاؤ گے۔ ظالم کی مدد نہ کرو اگر کرو گے تو تمہاری نیکی ضایع ہو جائے گی۔

☆ امور دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کی درستگی تم پر روشن ہے پس ان کی پیروی کرو دوسرے وہ امور جن کی درستگی روشن نہیں، انہیں خدا پر چھوڑ دو۔

☆ جس کو اپنے نفس کی معرفت نہیں اسے میری معرفت نہیں۔

☆ اس کی فکر نہ کرو کہ کیا کھاؤ گے اور کیا پیو گے اور اپنے جسم کو کیا پہناؤ گے کیا روح، غذا سے زیادہ افضل نہیں ہے؟ اور کیا جان، مشروبات سے افضل نہیں ہے اور کیا جسم لباس سے بہتر نہیں۔ کیا تم نے

اڑتے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ نہ تو وہ کاشت کرتے ہیں نہ فصل کاٹتے ہیں انہیں کھانے کا غم نہیں اس لیے وہ غذا ذخیرہ نہیں کرتے اس کے باوجود ان کا رب انہیں رزق مہیا کرتا رہتا ہے۔ کیا تم پرندوں سے افضل نہیں تم میں سے کون ہے جو اپنے کو فکر وغم میں مبتلا کر کے ایک لمحہ بھی اپنی زندگی کا اضافہ کر سکتا ہے؟ تو پھر تم کیوں کھانے پینے اور لباس کی فکر کرتے ہو؟

☆ کسی گنہ گار کو اس کی خطا پر ذلیل مت کرو۔ غصہ نہ کیا کرو۔

☆ جس چیز کو آگ جلا نہ سکے وہ عظیم ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہے فرمایا وہ تمہاری نیکیاں ہیں۔

☆ کھانے میں اسراف نہ کرو، زیادہ مت کھاؤ ورنہ زیادہ وقت سونے میں گذرے گا اور عبادت میں کمی ہو جائے گی اور عبادت میں کمی غفلت کا باعث ہے۔

☆ وہ نیک بخت ہے جس کی خاموشی اس کی فکر ہے۔ دروغ گو اپنی قدر کھو دیتا ہے۔

☆ جھگڑالو شخص، مروت کو کھو دیتا ہے۔ سختی قلب سے بڑھ کر کوئی شدید بیماری نہیں۔

☆ جس شخص نے دنیا کے ساتھ تجارت کی وہ کس طرح اپنے کو فائدہ پہنچا سکتا ہے اس لیے اس دنیا کا مال و متاع تو وہ دوسروں کے لیے وراثت میں چھوڑ جاتا ہے۔ وہ شخص سعید ہے جو اپنے نفس کو پاکیزہ رکھتا ہے۔

☆ اللہ کا غضب دنیا کی سخت ترین چیز ہے۔ اس سے بچنے کی راہ، اپنے کو غیض سے دور رکھنا ہے۔ کبر و نخوت و غرور اللہ کے غضب کا سبب بنتے ہیں۔

☆ ان لوگوں کے ساتھ معاشرت برقرار رکھو، جن کی نظر دیکھ کر ذکر خدا یاد آئے۔ اور جن کی گفتار سے تمہارے علم میں اضافہ ہو اور جن کا عمل دیکھ کر تمہیں اپنی آخرت سنوارنے کی فکر اور خواہش بڑھ جائے۔

☆ اشرار اور فتنہ و فساد کرنے والوں سے دور رہو ورنہ ان کے جراثیم تمہیں ہلاک کر دینگے۔

☆ مال و دولت میں تین بری خصلتیں ہیں پہلی یہ کہ شاید وہ دولت حرام ذریعے سے حاصل کی گئی ہو اور غیر قانونی ہو۔ اگر حلال بھی ہو تو اس کا مصرف جائز مقام پر نہ ہو۔ اگر صحیح مصرف ہو بھی تو اس کے انتظام کے لیے انسان کو اپنے تئیں وقف کرنا ہوگا۔ جس کے لیے وقت صرف ہوگا اور عبادت میں کمی واقع ہوگی اور عبادت میں کمی کرنے والا غافل کہلائے گا جو خدا کو پسند نہیں۔

☆ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ کلام نہ کرو۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کے قلب سخت ہو جاتے ہیں

مگر انہیں علم نہیں ہو پاتا۔

☆ دوسروں کی خطاؤں پر نظر مت رکھو۔ گویا تم ان کے لیے جاسوس مقرر ہوئے ہو۔ بلکہ اپنے نفس کی اصلاح پر توجہ دو۔

منابع

۱-سورہ زمر، آیت ۷

۲- صد کلمہ منظوم فارسی از سخنان گزیدہ علی مرتضیٰ، بنیاد دائرۃ المعارف اسلامی، مرکز انتشار نسخ خطی، تہران'' میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میری تمام نگارشات مجھ سے لے لی جائیں اور میں ان سے اپنا قلبی رشتہ بھی توڑ لوں اور ان کے عوض کلمات گہر بار علیؑ کے صرف تین کلمے میری ملک بن جائیں۔''

۳-سورہ بقرہ، آیت ۸۷

۴-سوہ آل عمران، آیت ۴۱

۵-سورہ آل عمران، آیت ۴۴

۶-قرآن مجید با ترجمہ وجمع آوری تفسیر از زین العابدین

۷-قرآن مجید، تفسیر زین العابدین راہنما، ج ۱، ص ۲۶

۸-سورہ آل عمران، آیت ۵۴

۹-سورہ نساء، ۱۷۱

۱۰ - Mehdi Montazir, "*Words of the Word of God*" *Al-Tawhid* Vol 13. No.3, p.21

۱۱ - _Ibid

۱۲- بحار الانوار، ج ۱۴، ص ۲۲۷

☆☆☆

استعمار کے نفوذ اور عملی اقدامات کے مختلف انداز

مہدی خطیب ☆
مترجم ج۔ا۔قزلباش

قال اللّٰہ تعالی: کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً. (سورہ بقرہ آیت ۲۱۳)

(خداوند متعال نے انسانوں کو ایک امت قرار دیا تھا)۔ایک وقت تھا کہ امت اسلامی کے طاقتور پنجے میں آدھی دنیا تھی اور وہ اس کرہ ارض پر عظیم ترین طاقت سمجھی جاتی تھی۔حضرت امام خمینیؒ نے فرمایا کہ مسلمان وہ لوگ تھے جن کی مجد و عظمت دنیا کو گھیرے ہوئے تھی، وہ ممتاز ترین افراد تھے ان کی سلطنت کا پھیلاؤ تمام ممالک سے زیادہ تھا اور دنیا پر ان کا تسلط اور غلبہ تھا۔ جب ان کے دشمنوں نے دیکھا کہ اس تسلط اور اتحاد کے ہوتے ہوئے وہ اپنی من چاہی باتوں کو اسلامی حکومتوں پر مسلط نہیں کر سکتے، ان کے وسائل و ذخائر ان کے کالے سیال اور زرد سونے پر قبضہ نہیں کر سکتے تو انہوں نے اس کا چارہ سوچا اور وہ چارہ یہ تھا کہ اسلامی ممالک کے درمیان اختلاف اور تفرقہ ڈالیں۔(۱)

امت اسلامی کی مجد و عظمت یہ تھی کہ، ان کی تمدن اور معنویات پر مکمل اجارہ داری تھی۔ان کے افراد سچے ترین اور ممتاز ترین تھے۔ان کی مملکت طاقتور ترین، ان کا کلام دنیا پر غالب اور ان کی حکومت کا تسلط پوری دنیا پر تھا۔ جب غضب ناک مستکبرین اور موقع پرست، دشمن اور خون ریز استعمار نے یہ دیکھا کہ ان کی خواہشات کی تکمیل کی راہ میں امت اسلامی

☆ کارشناس فرہنگی، رایزنی فرہنگی ج۔ا۔ایران۔اسلام آباد

سب سے بڑی رکاوٹ ہے جس کی وجہ سے وہ اس عظیم امت کے وسائل اور ذخائر کو حاصل نہیں کر سکتے ہیں تو وہ سوچ میں پڑ گئے کہ کوئی ایسی راہ نکالیں جس سے وہ اپنے منحوس مقاصد کو عملی جامہ پہنا سکیں چنانچہ انہوں نے مختلف راستوں سے امت اسلامی کے خلاف یلغار شروع کی اور اپنے گوناگوں غیر قانونی اہداف و مقاصد کے حصول کے لیے مختلف ناموں سے اس امت کے عقائد اور جذبات سے کھیلنا شروع کر دیا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے من چاہے اہداف میں سے بعض کو حاصل کر لیا۔ یہ ستم پیشہ عناصر تاریخ کے تمام مجرموں کی طرح بالکل غیر انسانی طریقوں کو بروئے کار لانے میں اپنے سابقہ آبا و اجداد، جن کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے، کی پیروی کرتے ہیں۔ فرعون نے جو مظلوم لوگوں کے درمیان تفرقہ ڈال کر اور متحد و منظم لوگوں کو مختلف راہوں سے جدا اور متفرق کر کے ظلم و جرم، تسلط اور استعماریت کا نمونہ بن چکا تھا، اختلاف اور جدائی ڈال کر وہ کام کیے جو نہ کرنے والے تھے، اور قرآن نے اس کا ذکر مندرجہ ذیل عبارت میں کیا ہے:

ان فرعون علا فی الارض وجعل اهلها شیعا یستضعف طائفه منهم یذبح ابنائهم و یستحیی نسائهم انه کان من المفسدین (سورہ قصص آیت ۴) بیشک فرعون نے روئے زمین میں تکبر کیا تھا اور اہل زمین کے درمیان اختلاف و تفرقہ ڈالا اور بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو سخت کمزور اور ذلیل کیا وہ ان کے بیٹوں کو قتل کرتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑتا تھا اور بیشک فرعون نہایت مفسد اور بد اندیش تھا۔ بقول اقبال:

آنچنان قطع اخوت کردہ اند
بر وطن تعمیر ملت کردہ اند
تا وطن را شمع محفل ساختند
نوع انسان را قبایل ساختند

مردمی اندر جہان افسانہ است
آدمی از آدمی بیگانہ است
روح از تن رفت و ہفت اندام ماند
آدمیت گم شد و اقوام ماند(۲)

قرآن نے انسانیت کے واحد نئے منشور حیات اور تدوین شدہ آئین کی رو سے انسانی زندگی کی بہترین کو بیان کیا ہے۔ دو متضاد قضیے تاریخ کے تمام زمانوں میں ایک دوسرے کے مقابلے میں قرار پائے!

فرعون ہمیشہ باطل اور بدفطرتی، جبکہ خداوند متعال کے نیک بندے ایمان اور بندگی و عبودیت کے مظہر تھے۔ پہلے گروہ کی زندگیوں کا ماحصل ظلم، تعدی جارحیت خونریزی اور قتل و غارت کے سوا کچھ نہ تھا اور اگر ان کی بعض ناچیز سرگرمیاں ہیں بھی تو وہ لوگوں کے استحصال اور ان پر جبری بوجھ لادنے کے لیے رہیں جبکہ دوسرے گروہ نے تاریخ کے تمام ادوار میں عزت، شوکت، عظمت اور انسانی زندگی کے ضامن کے طور پر عظیم ہدف کے لیے ایثار کی، قربانی کی، جانیں اور ہاتھ پاؤں اور سر دیے اور آج تک وہ کامران فتح منداور سربلند ہے۔ یہ تاریخ کی روایت ہے کہ حضرت احدیت کے صالح بندے آخرکار اقتدار کے سنگھاسن پر متمکن ہوتے ہیں اور زمانے کا مستقبل ان کے ہاتھوں ہوتا ہے اور امام خمینیؒ بھی تمام انبیا، اولیائے الٰہی اور اوصیا کے مقدس اہداف کی راہ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور تاریخ کی بلندیوں پر شکوہ و عظمت کی داستان رقم کر گئے۔ لوگوں کو اپنے اجداد کی پیروی کرتے ہوئے جہاد اور شہادت کی ابتدائی تعلیم دی۔ سچ تو یہ ہے کہ امام خمینی مشعل ہدایت اور تحفہ الٰہیہ تھے انہوں نے خدا کو خوب پہچان کر اس کی خوب بندگی کی اور تمام اہل دل کو خدا سے وابستگی کا راز بتایا۔ خمینی کبیرؒ نے اس زمانے کے لوگوں میں سب سے بڑھ کر دشمن کو پہچانا اور اسے بے نقاب کیا۔ ایک ایسے زمانے

میں جب عظیم اسلامی امت بکھرنے لگی تھی اپنے جہاد، ایثار اور بلند و بالا نعروں سے انہیں خدائی راستے پر گامزن کر دیا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَ مِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَ مَا بَدَّلُوا تَبْدِيلاً o (سورہ احزاب: ۲۳) مومنین کے درمیان ایسے افراد موجود ہیں جو کہ خدا سے کیے ہوئے عہد پر صادقانہ طور پر قائم ہیں بعضوں نے اپنے عہد و پیمان وفا کیے (جام شہادت نوش کیا) اور بعض دوسرے انتظار میں ہیں اور انہوں نے اپنے عہد و پیمان میں ہرگز کوئی تبدیلی نہیں کی (تفسیر نمونہ) حضرت امامؒ نے خدا سے مضبوط و محکم عہد کیا اور اسی پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے زمانے کے فرعون کے سامنے قیام کیا اور رحمت حق تعالیٰ پر امید اور بھروسے سے نیز اپنے عظیم مجاہدوں اور سرداروں اور جرنیلوں کے ہمراہ دشمن کی طاقت کا تختہ الٹ دیا اور عظمت اور زندگی کے عظیم قلعے پر جاگزین ہوئے اور اب وہ الٰہی وعدہ جو سالہا سال سے ملائکہ کے ہونٹوں پر گھمھے کی صورت میں آتا اور انہیں رحمت الٰہی کا امیدوار بنائے رکھتا تھا وہ بہشت میں اس الٰہی نغمہ روح پرور کو سنتے ہیں: وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِينَ عَلَى الْقٰعِدِينَ أَجْراً عَظِيماً (سورہ نساء آیت ۹۵) خداوند متعال نے مجاہدین کو قائدین (بیٹھے ہوؤں) پر اجر و ثواب کی برتری دی ہے اور یہ انبیا اور خاص طور پر خاتم النبیین (ص) اشرف المرسلین اور پیغمبر رحمتؐ کی پیروی کا نتیجہ ہے کہ قرآن ان کو امین وحی الٰہی کے لقب سے یاد کرتا ہے: لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنه (سورہ احزاب آیت ۲۱) پیغمبر اکرم (ص) کی زندگی، میدان میں ان کا اعلیٰ جذبہ، استقامت اور صبر، ہوشمندوں اور درایت و اخلاص اور خدا کی طرف توجہ اور حوادث پر تسلط اور سختیوں اور مشکلات کے سامنے نہ جھکنا، یہ تمام اوصاف مسلمانوں کے لیے نمونہ عمل بن سکتے ہیں۔

کشتی امت اسلامی کے اس ناخدا (امام خمینیؒ) نے کشتی کے طوفانوں میں گھر جانے

کے بعد ہرگز ہرگز کوئی کمزوری، سستی، حیرت سرگردانی نہ دکھائی۔ وہ اس کشتی کے ناخدا بھی ہیں اور قابل اطمینان لنگر بھی، نیز چراغ ہدایت اور اس کے سواروں کے سکون اور راحت قلب کا باعث بھی۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اسوہ حسنہ کے جملے کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کے لیے پیغمبرؐ کی پیروی اچھی ہے ان کی اقتدا کر کے اپنے طرز عمل کی اصلاح اور صراط مستقیم پر قرار پا سکتے ہیں۔ مندرجہ بالا آیت میں اسوہ حسنہ ان اشخاص سے مخصوص ہے جن میں تین خصوصیات ہوں خدا سے امید، یوم قیامت پر یقین اور خدا کو بہت یاد کرنا۔ (۳)

امام خمینیؒ اسلامی معاشرے کے لیے نور کا منبع اور ایک شمع فروزاں تھے۔ جب خدا ناشناس مستکبرین نے تمام شیطانی حیلوں سے کام لیتے ہوئے امت اسلامی کو کچھ اس انداز میں مختلف طریقوں سے متفرق کر دیا کہ شیعہ اور سنی جو مسلمانوں کے نزدیک ترین فرقے ہیں اس بربادکنندہ اختلاف کی بنا پر دشمن کی دی ہوئی تلوار سے ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے اور دشمن ان کے لاشوں پر گھوڑا دوڑاتا تھا تو ایسے میں امام خمینیؒ نے ایک حاذق طبیب اور اتحاد و وحدت کے عظیم معمار کے طور پر تمام لوگوں سے زیادہ مشترکہ دشمن اور اس کے منحوس وجود کو پہچنوایا۔

ان سطور میں ہم استعمار کے نفوذ اور اس کے مختلف عملی اقدامات کو اس توانا حکیم کے نکتہ نظر سے پیش کریں گے قلم میں اتنی طاقت نہیں کہ سارے پہلوؤں کو اجاگر کر سکے البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ:

آب دریا را اگر نتوان کشید
هم بقدر تشنگی باید چشید

انہوں نے جرائم پیشہ استعماریوں کی مسلمان دشمن اور انسان دشمن سرگرمیوں کو بیان فرمایا۔ ان میں سے بعض ارشادات کی طرف اشارہ کرتے ہیں لیکن ہم اس بیان کو عالم اسلام کے توانا

شاعر اور مغرب سے مبارزہ کے علمبردار یعنی علامہ اقبال کے اشعار سے شروع کرتے ہیں:

ا-امت اسلامی کے صفوف میں تفرقہ اور عظیم عثمانی حکومت کا خاتمہ:

میرسد مردی کہ زنجیر غلامان بشکند
دیدہ ام از روزن دیوار زندان شما
حلقہ گرد من زنید ای پیکران آب و گل
آتشی در سینہ دارم از نیاکان شما

ا-شاید آپ میں سے بہت سوں کو پہلی جنگ عظیم یاد ہوگی کہ اس میں حکومت عثمانی کے ساتھ کیا کیا گیا۔ وہ ایسی حکومت تھی کہ اگر روس کے مقابل آ جاتی تو اس کو پچھاڑ دیتی (یہاں مراد سوویت یونین ہے جو اس زمانے کی بڑی طاقت تھی) جبکہ باقی تمام حکومتیں تو اس کے مقابلے کے قابل ہی نہ تھیں۔ حکومت عثمانی وہ اسلامی حکومت تھی کہ جس کا تقریباً مشرق سے مغرب تک تسلط تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اتنی مضبوط اور طاقتور اسلامی حکومت کا چارہ نہیں کیا جا سکتا، وسائل اور ذخائر حاصل نہیں کیے جا سکتے۔ جب اس جنگ میں انہوں نے اس پر غلبہ پا لیا تو اس سلطنت کے حصے بخرے کر کے نہایت چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم کر کے ہر علاقے کے لیے امیر، سلطان یا صدر مقرر کر دیا۔ وہ سربراہان مملکت تو استعماریوں کے قبضے میں تھے اور بے چاری اقوام ان کے قبضے میں۔ اس طرح سے اتنی وسیع و عریض عثمانی سلطنت کو مغلوب کر دیا اور اسلامی حکومتیں یا انہوں نے تو خواب سے بیدار نہ ہوئیں اور یا اس واقعہ سے چشم پوشی اختیار کر لی۔ یہ عثمانی سلطنت خلافت اسلامی اور قرآن کے سایہ میں اتنی وسیع سرحدوں پر مشتمل تھی۔(۴)

۲-شیعہ سنی اختلاف

استعماری حکومتیں جو مسلمانوں کے ذخائر ہڑپ کرنا چاہتی ہیں مختلف فریب کاریوں

سے اسلامی حکومتوں اور ان کے سربراہان کو غافل کر دیتی ہیں۔ کبھی شیعہ سنی کے نام پر اختلاف ڈالتے ہیں، یہاں تک کہ مشرق میں وہ لوگ جو مسلمانوں کا حصہ نہیں وہ بھی دھوکہ کھا گئے ہیں۔(۵)

عراق میں، ایران میں اور تمام اسلامی ممالک میں وہ لوگ جو اختلافات پیدا کرتے ہیں ان کی طرف اسلامی حکومتوں کے سربراہوں کو توجہ کرنی چاہیے اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ اختلافات وہ اختلافات ہیں جو ان کے وجود کو فنا کر دینے والے ہیں اور ان پر عقل اور تدبیر کے ذریعے توجہ دینی چاہیے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مذہب اور اسلام کے نام پر چاہتے ہیں کہ اسلام ہی کا خاتمہ کر دیں۔ ان ممالک میں بعض ناپاک ہاتھ شیعہ و سنی کے درمیان اختلاف ڈالتے ہیں۔ یہ نہ تو شیعہ ہیں اور نہ ہی سنی۔ یہ استعمار کے ایجنٹ ہیں جو اسلامی ممالک کو مسلمانوں سے چھین لینا چاہتے ہیں۔(۶)

موجودہ وقت میں بہت سی سازشیں ہو رہی ہیں کہ بھائیوں کو ایک دوسرے سے الگ کر دیں۔ خلاصہ یہ کہ ہر مقام پر ایک خاص طریقے سے، بڑے شہروں میں ایک طریقے سے کام کرتے ہیں اور سرحدات پر جہاں ہمارے اہل سنت بھائی رہتے ہیں ان دونوں فرقوں میں اختلافات کو بہانہ بنا کر ان دونوں کو ایک دوسرے پر حملہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔(۷)

۳۔ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان اختلاف

کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مختلف مواقع مثلاً عیدالاضحیٰ کے موقع پر گائے پوجا کرنے والوں کے سامنے مقدس گایوں کی بڑی تعداد لے آتے ہیں اور انہیں مسلمانوں کے ہاتھ سستے داموں بیچ دیتے ہیں اور انہیں ترغیب دیتے ہیں کہ ان گایوں کو جو اس گروہ کے لیے مقدس ہیں ذبح کریں اور پھر جا کر اس گروہ سے کہتے ہیں ان لوگوں نے آپ کی مقدس گایوں

کو ذبح کر دیا چنانچہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان ایک ہیجانی فضا قائم ہو جاتی ہے اور ایک شور و غوغا بپا ہو جاتا ہے اور وہ اس ہنگامے سے فائدہ اٹھا کر وہ مشرق کو نگل لیتے ہیں۔(۸)

۴۔نسلی اور قبایلی تعصّبات پیدا کرنا

وہ چیز جس نے اسلامی ممالک کو عاجز کر دیا ہے اور انہیں قرآن حکیم کے سائے سے دور کر رہی ہے وہ نسل پرستی کا مسئلہ ہے۔ یہ ترکی النسل ہے لہذا اسے نماز بھی ترکی زبان میں پڑھنی چاہیے، یہ ایرانی نژاد ہے اس کا رسم الخط یوں ہونا چاہیے، وہ عربی النسل ہے وہاں عربیت کو حکومت کرنا چاہیے نہ کہ اسلام کو، وہاں آریائی نسل کی حکمرانی ہونی چاہیے نہ کہ اسلام کی، ترک نسل حکمران ہونی چاہیے نہ کہ اسلام، یہ جو لوگوں میں نسل پرستی کا رجحان پیدا ہو رہا ہے اور اس میں اضافہ بھی ہو رہا ہے اور وہ اس آگ کو بھڑکا رہے ہیں دیکھیں کہاں تک پہنچتی ہے۔ یہ نسل پرستی تو ایک بچگانہ اور طفلانہ کھیل ہے اور ایسے ہی ہے جیسا کہ وہ بچوں کو کھلونوں کے ذریعے کھیل کرا رہے ہیں۔ وہ سربراہان حکومت کو فریب دے رہے ہیں کہ جناب آپ ایرانی ہیں، آپ ترک ہیں، جی آپ انڈونیشی ہیں۔ جناب آپ فلاں ہیں، آپ کہاں سے تعلق رکھتے ہیں ہمیں اپنی سلطنت کے ساتھ کیا کرنا چاہیے اس نکتے کو جس پر مسلمانوں کا تکیہ تھا افسوس صد افسوس کہ انہوں نے وہ نکتہ مسلمانوں سے لے لیا اور لیے چلے جا رہے ہیں اور مجھے نہیں معلوم کہ یہ بات کہاں جا پہنچے گی۔ یہی نسل پرستی جس پر اسلام نے آکر سرخ قلم پھیر دیا اور گورے اور کالے ترک، عجم و عرب، غیر عرب کے مابین کوئی فرق نہیں رہنے دیا اور معیار کو صرف تقویٰ، مادی تقویٰ، معنوی تقویٰ قرار دیا۔ معیار یہ تھا کہ: ان اکرمکم عنداللہ اتقکم ترک اور فارس اور عرب و عجم کی تفریق کچھ نہیں اسلام ہی نکتہ اعتماد ہے نسل پرستی کا مسئلہ قدامت پسندی کا شاخسانہ ہے۔ یہ لوگ ہمیں تو قدامت پسند کہتے ہیں اور خود اڑھائی

ہزار سال پیچھے کی طرف بازگشت کرتے ہیں۔کیا ہم قدامت پسند ہیں؟(۹)

مختلف مسالک ترک اور فارسی کی جنگ، کرد اور غیر کرد کی لڑائی، بلوچ اور غیر بلوچ کا جھگڑا وغیرہ کے مسائل پیدا کیے جاتے ہیں۔ایک ایسی سلطنت جس میں سب کو باہم متحد ہونا چاہیے وہ لوگ اس میں ہر گروہ کو الگ راستے پر لیے جاتے ہیں۔یعنی ان کے نقشوں کو مختلف راہوں پر لے جاتے ہیں، اور انہیں اختلافات کے ذریعے وہ معاشرے کو ترقی اور خوشحالی کی راہ طے کرنے نہیں دیتے۔یہ لوگ ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہو جاتے ہیں اور وہ ان کا تیل لے جاتے ہیں ان کی گیس لے جاتے ہیں، اور جو کچھ بھی ان کے پاس ہوتا ہے وہ لوٹ کر لے جاتے ہیں اور کوئی بھی ایسا نہیں جو ایک لفظ بھی کہہ سکے، کیونکہ سوچ ایک نہیں، افکار مختلف اور پراگندہ ہیں۔اس بنا پر یہ اس قسم کے اختلافات ہیں جو وہ معاشرے اور اس کے بطن کے اندر ڈال دیتے ہیں اور یہ اتفاق کی راہ نہیں ہے بلکہ ایک ایسی سازش ہے جس کے ذریعے وہ اختلافات کی بنیاد رکھ دیتے ہیں۔(۱۰)

۵-ثقافت کی تباہی

استعمار ثقافت میں نہایت بڑے کام کرتا ہے۔وہ اجازت نہیں دیتا کہ ہمارے نوجوانوں کی آزاد تربیت ہو۔وہ اجازت نہیں دیتے کہ ہمارے نوجوان ترقی کریں۔وہ بچپن ہی سے ان کو اس طرح کا بناتے ہیں کہ جب وہ بڑے ہو جائیں تو اسلام کو کچھ نہ سمجھیں، بلکہ استعمار ہی کو ہر چیز سمجھیں۔اگر ثقافت درست ہو جائے تو سلطنت کی اصلاح ہو جائے۔کیونکہ ثقافت جو وزارتوں میں جاتی ہے، ثقافت ہے جو اسمبلی میں جاتی ہے، ثقافت سے ہی حکومتی عمال بنتے ہیں۔(۱۱)

۶-لوگوں اور علمائے دین کے درمیان جدائی ڈالنا(۱۲)

استعمار کی پراپیگنڈہ مشینری نے یہ بات لوگوں کے دلوں میں ڈال دی ہے کہ دین سیاست سے الگ شے ہے۔ علماء کو معاشرتی مسائل میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔ فقہا کا یہ کام نہیں کہ وہ اپنی اور ملت اسلامی کی تقدیرات پر نگاہ رکھیں۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ بعض لوگوں نے اس بات پر یقین کرلیا اور۔ اس کے زیر اثر قرار پا گئے اور نتیجہ اس کا وہی ہوا جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ یہ وہی خواہش ہے جو استعماریوں کی رہی، جو ان کی ہے اور رہے گی۔ آپ حوزہ ھای علمیہ کی طرف نگاہ کریں اسی استعماری پروپیگنڈہ اور ہدایات کو مشاہدہ کریں گے۔ آپ مہمل، بے کار، سست اور بے ہمت افراد کو دیکھیں گے کہ وہ صرف مسائل بیان کرتے ہیں دعا کرتے ہیں اور اس کے علاوہ ان سے کوئی کام نہیں ہوتا۔ (۱۳)

استعمارگروں نے اسلامی ممالک میں دو چیزوں کو اپنی راہ میں رکاوٹ سمجھا۔ ایک تو حقیقتِ اسلام کہ اگر اسلام اپنی حقیقی صورت میں جیسا کہ خدا نے اس کی بنیاد رکھی نافذ ہو جائے تو استعماریوں کا جنازہ نکل جائے گا۔ یہ تو اسلام کے متعلق وہ سوچ ہے جو انہوں نے اختیار کی ہے۔ ایک اور عنصر علمائے دین ہیں کہ اگر ان کے پاس طاقت ہو اور وہ ان ممالک میں کماحقہ مقتدر ہوں تب بھی یہ لوگ اپنے مفادات حاصل نہیں کر سکتے۔ انہیں تمام ملت سے سروکار ہے اور ملت کے درمیان اگر کسی کے پاس طاقت ہو تو وہ یہ لوگ ہیں جن کے پاس طاقت ہو سکتی ہے، چنانچہ وہ ان کے پیچھے پڑ گئے کہ ان دو رکاوٹوں کو دور کریں۔ (۱۴)

علمائے دین وہی ہیں جو مدرسوں میں ہوں اور ظہر اور مغرب کے وقت نماز جماعت پڑھائیں۔ لوگوں کی بھی علمائے دین سے متعلق اس سے زیادہ توقعات نہ ہوں۔ وہ کہتے تھے کہ اسلام کا سیاست سے بالکل بھی کوئی تعلق نہیں۔ سیاست اور دیانت ایک دوسرے سے الگ ہیں، سیاست ان کی چیز اور دین و دیانت ہماری شے ہے۔ طاقت کے سرچشمے ان کے ہاتھوں میں رہیں وہ جو کرنا چاہیں کریں اور مسجدیں اور مسجدوں میں یہ بوڑھے افراد ہمارے

ہیں۔ یہ وہ توضیح اور تعبیر ہے جو شروع ہی سے دی گئی اور وہ جن میں ذرا زیادہ جرأت تھی انہوں نے کہا کہ ''یہ قدامت پرستی ہے'' (کتاب مذکور، ص ۹۹) نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ استعمار کے خائن ہاتھوں نے مختلف طریقوں سے نوجوان طبقوں اور دین کے قابل قدر مسائل اور مفید قواعد کے درمیان عمیق فاصلے ڈال دیئے اور نوجوان طبقوں کا علمائے دین اور ان کا ان طبقات سے برا تعارف کرایا اور نتیجے میں معاشرے کا اتحاد فکر ختم ہوا اور اغیار کے لیے اپنے منحوس اہداف و مقاصد کے حصول کی راہ کھل گئی اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ انہیں پراسرار ہاتھوں نے اجازت نہ دی کہ پڑھا لکھا طبقہ اسلام کے احکام مقدس خصوصاً اس کے تشکیلاتی، معاشرتی اور اقتصادی قوانین پر توجہ کرے اور نت نئے پراپیگنڈے سے ایسے ظاہر کیا کہ گویا اسلام کو ماسوائے عباداتی احکام کے کسی شے سے کوئی سروکار نہیں جبکہ اس کے سیاسی اور معاشرتی قوانین و قواعد اس کے عباداتی مفاہیم سے کہیں زیادہ ہیں۔ (۱۷)

۷۔ مغربی ثقافت کا فروغ

استعماریوں نے اپنے منحوس مقاصد کے حصول کے لیے اپنے سیاسی عمال کے ذریعے غیر ملکی قوانین اور غیروں کی ثقافت کی مسلمانوں میں ترویج کی اور لوگوں کو مغرب زدہ کر دیا۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ ہمارا کوئی رہبر، سربراہ اور سربراہی ادارے موجود نہ تھے۔ (۱۸)

استعمار اپنے سیاسی عمال کے ذریعے لوگوں پر مسلط ہو گیا اور اس نے ظالمانہ اقتصادی نظام مسلط کر دیے جن کے زیر اثر لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ''ظالم اور مظلوم'' ایک طرف تو سینکڑوں میلین بھوکے اور صحت اور ثقافت سے محروم مسلمان ہیں جبکہ دوسری طرف بعض اقلیتی صاحبان دولت و اقتدار ہیں جو کہ عیاش، فاسق اور آوارہ منش ہیں۔

۸- دین کی تحریف اور حقائق اسلام کا مسخ کیا جانا

اسلام اور احکام اسلام اور لوگوں کا ان پر ایمان ہی استعماریوں کے مادی مفادات اور سیاسی اقتدار کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے مختلف تراکیب اور راہوں سے اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ اور سازش کہیں۔ حوزہ ہای علمیہ میں وہ مبلغین جو انہوں نے تیار کیے اور وہ اعمال جو انہوں نے یونیورسٹیوں اور حکومتی پراپیگنڈہ یا پریس میں مامور کیے ہیں انہوں نے استعماری حکومتوں کے خدمت گزار متشرقین کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر اسلام کی تحریف کا کام انجام دیا یہاں تک کہ بہت سے تعلیم یافتہ لوگ اور پڑھے لکھے افراد اسلام کے متعلق گمراہ اور غلط فہمیوں کے مرتکب ہو گئے۔ اسلام ان مجاہد افراد کا دین ہے جو حق اور انصاف کے طلبگار ہیں۔ وہ حریت پسند افراد اور مبارز اور استعمار مخالف لوگوں کا مکتب ہے۔ مگر یہ لوگ اسلام کو ایک اور شکل میں روشناس کراتے رہے اور کراتے ہیں۔ اسلام کا وہ نادرست تصور جو عوام کے ذہنوں میں لایا گیا اور اس کی وہ ناقص شکل جو حوزہ ہائے علمیہ میں پیش کی جاتی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اسلام سے اس کی انقلابی اور حیاتی خاصیت الگ کر لی جائے اور اجازت نہ دی جائے کہ مسلمان کوشش، تحریک اور حرکت کی حالت اختیار کر لیں یا حریت و آزادی پسند بن کر اسلامی احکام کو نافذ کرنے کے پیچھے پڑیں اور ایک ایسی حکومت تشکیل دیں جو ان کی سعادت کا سبب ہو، یا ایسی زندگی گذاریں جو انسانی مقام و مرتبہ کے مطابق ہو۔ انہوں نے یہ پراپیگنڈہ کیا کہ اسلام معاشرتی زندگی کا دین نہیں اور جامع اور مکمل نظام اور قوانین نہیں رکھتا۔ اسلام میں صرف حیض و نفاس کے مسائل ہیں۔ اس میں اخلاقیات بھی شامل ہے مگر زندگی اور معاشرہ چلانے کے لیے اس میں کچھ نہیں ہے" یہ بات افسوس ناک ہے کہ ان کا منفی پراپیگنڈہ موثر ثابت ہوا اب صورت یہ ہے کہ عوام کو تو چھوڑیں تعلیم یافتہ گروہ جس میں یونیورسٹی کے طالب علم نیز بہت سے دینی طالب علم شامل ہیں، نے اسلام

کو درست طور پر نہیں سمجھا اور اس کے متعلق غلط تصور رکھتے ہیں۔ جس طرح سے لوگ اجنبی افراد کو نہیں پہچانتے یہ اسلام کو نہیں پہچانتے اور اسلام دنیا کے لوگوں کے درمیان اجنبی بن کر رہ گیا ہے۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ اسلام کو جیسا کہ وہ ہے اس کا تعارف کرائے تو لوگ اس پر یقین نہیں کرتے بلکہ استعمار کے گماشتے حوزہ ہائے علمیہ میں شور شرابہ اور جنجال بپا کرتے ہیں۔ اغیار کے ہاتھ مسلمانوں اور روشن خیال مسلمانوں یعنی ہماری نو جوان نسل کو اسلام سے منحرف کرنے کے لیے یہ وسوسہ ڈالتے ہیں کہ اسلام کے پاس کچھ نہیں۔ اسلام حیض و نفاس کے مسائل کا ایک مجموعہ ہے، علماء کو یہ مسائل پڑھنے چاہئیں۔ (۱۹)

بعض متشرقین جو استعماری اداروں کے پراپیگنڈے پر مامور ہیں وہ اس کام میں مشغول ہیں کہ اسلام کے حقائق کی تحریف کریں اور انہیں الٹا اور برعکس طور پر دکھائیں۔ استعماری پراپیگنڈہ میں مشغول گماشتے اسلامی ممالک کے ہر گوشہ میں ہمارے جوانوں کو منفی پراپیگنڈہ کے ذریعے ہم سے جدا کر رہے ہیں۔ انہیں یہودی اور عیسائی تو نہیں بناتے البتہ انہیں فاسد لاابالی اور بے دین بناتے ہیں اور استعمار گروں کے لیے یہی کافی ہے۔ (۲۰)

۹- جوانوں کو منحرف کرنا

ملکی اور غیر ملکی مبلغین، خواہ وہ استعماری ممالک کے شہری ہوں یا ملکی مبلغین، وہ ایران کے تمام دیہات اور مختلف حصوں میں گئے ہیں اور ہمارے بچوں اور نو جوانوں کو، وہ جو اسلام کے لیے فائدہ بخش ہیں، منحرف کر رہے ہیں آپ ان کی فریاد کو پہنچیں۔ (۲۱)

استعماری عمال اور ان کے تربیتی نیز پراپیگنڈہ اور سیاست کے ادارے کٹھ پتلی اور ملت مخالف حکومتیں صدیوں سے زہر گھول رہی ہیں اور لوگوں کے افکار اور اخلاق کو فاسد کر رہی ہیں۔ استعمار کے عمال یہ جانتے ہیں کہ اگر ملتیں خصوصاً جوان نسل اسلام کے مقدس اصولوں سے واقفیت حاصل کر لیں تو ان استعماریوں کی نابودی و بربادی ہو گی اور ان کے لیے

مفادات کا حصول قطعاً ممکن نہ ہوگا۔ لہذا وہ مختلف عہد شکنیاں اور جوانوں کے اذہان اور افکار کو مسموم کر کے اسلام کے تابناک چہرے کو جلوہ گر ہونے سے روک دینے کی کوشش کرتے ہیں اور مختلف پر فریب عنوانات اور رنگ رنگ کے مکاتب پیش کر کے ہمارے نوجوانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ (۴۲)

۱۰- دین اور سیاست کی جدائی پر مبنی گمراہ کن افکار کی ترویج

انہوں نے شروع ہی سے آپ کے ذہن میں یہ بات ڈال دی ہے کہ سیاست کے معنی جھوٹ بولنا وغیرہ ہے تا کہ آپ کو تو حکومتی امور سے دور کریں اور وہ خود اپنے کام میں مشغول رہیں۔ آپ دعا کرنے میں خلد اللہ ملکہ کہیں اور ہمارا جو دل چاہے کام کریں، جتنا چاہیں فضول کام کریں۔ البتہ خدا کا شکر ہے کہ ان کو خود اس بات کی سمجھ نہیں لیکن استادوں اور ماہرین نے یہ منصوبے بنائے ہیں۔ انگریز استعمار نے ۳۰۰ سال پہلے مشرقی ممالک میں اثر و نفوذ کیا اور ان ممالک کے تمام پہلوؤں کی اطلاع رکھتے ہیں۔ انہوں نے یہ پروگرام بنایا اس کے بعد امریکی استعمار وغیرہ ان کے ہمراہ ہو گئے اور متفقہ طور پر اس پروگرام کو نافذ کرنے میں انہوں نے شرکت کی۔

استعمار کے پراپیگنڈہ اداروں نے دلوں میں یہ وسوسہ کیا کہ "دین سیاست سے جدا ہے" روحانیت (علمائے دین) کو کسی بھی معاشرتی مسئلے میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے فقہا کا یہ فریضہ نہیں کہ اپنی اور ملت اسلامی کے مقدرات کی نگرانی کریں۔ افسوس یہ ہے کہ بعض لوگوں نے اس پر یقین کر لیا اور اس کے زیر اثر قرار پا گئے اور اس کا یہ نتیجہ ہو گیا ہے جو ہم دیکھتے ہیں یہ وہی تمنا اور آرزو ہے جو استعمار گروں کے دلوں میں رہی، موجود ہے اور آئندہ موجود رہے گی۔ (۴۴)

۱۱- دین کا تعارف جامعہ اصول کے طور پر

یہ استعماری کہتے ہیں "دین جو انسانوں کے درمیان آیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کو سلا دے۔ دین شروع ہی سے طاقتوروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھوں وجود میں آیا تا کہ دیانت کے ذریعے سے لوگوں کو پرسکون کر دیا جائے اور وہ لوگوں کا مال کھا لیں اور آہستہ آہستہ یہ مفہوم خود مسلمانوں، یہاں تک کہ بعض علما اور صاحبان عمامہ، کے اندر داخل ہوا کہ نہیں یہ ایک ایسی شے ہے کہ اب اسے عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکتا۔ یہ تو ۱۴۰۰ سال پہلے کی چیز ہے اسلام کا اسلامی معاشروں میں اس طرح سے تعارف کرایا گیا! ۔ علما کے لیے بھی پروپیگنڈہ ہوا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو صرف بیٹھے رہتے ہیں اور لوگوں کا مال حاصل کر کے زندگی گذارنا چاہتے ہیں۔

بنا بریں اسلام کا تعارف یوں کرایا گیا کہ اولاً تو یہ مکتب نماز پڑھنے روزہ رکھنے سے زیادہ کچھ نہیں اور لوگوں کی زندگیوں سے اسے کوئی سروکار نہیں بلکہ لوگوں کی دنیا سے لاتعلق ہے اور دوسری طرف سے علما کا تعارف کرایا کہ ان کو بھی اقتدار والوں نے کام پر لگایا تا کہ یہ معاشرے کے لیے افیون بنے رہیں۔ لوگوں کو سلا دیں اور اگر وہ لوگوں کے اموال کھا لیں تو یہ لوگ بات نہ کر سکیں یعنی لوگوں کو بات کرنے کی اجازت نہ دیں۔ اس بات کا اتنا پراپیگنڈہ کیا کہ ہم میں سے بعض روشن خیال افراد بھی، جو قرآن و سنت سے آگاہ نہ تھے، انہوں نے یقین کر لیا اور انہوں نے بھی یہ بات آگے پھیلائی اور اس پراپیگنڈہ سے کے ہم آواز ہو گئے۔ ہمیں نہیں چاہیے کہ جو بات بھی سن لیں یا جو بات بعض طبقات میں کہی جاتی ہو اس بات کو بغیر دلیل اور ثبوت کے قبول کر لیں۔ اگر کوئی انسان بغیر دلیل کے بات قبول کر لیتا ہے تو وہ مریض ہے ممکن نہیں کہ صحت مند آدمی کے سامنے بغیر دلیل کے بات کی جائے اور وہ اسے من و عن قبول کر لے۔ (۲۵)

اسلام کے متعلق کہا گیا کہ تمام ادیان کی طرح ایک نشہ (افیون) ہے۔ دیانت کی حقیقت کو ایک نشہ سمجھا گیا۔ دین معاشرے کے لیے ایک افیون ہے تاکہ دین اسلام تمام ادیان کی طرح لوگوں کو نشے میں مبتلا کرے کہ ان کا جو کچھ بھی کوئی لے جائے وہ صدا بلند نہ کریں۔ اسلام کو اس طرح سے متعارف کیا گیا یعنی مبلغین، یہی نفع اندوز اور یہ تیل کے ہضم کرنے والے نیز ان کے مبلغین اور ڈھندورچیوں نے طویل زمانے تک اس بات کو مسلسل کہا۔ (۲۶)

۱۲- اسلام اور علمائے دین کے خلاف جدوجہد

اس زمانے سے جب غیر ملکی ایران میں آئے اور انہوں نے ایران پر مطالعات کیے اور یہ چاہا کہ ایران کے ذخائر لے جائیں تو انہوں نے اسلام اور علمائے اسلام کے متعلق یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ یہ زندگی کے مخالف ہیں، عقل کے متناقض ہیں، قدامت پسند ہیں ان کے پاس زندگی کے مسائل کا حل نہیں ہے، وغیرہ انہوں نے اس وسیع پروپیگنڈہ سے یہ تہمتیں لگائیں کہ مذہب لوگوں کو سلانے کے لیے افیون ہے اور اسے بھی سرمایہ داروں ہی نے بنایا اور علمائے اسلام بھی سرمایہ داروں کے ایجنٹ ہیں۔ اور لوگوں کو نشے میں مبتلا کرتے ہیں تاکہ ان کی آواز بلند نہ ہو اور یہ وہ کام جو مبلغین اور وہ لوگ جو اسلام نیز علمائے کرام کو اپنے مفادات کے حصول کی راہ میں مانع اور رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں نے اس کا پراپیگنڈہ کیا۔ یہ پراپیگنڈہ تھا جس نے ہمیں اس حال کو پہنچا دیا ہے تو اب بھی اس کی بات کرتے ہیں یعنی منحرف افراد اب بھی ایسی باتیں کرتے ہیں۔ یہ لوگ ظلم کے مراکز کی مدد کرتے ہیں، وہ لوگ جوان مسائل کے سلسلے میں رطب اللسان رہتے ہیں یا تو وہ خود ظلم کے کار پرداز ہیں یا ان کے نوکر یا ان کا دھوکہ کھائے ہوئے ہیں۔! (۲۷)

۱۳- معاشرے کے مختلف فرقوں کے مابین جنگ کی آگ بھڑکانا

استعمار گر معاشرے کے اندر مختلف راہوں سے اختلافات پیدا کرتے ہیں مثلاً

مختلف مسالک؛ ترک اور فارس یا کرد و غیر کرد اور بلوچ و غیر بلوچ کی جنگ وغیرہ کی قسم کے مسائل پیدا کرتے ہیں۔ کسی ملک میں جہاں سب کو یکجا اور متحد ہونا چاہیے وہاں ہر کسی کو ایک الگ راہ پر لے چلتے ہیں۔ یعنی ان کے منصوبے لوگوں کو مختلف راہوں پر چلا دیتے ہیں اور معاشرے کے اندر انہیں اختلافات کے وجود میں لائے جانے سے وہ اسے ترقی کی راہ پر چلنے سے روک دیتے ہیں۔ یہ لوگ تو ایک دوسرے کی خبر لیتے ہیں اور وہ ان کا تیل اور گیس اور ہر قسم کے ذخائر اٹھا لے جاتے ہیں اور کسی کو بات کرنے کا یارا نہیں ہوتا کیونکہ سوچ ایک نہیں ہوتی۔ (۲۸)

۱۴- آزادی کے نام پر لوگوں کے افکار و خیالات ویران کرنا

تمام تیل کے مفت خوروں کی دلیل کے مطابق آزاد فضا کا روشن خیال مذہبی علماء سے لے کر سیاسی شخصیات اور طالب علم اور محترم تجار اور ذرائع ابلاغ پر سنسر اور پراپیگنڈہ مشینری ہے اور اس دلیل و منطق کی رو سے ملک کی ترقی اور تمدن کا مطالب اس کی شریانوں یعنی ثقافت اور اقتصاد سے لے کر فوج اور مقننہ اور عدلیہ اور انتظامیہ تک کی وابستگی۔ ہمارے ملک میں اس پروگرام کو تاریک پہلوی دور کے ۵۰ سالوں میں اب تک عملی جامہ پہنایا جاتا رہا ہے۔ (۲۹)

امریکہ نے فوجی بغاوت کے ذریعے شاہ کو دوبارہ ایران پر مسلط کر دیا اور اس نے ملک کو جدید اور ماڈرن بنانے کے نام پر امریکی انقلاب کو بپا کیا اور ہم نے دیکھا کہ اس انقلاب کا نتیجہ امریکہ کے فائدے اور ایران کے نقصان کی صورت میں نکلا۔ ملک کی زراعت تباہ ہوگئی اور ایران امریکہ کے غذائی اجناس کی منڈی بن گیا۔ تیل سے لے کر تانبے تک تمام زیر زمین ذخائر امریکہ کے مفاد میں لوٹے گئے اور اس کے بدلے میں ایران کو وہ اسلحہ دیا گیا جو اس کے کسی کام کا نہیں تھا اور ایک اور نقصان، ۴۰ ہزار سے زیادہ فوجی مشیروں کا تباہ کن

اخراجات کے ساتھ ایران پر مسلط کیا جانا تھا۔ جس نے ایک طرف سے تو ہماری فوج کی حیثیت اور وقار کو ختم کیا اور دوسری طرف ملک کے مقدرات کو ان کے ہاتھ میں دے دیا اور اس شاہ کے ہاتھوں ایران امریکہ کی فوجی چھاؤنی بن گیا اور اس ملت کے پیسے سے امریکہ نے شاہ کو خلیج کے علاقے میں اپنا گماشتہ اور پولیس مین بنا دیا اور یہ ان تمام مظالم کا ایک حصہ ہے جو امریکہ نے ہماری ملت پر کیے، بنابریں واشنگٹن کیوں نہ ملت ایران کے انقلاب کے خلاف سرگرمیاں انجام نہ دے؟ (۳۰)

۱۵۔ استعمار گروں کا منحوس منصوبہ

☆۔ استعمار کا منصوبہ اسلام اور قرآن کے مقدس احکام کو مٹا دینا ہے اور پہلوی حکومت کے منحوس مقاصد کے لیے ایک آلۂ کار ہے۔ منصوبہ یہ ہے کہ اصلاحات کے نام پر ملک کو پس ماندگی کی حالت میں رکھا جائے۔ علم دوستی کے نام پر یونیورسٹی اور علمی مدرسوں کو تباہ اور اسلام کے نام پر مقدس آسمانی احکام کو پامال کر دیا جائے۔ (۳۱)

استعمار کے گماشتے یہ جانتے ہیں کہ اگر اقوام بالخصوص نوجوان تعلیم یافتہ افراد اسلام کے مقدس اصولوں سے آشنائی حاصل کر لیں تو ان اقوام اور ملکوں میں ان کے مفادات یقیناً ختم ہو جائیں گے۔ لہٰذا وہ دغابازی کے ذریعے کوشش کرتے ہیں کہ افکار کو مسموم اور اذہان کو سرگردان کر دیں نوجوانوں کے لیے اسلام کے تابناک اور روشن چہرے کے جلوہ گر ہو جانے کو روک دیں۔ انہیں مختلف دھوکہ دینے والے عنوانات اور قسم قسم کے مکاتب کے ذریعے راستے سے منحرف کر دیں۔ (۳۲)

۱۶۔ امریکا امت اسلامی کا دشمن ہے

دنیا جان لے کہ ایرانی قوم اور دنیا کی دوسری اقوام کے لیے جو بھی مشکلات اور

پریشانیاں پیدا ہوتی ہیں وہ امریکہ کی طرف سے ہیں اسلامی اقوام اغیار سے عام طور پر اور امریکہ سے خاص طور پر متنفر ہیں۔ اسلامی ممالک کی بدبختی اور بدنصیبی کا سبب اغیار کی طرف سے ان کے مقدرات میں مداخلت ہے۔ (۴۳)

وہ لوگ جو یہ گمان کرتے ہیں کہ بڑے شیطان (امریکہ) کے ساتھ ہمنوا ہو جانا ان کے لیے سعادت کے حصول کا باعث ہوگا اس بات سے غافل ہیں کہ شیطان کے ساتھ ہمراہی جس کسی انداز سے بھی ہو ذلت اور رسوائی ہے۔ وہ قوم جسے اپنے اوپر اعتماد نہ ہو اور ان مغربیوں کی پست ثقافت پر نگاہیں جمائے ہوئے ہو جن کا ماسوائے خونریزی اور درندگی کے کوئی کام نہیں ایسی قوم سعادت اور کامرانی کی شکل نہیں دیکھے گی اور شادروان علامہ اقبال کے بقول:

خدا آن ملتی را سروری داد
کہ تقدیرش بدست خویش بنوشت
بہ آن ملت خدا کاری ندارد
کہ دہقانش برای دیگری کشت

کہاں یہ کہ وہ قوم اہل نماز و روزہ اور عبادات بھی ہو اور ظالم و مستکبر جہاں خوار مغربیوں کی محتاج بھی۔ امام خمینی (رہ) نے بھی فرمایا کہ:

تو خطا کاری و حق آگاہ است
حیلہ گر زھد نمایی بس کن
حق غنی است برو پیش غنی
نزد مخلوق، باگدایی بس کن

ہر پرستش کہ تو کردی شرک است
بی خدا، چند خدایی بس کن
شرک در جان تو منزل دارد
دعوئ شرک زدایی بس کن
توئ شیطان زدہ و عشق خدا؟
نبری راہ بہ جایی، بس کن
سیاست تو، بہ است از حسنات
جان من شرک فزایی بس کن (۴۴)

۱۷-اور آخر کار نجات کی راہ

امام خمینی نے ایک حاذق طبیب کے طور پر عالم اسلام کے حقیقی دکھوں کو بیان فرمایا اور ان کے علاج کے لیے نسخہ پیش کیا۔ عظیم اسلامی امت کے لیے ساحل نجات تک پہنچنے کی راہ صرف یہ ہے کہ وہ تاریخ کے اس بطل جلیل اور زمانے کے یکتا طبیب کی دوا استعمال کرے۔ ان کا تمام درد اسلام اور مسلمان تھے۔ ان کی بلند و بالا صدا تمام انبیاء و اولیا کی صدا تھی۔ انہوں نے تمام عمر ایک لحہ آرام نہیں کیا اور جو کچھ ان کے پاس تھا وہ انہوں نے اخلاص کے خوان میں رکھ کر اسلام کی عظیم امت کی سربلندی کے لیے پیش کر دیا۔ میں نمونے کے طور پر ان کے نورانی فرمودات میں سے بعض خاص فرامین کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ ممکن ہے مسلمان ان کے شیریں کلام پر غور کر کے ماضی پر نگاہ ڈالیں اور عالم اسلام کا حال مدنظر رکھتے ہوئے اور بین الاقوامی، طاقت کے حملے کے پیش نظر مستقبل کے لیے فیصلے کریں اور توحید اور عظمت اسلام و مسلمین کے اس آزادی بخش نغمے کی طرف توجہ دے کر اسلام اور مسلمین کی عظمت رفتہ کو دوبارہ بحال کر دیں۔ کیونکہ قرآن نے فرمایا ہے کہ ان تنصروا اللہ ینصر

کم و یثبت اقدامکم امت اسلامی اور جدید الٰہی معاشرے تک پہنچنے کے لیے حضرت امام خمینیؒ کا یہی پیغام ہے:

یہ زمانہ ایسا زمانہ نہیں کہ مسلمان بیٹھ رہیں اور دیکھتے رہیں کہ ان کو لوٹا جائے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ تمام مسلمانوں کو قیام اور اپنے ممالک سے اغیار کو دور کر دینا چاہیے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ سب ایک صف میں مل کر اغیار کا مقابلہ کریں اور اپنے پامال شدہ حقوق کو حاصل کر لیں اور لٹیروں کے ہاتھوں سے اپنے ممالک کو بچالیں۔ اسلامی ممالک کی حکومتوں کو اقوام کی خدمت میں رہنا چاہیے نہ کہ اغیار کی خدمت میں۔! (۳۵)

تمام مسلمانوں کے لیے میرا پیغام یہ ہے کہ تمام وسائل اور عظیم آبادی کے ہوتے ہوئے اور جبکہ کثیر تعداد میں ممالک کے ان کے ہاتھ میں ہیں وہ ایک دوسرے سے باہم متحد ہو جائیں۔ اگر وہ متحد ہو گئے تو کسی سپر طاقت کی یہ طاقت نہ ہو گی کہ ان کے خلاف جارحیت کرے۔

مسلمان اقوام باہم متحد ہو جائیں اور حکومتوں پر یہ لازمی قرار دیں کہ وہ تفرقے اور اختلاف نیز اغیار کے مفادات سے بھی ہاتھ اٹھالیں۔ (۳۶)

یہ اسلام اور عقیدہ تھا جس نے ہمیں کامران کر دیا اقوام اور حکومتیں اگر کامیابی اور اسلامی اہداف کے حصول تک پہنچنا چاہیں اور یہ کہ بشر کی سعادتوں کے تمام پہلوؤں کو پالیں تو انہیں چاہیے کہ "حبل اللہ" (اللہ کی رسی) کو تھام لیں اختلافات اور تفرقہ سے اجتناب کریں اور حق تعالیٰ کے اس فرمان وَاعتَصِمُواْ بِحَبلِ اللّٰہِ جَمِیعاً وَّلَا تَفَرَّقُوا کی اطاعت کریں۔ دین اسلام کی تعلیمات کی طرف پیٹھ پھیرنے اور مغرب و مشرق کی طرف منہ کرنے نے ایک ارب کے قریب مسلمانوں اور ان کے معدنی ذخائر کو فنا کر دیا ہے۔ آپ نے دیکھا اور ہم نے بھی مشاہدہ کیا کہ وحدت کلمہ اور اتحاد سے ایک کمزور لیکن شجاع قوم نے خداوند متعال پر اعتماد سے

بین الاقوامی وحشیوں پر غلبہ پالیا اور تمام استعمار گروں کا ہاتھ اپنے ملک سے دور کر دیا۔ (۳۷)

اگر چہ امام خمینیؒ کے فرامین اتنے شیرین و دلنشین ہیں کہ ان سے سیراب ہو جانا ممکن نہیں لیکن مجبوراً گفتگو کو ختم کرتے ہوئے ایک قطعہ جو امام بزرگوار کی محبت میں کہا ہے پیش کرتا ہوں:

خمینیؒ رہ آیہ ای از عشقبازی است
خمینیؒ مظہر نور الٰہی است
خمینیؒ رمز و راز عشق خواھی است
خمینیؒ ضامن خیبر گشایی است

خداوند متعال سے دعا کرتا ہوں کہ عظیم ملت اسلامی کو شوکت، شکوہ اور عظمت سے سرفراز فرمائے اور اس کے دشمنوں کو ناکام کرے۔

مآخذ

۱- در جستجوی راہ از کلام امامؒ، دفتر چہاردھم، ص۴۷

۲- اقبال و جہان فارسی، ص۳۰

۳- تفسیر نمونہ، ج۱۷، ص۴۲۲

۴- ایضاً، ص۴۳

۵- ایضاً، ص۴۲

۶- ایضاً، ص۴۴

۷- در جستجوی راہ از کلام امامؒ، دفتر پانزدھم، ص۱۰۹

۸- ایضاً، ص۴۲

۹- ایضاً، دفتر چہاردھم، ص۱۱۷

۱۰- ایضاً، دفتر چہاردھم، ص۷۶

۱۱- شیوہ جستجو راہ از کلام امامؒ، دفتر چہاردھم، ص۷۵-۷۶

۱۲- ایضاً، دفتر چہاردھم، ص۸۸

۱۳- ایضاً، دفتر چہاردھم، ص۷۶

۱۴-ایضاً، دفتر چہاردہم، ص ۷۳

۱۵- ایضاً، ص ۹۹

۱۶-ایضاً، ص ۷۹

۱۷-ایضاً، ص ۸۵

۱۸-ایضاً، ص ایضاً

۱۹-ایضاً، ص ۸۴-۸۳

۲۰-ایضاً، ص ۸۶

۲۱-ایضاً، ص ۸۶

۲۲-ایضاً، ص ۸۷

۲۳-ایضاً، ص ۸۷

۲۴-ایضاً، ص ۸۸

۲۵-ایضاً، ص ۹۹-۱۰۰

۲۶-ایضاً، ص ۹۰

۲۷-ایضاً، ص ۱۱۴

۲۸-ایضاً، ص ۱۱۷

۲۹-ایضاً، ص ۱۱۸

۳۰-ایضاً، ص ۱۲۲

۳۱-ایضاً، ص ۷۸

۳۲-ایضاً، ص ۸۰

۳۳-ایضاً، ص ۷۶

۳۴-دیوان امام خمینی (رہ)، ص ۱۷۲

۳۵-در جستجوی راه از کلام امامؒ، دفتر چہاردہم، ص ۱۴۸

۳۶-ایضاً، ص ۱۴۶

۳۷-ایضاً، دفتر پانزدہم، ص ۱۵۲

☆☆☆

ایرانی شخصیات

خانہ فرہنگ ایران کوئٹہ، ایک تاثر

پروفیسر امان اللہ شادیزئی

ایران میں اسلامی انقلاب کے بعد دل میں نہ جانے کیوں یہ خواہش پیدا ہوئی۔ خانہ فرہنگ پہنچا تو ایک خوبصورت نوجوان وہاں موجود تھا۔ تعارف ہوا تو اس نے اپنا نام اسماعیلون بتلایا۔ وہ نہ اردو جانتے تھے اور نہ انگلش زبان سے واقف تھے۔ تھوڑی بہت ٹوٹی پھوٹی فارسی یا اس کو ہزارگی کہیں آتی تھی۔ بہرحال محبت کے اظہار کے لیے زبان کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ ہمیں انقلاب سے محبت تھی اور ایران میں امام خمینیؒ کی عظیم قیادت میں انقلاب برپا ہو چکا تھا اور ایران کے مسلمانوں نے خمینیؒ کی قیادت میں امریکہ کے سب سے مضبوط اور طاقتور پٹھو کا تختہ الٹ دیا تھا اور شہنشاہیت کو زمین بوس کر کے ایک اسلامی حکومت قائم کر دی تھی۔ یہ ایک عظیم تاریخی تبدیلی تھی۔ اس کا ادراک بہت سے لوگ ابھی تک نہیں کر سکے ہیں اور وہ ابھی تک اس اسلامی انقلاب کو شیعہ سنی کے تناظر میں دیکھنے کے عادی ہیں۔ کاش وہ اس تنگ نظری سے نکل سکیں اور اس کو روشن فکری سے دیکھیں تو انہیں اس کی عظمت کا احساس ہو سکے۔ بات جب بھی ایران کی ہوگی تو انقلاب کے ذکر کے بغیر ادھوری رہے گی۔ چونکہ انقلاب اور امام خمینیؒ کے ذکر کے بغیر بات آگے نہیں بڑھ سکتی اس لیے یہ ذکر ضروری ہے اور بات جب خانہ فرہنگ کی ہوگی تو سب سے پہلے ڈائریکٹر خانہ فرہنگ اسماعیلون کا ذکر ضروری ہے کہ وہ بہت ہی مخلص نوجوان تھا اور بہت بااخلاق انسان تھا۔ وہ عراق

اور ایران جنگ میں محاذ پر شہید ہو گیا۔ اس کے بعد ڈائریکٹر آتے رہے۔ ان میں ذاکری اسعدی، ابراہیمان، کے نام ذہن میں گھوم رہے ہیں۔ ان میں سے کوئی ڈائریکٹر تبدیل ہو جاتا تو ذہن سوچتا کہ نہ جانے اس کے بعد آنے والا کیسا ہوگا۔ جب وہ آتا تو حیرت ہوتی کہ اس جانے والے سے بھی بڑھ کر ہے اور دل خوش ہو جاتا۔

میری ذاتی لائبریری میں ان محبت کرنے والوں کی وجہ سے کتب کا اضافہ ہوتا رہا۔ کسی نے علی شریعتی کی کتابیں دیں تو کسی نے امام خمینیؒ کی دیں اور کسی نے باقر صدر کی کتب تحفہ میں دیں اور کسی نے آیت اللہ مطہری کی اور کسی نے علیؑ کی نھج البلاغہ اور کسی نے امام خمینیؒ کی پانچ تقاریر اور خطوط پر مشتمل کتب کا سیٹ دیا۔ یوں میری لائبریری ان کے خلوص اور محبت کی داستان لیے موجود ہے۔ میرے لیے محبت کرنے والوں اور خلوص سے لبریز دل والوں کو فراموش کر دینا مشکل ہے بلکہ ان کی یادیں خلوص اور اخلاق زندگی کی تمام راہوں میں ہمسفر رہیں گی۔ جب ان دوستوں سے خانہ فرہنگ میں ملاقات ہوتی تھی تو روح کو ایک عجیب سا سکون محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وجود کے اندر کوئی تبدیلی آ گئی ہو۔ چنانچہ خوشی کی لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی اور طمانیت سی محسوس ہوتی۔ جب بھی وہاں جاتا ہوں لگتا ہے کہ کسی ایسے ماحول میں آ گیا ہوں جس کی مجھے تلاش تھی۔ روح کو سکون سا ملتا ہے۔ ممکن ہے کہ سب کا ایسا تجربہ نہ ہو مگر میرا تجربہ ایسا ہی ہے۔

اب خانہ فرہنگ میں عیسیٰ کریمی موجود ہیں۔ ان سے ملا تو بہت خوشی ہوئی، دل کو سکون ملا۔ آقائے اسماعیلون سے عیسیٰ کریمی تک کا یہ سفر اب دوستی میں بدل گیا ہے۔ کریمی سے بھی جب ملتا ہوں تو دل بہت خوش ہوتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ وہ بات کرتا رہے۔ عیسیٰ کریمی ایک ذہین اور انتہائی ملنسار انسان ہیں۔ علامہ اقبال سے بھی انہیں دلی لگاؤ ہے۔ اسی طرح ابراہیمان کو بھی اقبال سے محبت تھی اور اسعدی کو بھی اقبال سے عشق تھا۔ چنانچہ انہوں نے عمارت کے اندر کے حصوں پر اقبالؒ کے فارسی اشعار لکھوائے۔ عیسیٰ کریمی نے اب کے بار جشن انقلاب کی تقریبات کو

مکمل ثقافتی روش میں تبدیل کر دیا تھا۔ بلوچی موسیقی اور بلوچی رقص کی محفل تھی لیکن اس میں صرف دو ہی حضرات محو رقص تھے۔ ایران کے انقلاب کا یہ ثقافتی پہلو ہے جو بڑا دلکش ہے۔ ایران نے ثقافتی پہلو کو انقلاب کے حوالے سے محفوظ کر لیا ہے، یہ ایک روشن پہلو ہے۔ ایران کے اندر بھی ثقافت کے مختلف پہلو دیکھے جا سکتے ہیں۔ جب بھی ایران جانا ہو ہر بار تبدیلی محسوس ہوتی ہے۔ ایران آہستہ آہستہ ایک طاقتور ملک میں تبدیل ہو رہا ہے اور مشرق وسطیٰ میں ایک طاقتور ملک کی حیثیت سے نمودار ہو جائے گا اور مستقبل میں بہتر کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں ہوگا۔

عیسیٰ کریمی ایک روشن فکر انسان ہیں۔ بڑے تپاک سے ملتے ہیں۔ وہ ایک اچھے منتظم اور باصلاحیت انسان ہیں۔ انہوں نے اچھے طریقے سے تقریبات کا انتظام کیا۔ ان کی یادیں بھی زندہ رہیں گی۔ ایران کے انقلاب نے نئے انسان تخلیق کئے ہیں جو انقلاب کو آگے لے جا رہے ہیں اور زندگی کے ہر پہلو پر اپنے نقش قدم چھوڑتے چلے جا رہے ہیں اور عیسیٰ کریمی بھی انقلاب کی تخلیق اور خوبصورت تخلیق ہیں۔ امید ہے انقلابی شخصیات کی تخلیق کا یہ سفر جاری رہے گا!

☆☆☆

تعزیت

مجلّہ پیغام آشنا کی انتظامیہ مسلمانان عالم بالخصوص عراقی بھائیوں کو شہید آیت اللہ سید باقر الحکیم کی جان گداز و مظلومانہ شہادت پر دلی تعزیت پیش کرتے ہوئے جملہ شہداء کی بلندئ درجات کی دعا کرتی ہے۔

منظومات

حمد

فضل الرحمن

درجہان زینت گلزار و بہاری ازتست — نغمۂ طوطی وہم بانگ ہزاری ازتست
شکوہ از گردشِ ایام چہ آرم بر لب — جور و الطاف کہ بینم ہمہ کاری ازتست
نشہ از بادہ انگور؟ غلط می گویند — این ہمہ مستی و این کیف و خماری ازتست
جلوۂ رنگ کہ در صحن چمن می بینیم — این ہمہ منظر نیرنگ و بہاری ازتست
لالہ در سینۂ خود داغ فراقت دارد — وز جدائی جگر غنچہ فگاری ازتست
قصۂ عشق تو افسانہ قیس و لیلی — پس محمل کہ بہ افراشت غباری ازتست
جذبۂ عشق خلیل، آتش نمرود زتست — این ہمہ نور زتست و ہمہ ناری ازتست
تاب حلّاج کجابود کہ حرفے گفتی — حرف حق گفتن وہم دادن داری ازتست

چون عظیمی بچمن نگہِ کند، می یابد
این گل وغنچہ زتست و ہمہ خاری ازتست

☆☆☆

نعت

رضوان عزمی امروہوی

جب تک جہاں میں آپ کی جلوہ گری نہ تھی
اس بزم دل فروز میں کچھ دلکشی نہ تھی

عاری ہر ایک دل تھا یہاں سوز عشق سے
تھا چاند تو فضا میں مگر چاندنی نہ تھی

اولاد نسل حضرت آدم تھی بالیقیں
آداب بندگی سے مگر آگہی نہ تھی

اس وقت بھی تھیں نور محمدؐ کی تابشیں
جب نبض کائنات کی دھڑکن چلی نہ تھی

وہ آگئے تو غنچے یہاں کھلکھلا اٹھے
ورنہ تو اس چمن میں کوئی تازگی نہ تھی

آدم کو بھی فرشتوں نے سجدہ نہیں کیا
جب تک جبیں میں ان کی تری روشنی نہ تھی

تخلیق کائنات کو دیکھا تھا آپ نے
اس ہی لیے تو کوئی بھی شے اجنبی نہ تھی

والشمس و القمر کی ہے کیا خوب آب و تاب
ایسی تو مہر و ماہ میں بھی روشنی نہ تھی

تسلیم کس طرح سے نہ کرتے اصول حق
ان کی زباں کلام خدا ' دل لگی نہ تھی
انگلی کے اک اشارے سے پلٹا تھا آفتاب
یہ معجزہ رسول کا تھا' ساحری نہ تھی
عزمی یہ کیوں ہیں ملت بیضا میں تفرقے
وہ کون سی تھی بات جو اس نے کہی نہ تھی

☆☆☆

نعت

شہاب صفدر

منتظر، صورت ساحل، مدینہ میرا
میں اویس قرنیؓ، عشق سفینہ میرا

بادۂ جوش وفا دل میں ہے، دل ہاتھ پہ ہے
بزم افروز ہے پینے کا قرینہ میرا

ترے اوصاف گنے کیا، پس نظارہ مہر
دیکھ سکتا نہیں کچھ دیدۂ بینا میرا

تری حکمت کرے سب مرحلے اک پل میں عبور
علم صدیوں سے رواں زینہ بہ زینہ میرا

محفل جسم کی تزئین کا سامان ہے یہ
میں انگوٹھی ہوں ترا ذکر نگینہ میرا

نہ میں بوذرؓ ہوں نہ عمارؓ نہ سلمانؓ نہ بلالؓ
پھر بھی منسوب ترے در سے ہے جینا میرا

چشمۂ فیض کا عرفاں بھی ہے اک نور شہاب
اور اس نور سے معمور ہے سینہ میرا

☆☆☆

خاتون جنت

سید سلمان رضوی ☆

رسول پاکؐ کی بیٹی کا یومِ رحلت ہے — دلوں میں زینبؑ و کلثومؑ کے قیامت ہے
جناب فضہ کی مخدومہ چپ ہیں حجرے میں — نہ کوئی شوق نہ خواہش نہ کچھ ضرورت ہے
وہ اس کا پہلو مجروح اور خاموشی — تمام عالمِ احساس کو ندامت ہے
علیؑ جو شیر خدا ہیں شکستہ خاطر ہیں — حقیقتاً یہ شہادت بڑی شہادت ہے
حسینؑ کھاتے تھے ہر چیز جس کے ہاتھوں سے — وہ ماں غضب ہے کہ بچوں سے آج رخصت ہے
جو ہاتھ ٹوٹی ہوئی پسلیوں سے اٹھ نہ سکا — حسینؑ کیلئے پھیلا وہ دست شفقت ہے
رکوع و آسیہ سائی حجاب و حق طلبی — بتول پاک کا ہر ہر عمل عبادت ہے
جراحتِ کف پا اور قیام ذکر خدا — یہ التزام المناک ہی سیادت ہے
دکھوں سے جس کے سیہ پڑ گیا تھا سورج بھی — وہ سیلِ نورِ خدا بے نشان تربت ہے
تمام رات جو روتی تھی قمریوں کی طرح — اس اشکبار کی تخفیف درد و زحمت ہے

عزائے شاہ کی سرحد شرف کی سرحد ہے
محافظوں کو یہ سلمانؒ کی ہدایت ہے

☆☆☆

امام خمینیؒ

معصومہ شیرازی

وہ سفیر منزل آگہی
وہ امینِ صبح خیال تھا

وہ جبین چہرۂ بندگی
وہ دلیلِ حرفِ کمال تھا

وہ نقیب منزلِ عاشقاں
وہ صدائے حق کا جمال تھا

وہ بیانِ قصۂ معرفت
وہ دیارِ علم و کمال تھا

وہ زبان جذبہ و بیخودی
وہ اسیر رُت کا سوال تھا

وہ جمالِ مسلکِ سالکاں
وہ گمان شہر وصال تھا

وہ چراغِ رات کی روشنی
وہ اثاثۂ مہ و سال تھا

وہ زمین جبر کا بت شکن
وہ زبان دل کا جلال تھا

☆☆☆

عہد

مہدی خطیب

ما براه دین یقین جان را فدا خواهیم کرد　　دشمنان را سرجدا و دست جدا خواهیم کرد

ما ولایت را حریم انس و جان خواهیم کرد　　ما شقاوت را از این عالم نهان خواهیم کرد

ما براه انبیا از جان گذر خواهیم کرد　　دشمن دین را ز راهش باخبر خواهیم کرد

ما همانند عزیزان سرافراز حسینؑ　　دشمن دین را ز باطل برحذر خواهیم کرد

ما همانند تمام مصلحین حق پرست　　از سروتن در ره وصلش گذرخواهیم کرد

ما بسان عباس نام آور عزیز فاطمه (س)　　دست جدا و سرجدا دشمن بدر خواهیم کرد

ما بسانِ عابس و شوذب دلیران حسینؑ　　در مصاف دشمنان رزمی دگر خواهیم کرد

خود فروشان ذلیل داخلی　　دست و پا بسته به دنیایی دگرخواهیم کرد

دشمنان داخلی و خارجی　　هر دو را در قعر آتش در بدر خواهیم کرد

ما بسان آزاد مردان دلیر کربلا　　کربلا را بار دیگر شعله ور خواهیم کرد

ای خدا توفیق شرکت در زمین کربلا　　کن نصیب بنده ات مهدی به لطف کبریا

☆☆☆

جبر کی رات

جاوید اقبال قزلباش

جبر کی رات
مسلسل تاریک
سارے عالم پہ
ہے چھائی ہر سو
ہاتھ کو ہاتھ سجھائی
نہیں دیتا اب تو
ہے گھٹن اور حبس
چار طرف، چاروں اور
کاش ہوتیں کہیں
امید کی کرنیں روشن
صبح آفاق پہ
طالع ہوتی
لیک یہ شب
کی طوالت اپنی
حکمرانی ہوئی ان کی
جو اندھیرے چھائے
ان اندھیروں میں کہاں
ڈھونڈنے جائیں اے دل

اپنی قسمت کے ستارے

کی درخشانی کو

اپنی تقدیر بدلنے

کو چلا آئے گا

وہی جو صبح کے

ہر نام کو پا جائے گا

وہی انسان کی

امید درخشندہ ہے

وہی ہر دور میں

جس کا کہ ذکر

زندہ ہے

☆☆☆

غزل

شوکت مہدی

نارسائی کی خلش نے آخرش بہکا دیا
مجھ کو میری خواہشوں کے قتل پر اکسا دیا

چھوٹی چھوٹی آرزوؤں کو کھلونا جان کر
جب بھی چاہا دل کو بچے کی طرح بہلا دیا

ہجرتوں کی غیر رسمی گفتگو کے درمیاں
پھول سے چہرے کو ٹھنڈی آہ نے کملا دیا

دشمنوں کی صف میں شامل ہو گئے احباب بھی
مجھ کو میرے نطق کی سچائیوں نے کیا دیا؟

اطلاع جرم کا مہدی کسے الزام دوں
میری اپنی بھول نے قاتل مجھے ٹھہرا دیا

☆☆☆

غزل

رضوان عزمی امروہوی

تنہائیوں کے کرب میں واماندگی رہی
ایسے میں ہم جلیس، مری شاعری رہی

بھونرے کی بدنظر سے جو اب تک بچی رہی
معصومیت کی خوشبو لیے وہ کلی رہی

رخسارِ گل پہ شبنم گریاں تھی اشکبار
شبنم کے ساتھ پھول پہ بھی مردنی رہی

اس زندگی کے بحر وسیع و عریض میں
امواج حادثات کی بھی برہمی رہی

ان کو خبر نہیں کہ کسی غم نصیب کو
اک اک گھڑی فراق کی بن کر صدی رہی

حیرت یہی ہے آج مشینوں کے دور میں
کشتِ وفا یہ کیسے ابھی تک ہری رہی

جب حریت خیال کی مصلوب ہو گئی
برسوں دیار فکر میں پھر خامشی رہی

کی پار مجھ سے پہلے ہی تو نے صراط مرگ
یہ آخری بھی جیت ترے نام ہی رہی

☆☆☆

نئی مطبوعات

THE
GLEAMS
OF WISDOM
بازگشت
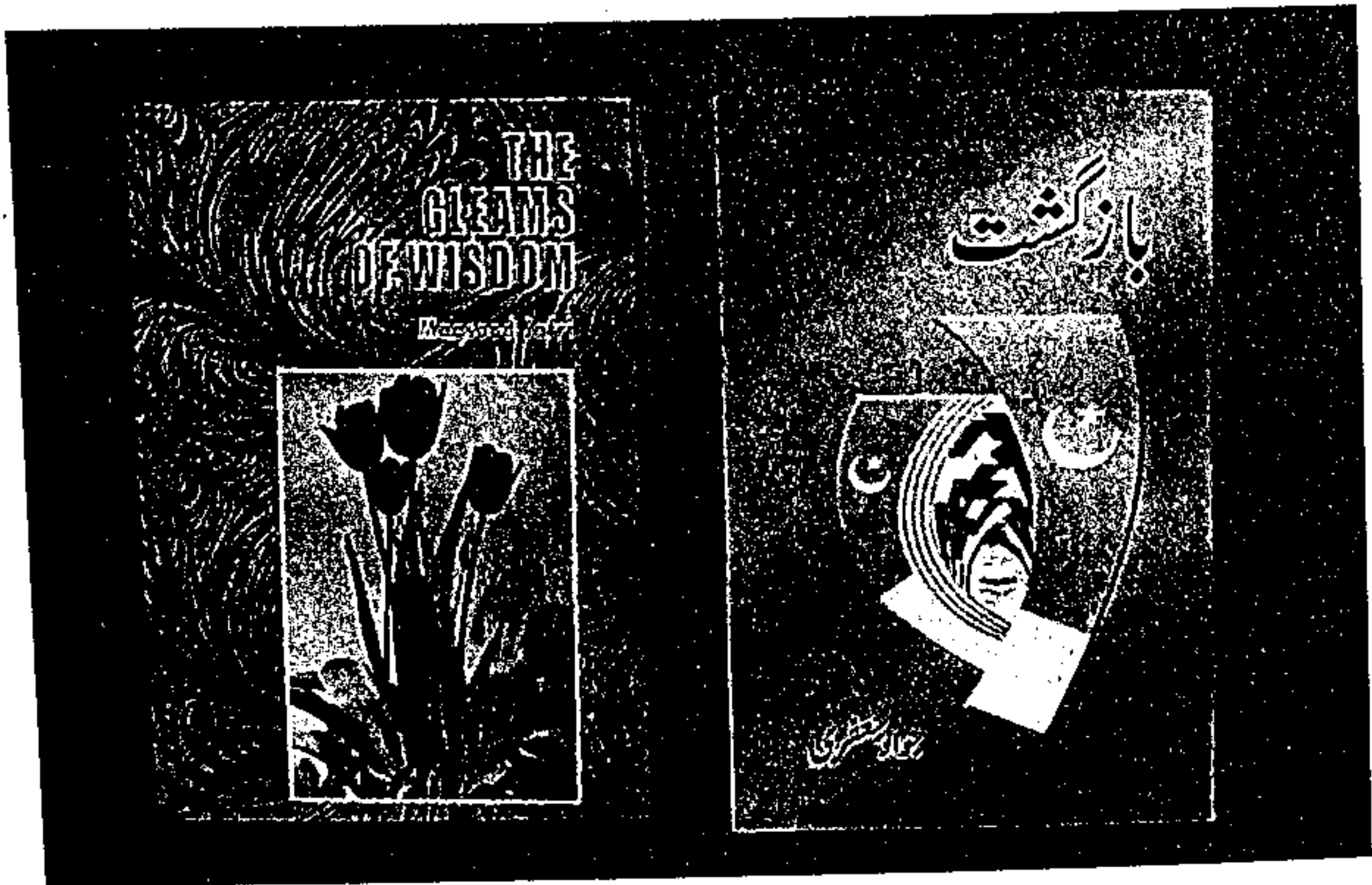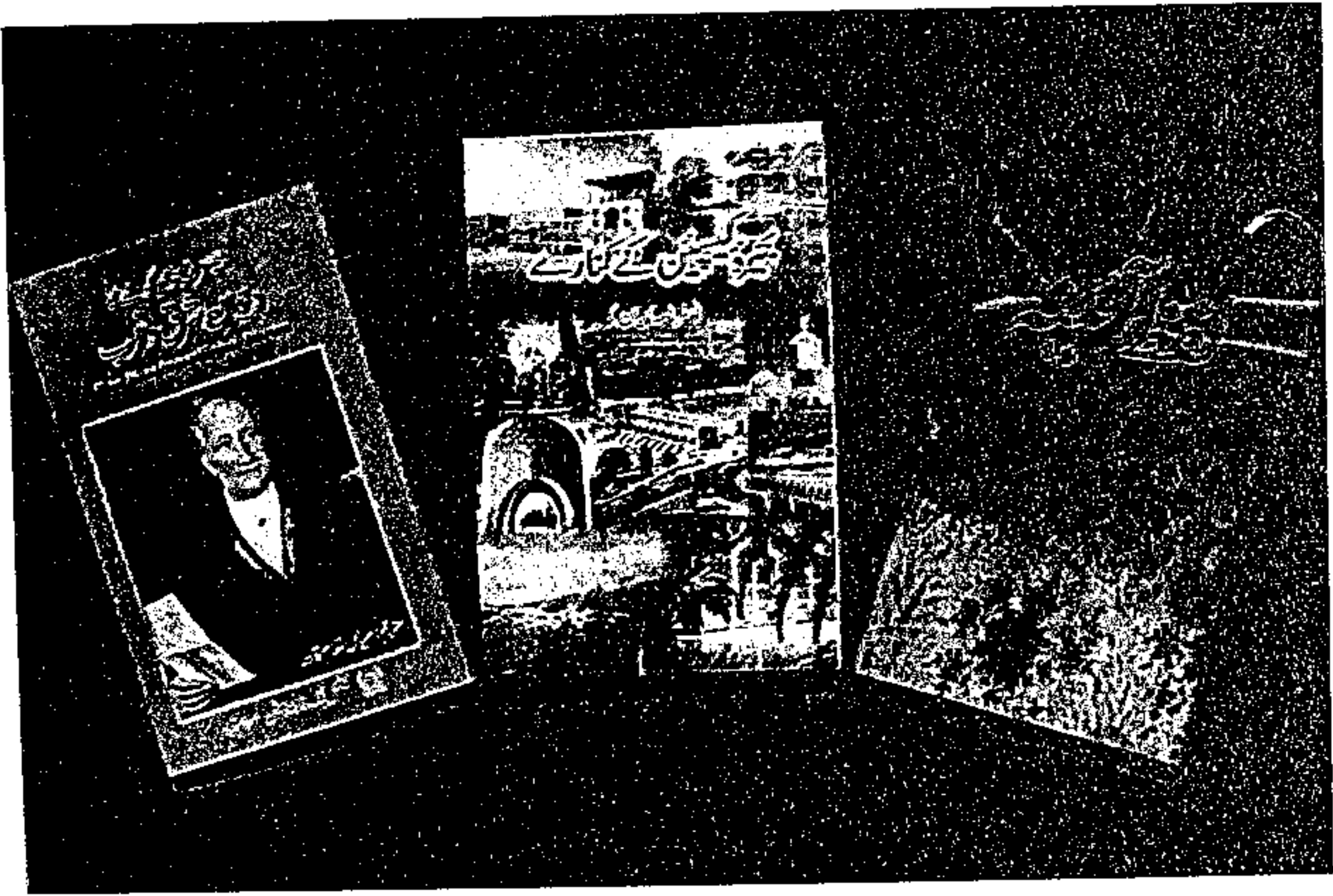
تبصرہ کتب

☐ نام کتاب: بحیرہ کیسپئین کے کنارے (سفر نامۂ ایران)

☐ مصنف: عبدالعزیز بلوچ

☐ ناشر: البرکت پبلشرز، ملتان

☐ قیمت: ۱۲۰/روپے

اچھے سفر نامے کو آپ بیتی اور جگ بیتی ہونا چاہیے تا کہ سفر نامہ نویس قاری کو اپنے ساتھ لیے اسے دیس دیس کی سیر کرا سکے اور تمام سرزمینوں کے منظر نامے کلمات کے دوش پر سفر کر کے قاری کے ذہن پر مرتسم اور نقش ہو سکیں۔ اور اس پر مضاف یہ کہ اگر یہ رواں اور سلیس عبارتوں اور دلکش و دلاویز پیرائے میں بیان کیا گیا ہو تو سونے پر سہاگہ، کہ اس سے سفر کے دوران پیش آمدہ واقعات میں حقیقت کا رنگ بھر جائے گا۔ یہی رنگ قاری کو مطلوب ہوتا ہے۔ مزید برآں اگر تصنیف کی اس صنف میں جابجا اشعار کی دھنک کے رنگ بکھرے ہوں تو اس کی خوبصورتی میں اور بھی چار چاند لگ جاتے ہیں۔ یہی نہیں اگر مصنف دانشور اور عالم فاضل بھی ہو اور سفر نامے کے دوران شہروں اور شخصیات اور ان سے مربوط تاریخی واقعات اور حقائق کو بھی ساتھ ساتھ پیش کرتا چلا جائے تو کیا ہی کہنے۔ اس سے سفر نامہ تاریخی حوالوں، منظر نگاری اور ادبی و شعری تخلیق کا ایک حوالہ بن جاتا ہے۔ اردو کے استاد اور معروف ادیب عبدالعزیز بلوچ کا سفر نامہ ایران خوبصورت تصاویر سے مزین ٹائیٹل اور محکم جلد اور اچھی طباعت کے ساتھ مندرجہ بالا تمام خوبیوں کا ایک حسین مرقع ہے۔ پشت جلد پر خوبصورت روایتی ایرانی نقاشی کی جھلک موجود ہے جو اردو سفر ناموں کی دنیا میں ایک منفرد انداز لیے ہوئے ہے اور جو سفر نامہ ہوتے ہوئے ایک ادبی، تاریخی اور جغرافیائی حوالہ بھی ہے، جس میں محو ہو کر قاری دیومالائی

افسانوں کا لطف لیتا ہے اور قدم قدم پر خود کو لکھاری کا ہمسفر پاتا ہے۔

❁❁❁

☐ نام کتاب: **جرمن شاعر گوئٹے کا "دیوان شرق و غرب"**

☐ مترجم: میاں غلام قادر

☐ ناشر: نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد

☐ قیمت: ۱۰۰روپے

گوئٹے مغرب کی دنیا کا وہ شاعر ہے، جس نے مشرق کی دنیا کے افکار، بصائر، فلسفوں اور محبتوں کو اپنی ادراک کی دنیا میں بسایا اور پھر مغرب کو مشرق سے متعارف کرنے کے لیے فکر و نظر کے دریچے کھول دیے تا کہ وہ سادہ دلوں کی اس دنیا کو سمجھ سکیں جسے خود اس نے حافظ اور سعدی کے ذریعے سمجھا اور پرکھا۔ وہ اپنی نظم ہجرت میں اس تمنا کا اظہار کرتا ہے کہ مشرق میں معزز انسانوں کی طرح ہماری پذیرائی ہوگی۔ وہاں محبت، سرور اور نغمے کی الگ دنیا آباد ہے۔ وہ درست بصارت اور دور رس بصیرت کی حسین سرزمین ہے۔ وہاں الفاظ قدر و قیمت کے حامل ہیں وہاں کے چرواہوں کے ساتھ گھومنا پھرنا پسند کروں گا۔ میرے محترم حافظؒ (شیراز) تیرا خیال بیحد بابرکت ہے۔ میں تجھے چشموں کے کنارے اور کاروان سرایوں میں بڑے پیار سے یاد کروں گا۔

اس نظم سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حافظؒ کی عقیدت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے رسولؐ خدا کی شان بھی بیان کی ہے۔ میدان بدر کے شہدا کی روحوں سے ہمکلام ہوا اور آئینہ سکندری سے لے کر اصحاب کہف تک معجزوں کی دنیا کو بھی لمس کرتا رہا۔ اس نے اپنی آرزوؤں کی شرح کو حاتم طائی کی سخاوت اور دریائے فرات میں کشتی رانی میں تلاش کیا۔ زلیخا اور خاتم کے قصے اور حکمت نامے لکھ کر مشرق کی روح کو خراج عقیدت پیش کیا۔ فاضل مترجم میاں غلام قادر نے نہایت عرق ریزی اور جان گدازی سے دیوان گوئٹے کو اردو میں منتقل کیا ہے۔ ان کے صادق جذبے نے گوئٹے اقبال اور حافظ سب کو یکجا کر کے ان کے نہایت حکیمانہ افکار کا ایک تقابلی جائزہ پیش کیا ہے۔ کتاب کی ابتدا اقبال کی پیام مشرق سے لی گئی نظم سے ہوتا ہے۔ اس پر جسٹس جاوید اقبال اور قاضی حسین احمد اور خود مترجم کے دیباچے ہیں۔

نیشنل بک فاونڈیشن نے یہ کتاب شائع کر کے علم و ادب کے دلدادگان کے لیے مغرب کی وادی

ادب کو جاننے والی ایسی راہ کھول دی ہے جس سے وہ اس سرزمین سے زیادہ آشنائی حاصل کرسکیں گے۔اور گوئٹے جیسے شعرا کے مشرق زمین کے بارے میں خیالات کو زیادہ سمجھ سکیں گے۔یہ دونوں تمدنوں کے درمیان گفتگو کا ایک ایسا باب ہوگا جو مفید، فائدہ بخش اور سودمند ہوگا اور جس سے دونوں تہذیبوں کے درمیان افہام و تفہیم کے ذریعے قربت پیدا ہوگی۔

❁❁❁

☐ نام کتاب: لفظ آئینہ

☐ مصنف: سجاد مرزا

☐ ناشر: فروغ ادب اکادمی، ۸۸ بی-سٹیلائیٹ ٹاؤن، گوجرانوالہ

☐ قیمت: ۱۵۰ روپے

معروف اور ممتاز شاعر، ادیب، نقاد اور محقق سجاد مرزا کی تازہ کتاب لفظ آئینہ ان کے مختلف ادبی اور تحقیقی مقالوں کا مجموعہ ہے جو حسن بیان کی لطافتوں کے ساتھ تحقیق کے خار زاروں سے گذرتا ہوا خوش اسلوبانہ تنقید کے چمن زار پر جا رکتا ہے۔مضامین کے تنوع کا یہ حال ہے کہ متقدمین اور متاخرین میں سے شاید ہی کوئی شاعر و ادیب ایسا ہو جس پر خامہ فرسائی نہ کی گئی ہو۔شعرا میں غالب کی مشکل پسندی، اختر ہوشیارپوری کی رنگ، خوشبو اور روشنی سے معمور شاعری، عزیز لدھیانوی کی روایت شناسی، سلیم اختر فارانی کے سوز و گداز اور والہیت، سپردگی اور نغمگی و سلاست سے عبارت کلام اور امید و رجا کی وادی میں نئے موسموں کے شاعر ساحل احمد سے لے کر رئیس احمد صدیقی کے گنج ہائے گراں مایہ تک ہر ایک پر تبصرہ ہے۔

اسی طرح افسانہ نگاروں میں سے پختہ کار لکھاری علی احمد شاعر کی کتاب ''قطرہ اک لہو کا'' سے اکتساب کیا گیا ہے۔جبکہ غیر ملکی لکھاریوں میں سے ستیہ پال آنند کی آزاد نظمیں جو فکر و احساس کے نمو کی آئینہ دار قرار دی گئیں ہیں پر بحث کی گئی ہے، اور کہیں شاکر کنڈان کے سفرنامہ جادہ شوق و محبت دیارِ حبیب پر مشاہدات کی کمندیں ڈال کر نہایت حسین مناظر دکھائے گئے ہیں۔اس کے علاوہ ماہنامہ شام و سحر کے اداریوں پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔مذکورہ تبصرے اور تنقیدیں ادبی دنیا میں ایک ایسا مفید

اور منفرد اضافہ ہیں کہ جس کے لیے سجاد مرزا کو جتنی بھی مبارک باد دی جائے کم ہے-!

۞۞۞

□ نام کتاب: The Gleams of Wisdom

□ مؤلف: پروفیسر مقصود جعفری

□ ناشر: سگما پریس منظور پلازہ بلیو ایریا-اسلام آباد

□ قیمت: ۳۰۰ روپے

The Gleams of Wisdom پروفیسر مقصود جعفری کے ادبی، سیاسی، مذہبی، معاشرتی علمی موضوعات پر مشتمل تازہ کتاب ہے جسے سگما پریس اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب کے زیادہ تر مقالات مختلف مقامی روزناموں اور مجلوں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ مجموعی طور پر ۴۶ مقالوں میں سے ۱۰ مقالے بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ایرانی شخصیات، اداروں، سفرناموں اور فلسفوں پر مشتمل ہیں، جبکہ باقی مقالوں میں متفرق موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔ جن میں پاکستان کی سیاست سے لے کر مسئلہ کشمیر، مسئلہ افغانستان، مختلف شخصیات مثلاً جوش ملیح آبادی، حافظ عبدالرشید، سید جمال الدین اسدآبادی سے لے کر جمی کارٹر کی شاعری اور امریکہ بمقابلہ دہشت گردی وغیرہ شامل ہیں۔

مقصود جعفری بنیادی طور پر آزاد منش، لبرل اور انسان دوست شاعر، نثر نگار اور شعلہ بیان مقرر ہیں۔ انہوں نے اردو، انگریزی، فارسی، کشمیری کئی زبانوں میں بلاتکلف اور روانی سے لکھا ہے۔ ان کے موضوعات میں فلسفہ، ادب، سیاست، انسانی حقوق اور انسان دوستی سبھی کچھ شامل ہے۔ لیکن مقام تعجب یہ ہے کہ اس کتاب میں انہوں نے باب طہارت کے ایک فقہی موضوع پر بھی بحث کی ہے۔ ان کی مرنجان شخصیت دوستوں کی محفلوں کو باغ و بہار بنائے رکھتی ہے اور بقول ڈاکٹر مصطفوی وہ سدا بہار اور سدا جوان ہیں۔ شعر و ادب گو ان کا اوڑھنا بچھونا ہے مگر سیاست سے بھی چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ راقم نے کئی دفعہ ان سے کہا ہے کہ آپ نے اپنی شخصیت کو کئی خانوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ اسے ایک عددی وحدت کی صورت میں رکھتے اور بٹ نہ جاتے تب شاید آپ تمرکز تلاش کے ذریعے کسی ارفع تر نکتے کو چھو لیتے

۔بہرحال ان کی یہ اٹھارویں کتاب ان کی انتھک خانہ فرسائی اور اظہار درد دل کے لیے متفرق راستے اختیار کرنے کی دلیل کے طور پر سامنے آئی ہے اور امید ہے علمی اور ادبی حلقوں میں اسے سراہا جائے گا۔

۞۞۞

☐ نام کتاب: **بازگشت**

☐ مصنف: جواد جعفری

☐ ناشر: کشمیر اسلامک سنٹر، مظفرآباد

☐ قیمت: ۲۵۰/روپے

بازگشت معروف کشمیری شاعر ادیب اور ڈائریکٹر کشمیر اسلامک سنٹر مظفرآباد، آزاد کشمیر، کی نئی کتاب ہے جو ان کے سیاسی، ادبی، مذہبی، معاشرتی موضوعات پر مشتمل ۴۷ مقالوں کا مجموعہ ہے۔ کشمیری لیڈر ہونے کے ناتے سے انہوں نے زیادہ تر مقالے کشمیر پر، مثلاً اقوام متحدہ اور کشمیر، اقبال اور کشمیر، حق خود ارادیت، یوم الحاق پاکستان، یوم شہدائے چکوٹھی، یوم یکجہتی کشمیر، کشمیری شخصیات، نیز چند مقالے زبان کا ذائقہ بدلنے کے لیے امریکہ کے خلاف بھی لکھ دیے ہیں۔ایک دو مقالے ایران و پاکستانی روابط اور انقلاب کے بارے میں بھی ہیں۔ایک آدھ مقالہ انسانی حقوق کے لیے اپنے درد کے اظہار کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ کتاب عام سے کاغذ پر چھپی ہے جبکہ جلد پر نہایت سادگی سے کشمیر اور پاکستان کے پرچموں کا ڈیزائن بنایا گیا ہے۔کتاب میں ہر موضوع پر خانہ فرسائی کی گئی ہے مگر "بازگشت" کی خبر دور دور تک نہیں کہ یہ کس کی بازگشت ،کہاں سے اور کب اور کیوں ہوئی۔بہرحال مجموعی طور پر کتاب گوارا ہے۔

☆☆☆

اسلامی جمہوریہ ایران کے نئے سفیر کا دورۂ رایزنی

پاکستان میں ایران کے نئے سفیر عزت مآب محمد ابراھیم طاہریان نے ۱۰ شہریور ۱۳۸۲ش (یکم ستمبر ۲۰۰۳) کو رایزنی فرہنگی کا دورہ فرمایا۔ اس موقع پر رایزن محترم جناب ڈاکٹر رضا مصطفوی نے انہیں خوش آمدید کہا اور ادارے کے مختلف شعبے بشمول شعبہ پیغام آشنا، سمعی وبصری، بخش ترجمہ، شعبہ کمپیوٹر اور کتب خانے کا معائنہ اور سٹاف سے متعارف کرایا۔ سفیر محترم نے رایزنی کی علمی اور ثقافتی سرگرمیوں کو سراہا۔

گرد و پیش

ثقافتی خبریں

شیخ اشراق ابوالفتح عمر بن محمد سہروردی کی تجلیل کے سلسلے میں سازمان فرہنگ و ارتباطات اسلامی کے سربراہ آقای محمود محمدی عراقی کا پیغام

ابوالفتح عمر بن محمد (یحییٰ بن حبش) سہروردی (۵۴۵ یا ۵۵۰-۵۸۱ھ) جن کا لقب شیخ اشراق تھا ممتاز ترین ایرانی فلسفیوں اور عرفا میں سے تھے۔ شیخ کی زندگی اگر چہ مختصر تھی تاہم ان کی اپج اور نو آوری اور غیر معمولی ذہانت عرفان اور فلسفہ کے میدانوں میں نئے افکار اور جدید سوچ لائی اور وہ خداشناسی اور عالم شناسی کے حوالے سے عظیم شخصیات میں شمار ہونے لگے۔

انہوں نے خود کو یونانی حکماء کی دریافتوں اور ان کی فلسفیانہ اور منطقی تحصیلات کا مقید اور پابند نہیں کیا بلکہ وہ روایتی ایرانی فلسفے کے عمق اور عرفان اسلامی کی گہرائی کا ادراک کر کے ایک جدید اور نئے ''فلسفے'' اشراق کے بانی بن گئے۔ شیخ موصوف نے اس مکتب کی بنیاد رکھنے اور قابل قدر کتاب حکمۃ الاشراق کی تالیف کے ذریعے ذوقی حکمت اور نوری مشاہدات کی بنیاد پر اپنی معرفت شناسی کی ایک نئی راہ پیش کی اور اگر چہ ان کا اپنے اشراقی انکشافات پر محکم اور راسخ ایمان تھا اور وہ اپنے تئیں برھانی استدلال اور منطقی مناظرے سے بے نیاز سمجھتے تھے اس کے باوجود انہیں بحثی حکمت اور استدلال ذوق میں بھی تبحر حاصل تھا۔ چنانچہ انہوں نے حکمت اشراق کے عنوان سے ذوقی، انفسی اور عقلی و منطقی تجربات کے آمیزے کو پیش کر دیا۔ ممکن ہے انہیں اپنے دور میں مشرق اور مغرب کی شناخت شناسی کی روایات کا ملحق کنندہ سمجھا جا سکے۔ وہ یونانی فلسفے بشمول ارسطو کے استدلالی فلسفے اور افلاطون کے عقلی فلسفے کو جو ذوقیات کے رنگ میں رنگا ہوا تھا خوب پہچانتے تھے جبکہ دوسری جانب ایرانی عقل مدار ذوقی حکمت، عرفان اسلامی اور خداشناسی پر بھی انہیں مکمل دسترس حاصل تھی۔ اس اعتبار سے اگر چہ فلسفہ اشراق کو ایک قسم کا ترکیبی فلسفہ سمجھ سکتے ہیں لیکن ابتکاری افکار اور رموز و اسرار بھری زبان اور نئے منہاج اور راستے سے استفادے نے ان کے مکتب کو الٰہی اسرار کے ادراک اور عالم وجود کی کنہ

اور حقیقت کی شناخت کے لیے ایک نوظہور مکتب کی صورت میں ممتاز، جاذب، دلکش اور آزاد (مکتب) کی طور پر ارتقا بخشا۔

افسوس ہے کہ شیخ کے افکار کی قدر و منزلت کو ان کے زمانے میں شناخت نہیں کیا جاسکا اور بعض عالم نما کوتاہ بین جہلا کو ان کے گہرے اور نئے افکار کے برداشت کی تاب نہ تھی اور اس چیز سے وہ جوان نابغہ مفکر موت سے ہمکنار ہوا۔ لیکن یہ خوش قسمتی کا مقام ہے کہ شیخ کے بعد ان کے کتب و آثار قطب الدین شیرازی جیسے عظیم دانشوروں کے ذریعے متعارف اور منتشر ہوئے اور امید ہے کہ آج بھی شیخ کی روش اور ان کا طریقہ ایرانی-اسلامی عرفان اور تاریخ فکر و اندیشہ کے مطالعات کے دائرے میں پہلے سے زیادہ معروف ہوگا تاکہ حق و حقیقت کے راستے کے راہرو استوار اور متین نکتہ ہائے نظر سے ان کے خالص افکار اور گراں قدر تجربات کے ذریعے عالم ہستی اور اس کے بے نظیر خالق کی شناخت حاصل کرسکیں۔

شیخ اشراق کی تابندہ روح پر درود اور ان تمام مفکروں اور محققوں کا شکریہ جو اس یگانہ حکیم اور عارف کے تعارف اور تحلیل کے لیے کوشاں ہیں۔

محمود محمدی عراقی

ڈائریکٹر سازمان فرہنگ وارتباطات اسلامی

✿✿✿

سیمینار: تہذیبوں کے درمیان گفتگو

ایرانی تعلیمی اداروں کے محکمے کے زیراہتمام ۱۶ جون ۲۰۰۳ء کو تہذیبوں کے درمیان گفتگو کے عنوان سے اسلام آباد میں ایک سیمینار منعقد ہوا جس کے مہمان خصوصی ڈاکٹر عطاء اللہ مہاجرانی تھے۔ انہوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ تہذیبوں کے درمیان مکالمہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ایک دوسرے کے موقف کو سمجھنے اور اس کا احترام کیے بغیر امن و آشتی ایک خواب ہی رہے گا۔ ایرانی صدر محمد خاتمی نے مکالمے کا جو نظریہ دیا ہے اسے عالمی پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ تقریب کے ایک اور مہمان خصوصی پاکستان کے وزیر ثقافت جناب رئیس منیر احمد نے کہا کہ امن عالم کے لیے مکالمے کی اشد ضرورت ہے۔ تہذیبوں کے تصادم اور ٹکراؤ کا نظریہ مسترد ہو چکا ہے۔ لہذا اقوام عالم کے وسائل امن ترقی اور خوشحالی پر خرچ کیے جانے چاہییں۔ اس سیمینار میں ملک بھر کے تعلیمی اداروں سے آئے ہوئے طلبا اور طالبات نے مقالے اور نظمیں پڑھیں۔ سیمینار میں نائب سفیر ایران جناب رضا علائی کے علاوہ کئی ممالک کے سفیروں اور ممتاز ملکی و غیر ملکی علمی و ثقافتی شخصیات نے بھی شرکت کی۔

رایزنی فرہنگی نے امام خمینیؒ کی چودھویں برسی منائی

۴؍جون ۲۰۰۳ء کو رایزنی فرہنگی اسلامی جمہوریہ ایران نے امام خمینیؒ کی چودھویں ملکوتی برسی کے موقع پر اسلام آباد میں ایک پرشکوہ تقریب منعقد کی جس میں فیڈرل وزیر اطلاعات شیخ رشید احمد کے علاوہ ممتاز سیاسی، مذہبی، ثقافتی اور علمی شخصیات نے شرکت کی۔ اس موقع پر شیخ رشید احمد نے امام خمینی کو خراج عقیدت پیش
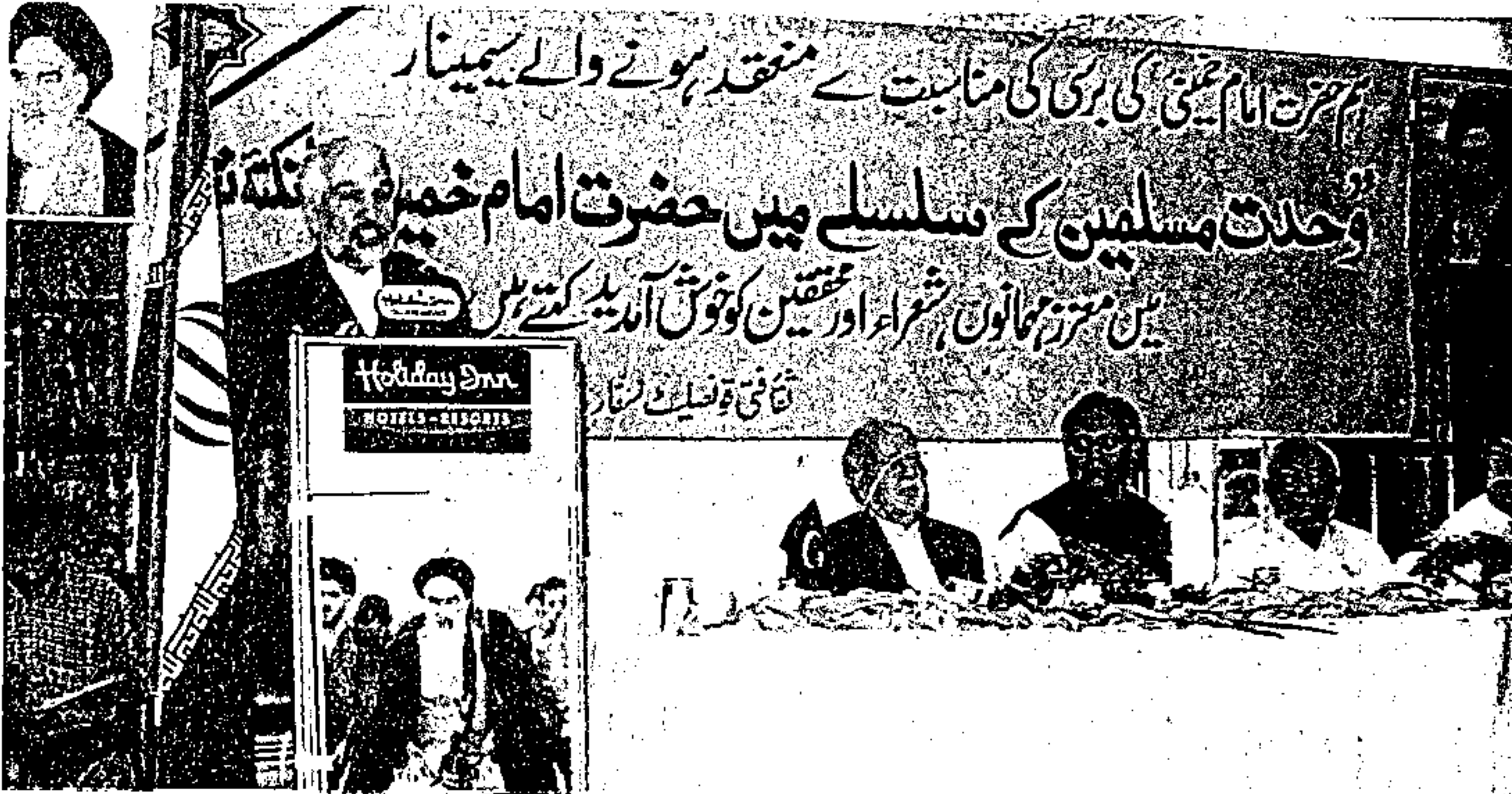
امام خمینیؒ کی برسی کے موقع پر منعقدہ سیمینار میں جناب آقای مہدی خطیب مخاطب ہیں۔

اسٹیج پر بائیں سے دائیں جناب ڈاکٹر رضا مصطفوی، جناب افتخار عارف، سینیٹر جناب خورشید احمد، سفیر تاجکستان جناب مدثلی

کرتے ہوئے کہا کہ رہبر انقلاب اسلامی اور روحانی پیشوا امام خمینیؒ نے اپنے فلسفے سے عالم اسلام کو نئی جہتیں عطا کیں۔ انہوں نے شعور اور آگہی کے لیے جو جدوجہد کی اس کی مثال نہیں ملتی۔ چنانچہ ان کی سوچ اور نظریات ایک خاص مکتب فکر کی سوچ نہیں بلکہ تمام عالم اسلام کے لیے شعور کا پیغام ہے۔ موجودہ دور کے تمام معروضی حالات کی امام نے بہت پہلے ہی پیش گوئی کر دی تھی۔ انہوں نے کہا اس تقریب کا سب سے اہم پیغام یہ ہے کہ پاکستان اور ایران کے دیرینہ رشتوں اور تعلقات کو، جن پر ہمیں فخر ہے، مضبوط بنایا جائے۔ سینیٹر جناب خورشید احمد نے امام خمینیؒ کو معاصر اسلامی مشاہیر محمد عبدہ، علامہ اقبال، مولانا محمد علی جوہر، سید قطب شہید، ابوالکلام آزاد اور مولانا مودودی کی صف کا ممتاز عالم اور مصلح قرار دیا۔ انہوں نے اسلامی ممالک کو باہم فوجی معاہدے کرنے اور اپنی اقتصادی حالت بہتر بنا کر استعمار کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی۔ سینیٹر جناب عباس کمیلی نے کہا کہ امت اسلامی امام خمینی کی تعلیمات سے استفادہ کر کے معروضی رکود کی حالت سے نکل سکتی ہے۔ اکادمی ادبیات کے صدر نشین جناب افتخار عارف نے کہا کہ امام خمینیؒ نے لوگوں کو آمریت کے شکنجے سے نجات دلا کر روشن مستقبل کی راہ پر گامزن کیا۔ کلچرل قونصلر اسلامی جمہوریہ ایران ڈاکٹر رضا مصطفوی نے امام خمینیؒ کے حسین عارفانہ کلام کی چند جھلکیاں پیش کرتے ہوئے اس سے خالق اور مخلوق کے رشتے کو واضح کیا۔ اس موقع پر بعض دیگر شخصیات بشمول پروفیسر مقصود جعفری، ڈاکٹر شگفتہ موسوی، ڈاکٹر غضنفر مہدی، خانم ڈاکٹر سعیدہ ایران نژاد نے بھی خطاب کیا اور ممتاز شعرا نے امام کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔

✿✿✿

خواہران بلتستان نے سکردو میں امام خمینیؒ کی برسی منائی

مدرسہ فاطمیہ سکردو میں امام خمینی کی چودھویں برسی کی مناسبت سے خواتین کی ایک پرشکوہ تقریب منعقد ہوئی۔ خواہران نے اس اجتماع میں ''عالمی وحدت اسلامی کے سلسلے میں امام خمینیؒ کی آرا'' کے عنوان سے مقالے پڑھے جبکہ جامعۃ الزہرا اور مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ سے آئی ہوئی خواہران نے بھی اپنی تقاریر میں امام خمینیؒ کی شخصیت کو خراج تحسین پیش کیا۔

اس پروگرام میں علاقے کے دینی اور سرکاری مدرسوں اور اسکولوں سے ۲۵۰ خواتین نے شرکت کی۔ آخر میں حجۃ الاسلام شیخ جواد حافظی نے خواہران کے درمیان انعامات تقسیم کیے۔

✿✿✿

خانہ فرہنگ کوئٹہ میں جشن عید میلادالنبیؐ اور ہفتہ وحدت کی تقریب

محفل کی صدارت اسپیکر بلوچستان اسمبلی حاجی جمال شاہ کاکڑ نے کی جبکہ خصوصی مہمانوں میں وزیر بلدیات واطلاعات حافظ حسین شرودی، اسلامی جمہوریہ ایران کوئٹہ کے کونسل جنرل حسین کشمیری، سینیٹر حاجی رحمت اللہ، ڈاکٹر انعام الحق کوثر، جامعہ امام صادقؑ کے پرنسپل محمد جمعہ اسدی، ڈاکٹر سلطان الطاف علی، دارالعلم جعفری کے پرنسپل حسین علی رفیعی اور صوبائی امیر جماعت اسلامی مولانا عبدالحق شامل تھے۔

امام خمینیؒ کی چودھویں برسی پر ڈائریکٹر خانہ فرہنگ کوئٹہ جناب عیسیٰ کریمی مخاطب ہیں

اسلامی جمہوریہ ایران کے ڈائریکٹر جنرل عیسیٰ کریمی نے اتحاد کی اہمیت اور اس کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا عبدالرحمٰن جامی کے مثنوی معنوی سے چند دلچسپ فارسی اشعار پڑھے۔ سینیٹر حاجی رحمت اللہ نے اتحاد کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے کہا کہ استعماری قوتیں مسلمانوں پر غلبے کے لیے سازشیں کر رہی ہیں اور ہم صرف متحد ہو کر کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

صوبائی وزیر بلدیات واطلاعات حافظ حسین احمد شرودی نے ہفتہ وحدت کو اچھا اور موثر قدم قرار دیتے ہوئے سیرت نبوی کی پیروی کو تمام کامیابیوں کی کنجی قرار دیا اور کہا کہ موجودہ دور میں اتحاد وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اسلامی جمہوریہ ایران کے کونسل جنرل حسین کشمیری نے اتحاد کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے کہا کہ اسلامی جمہوریہ ایران تمام وحدت پسندوں کا قدردان ہے انہوں نے کہا کہ عملی وحدت کے بغیر ہماری نجات ممکن نہیں۔ اس موقع پر سیرت رسولؐ سے متعلق کتابیں اور سی ڈیز بھی شرکائے محفل کے لیے نمائش میں رکھی گئی تھیں۔
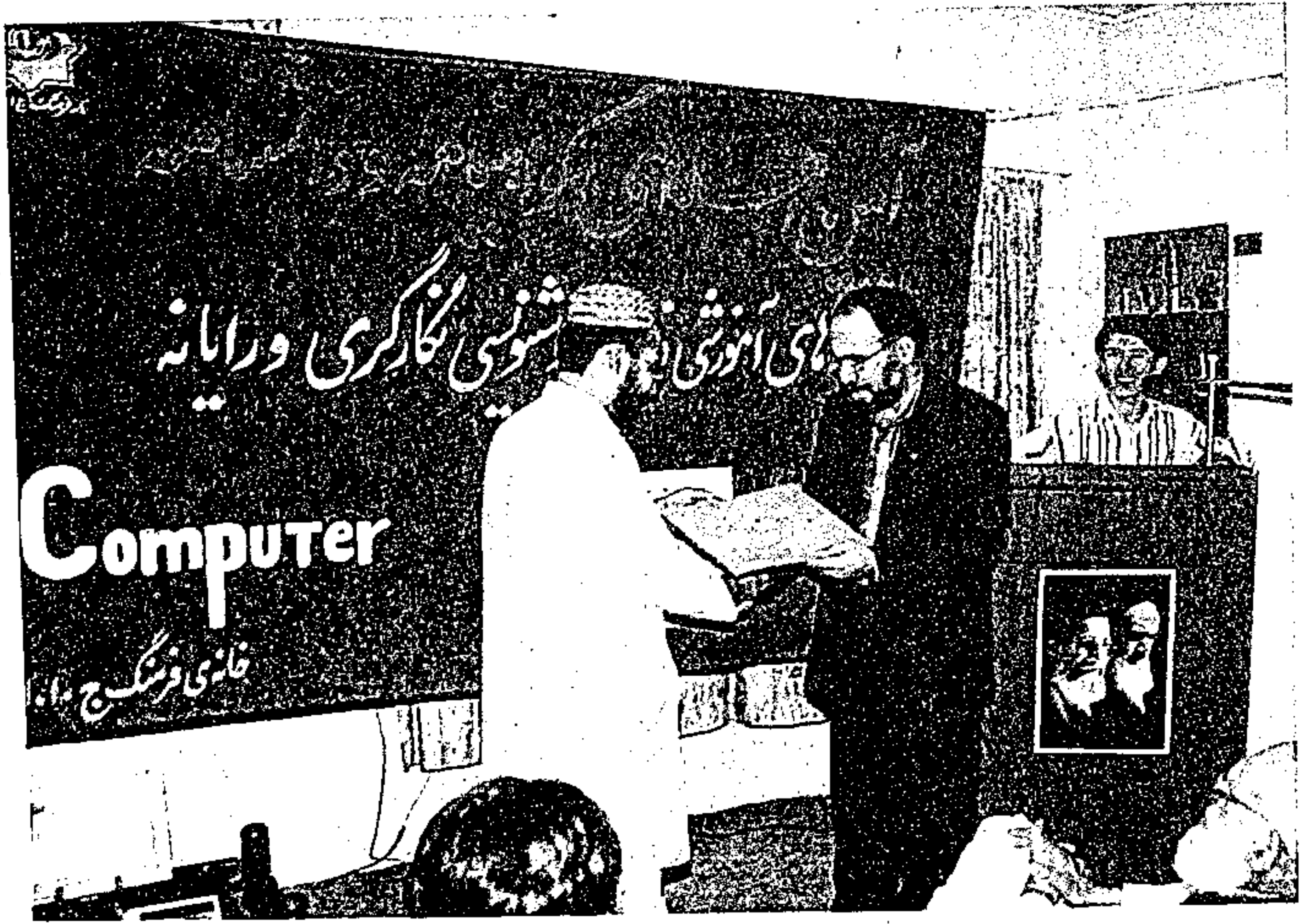
خانہ فرہنگ کوئٹہ کے ڈائریکٹر جناب عیسیٰ کریمی فارسی کلاس کے کامیاب طالب علم کو سند پیش کرتے ہوئے

خانہ فرہنگ ایران-کوئٹہ کی خوبصورت تعلیمی وثقافتی تقریب

۲۴ مئی ہفتے کی شام ۴ بجے خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران کوئٹہ میں تقریب تقسیم اسناد، دانشور محترم ڈاکٹر انعام الحق کوثر کی صدارت میں فارسی، خطاطی، مصوری اور کمپیوٹر کلاسز کے ۷۴ ویں کورس کے ۸۰ کامیاب طلباء وطالبات کے اعزاز میں منعقد کی گئی۔

اس موقع پر خانہ فرہنگ کے ڈائریکٹر جنرل عیسیٰ کریمی نے کہا کہ خطاطی کے فن کی ابتدا خلیفہ سوم حضرت عثمان غنیؓ کے دور سے ہوئی جب انہوں نے قرآن کریم کو لکھ کر مختلف اسلامی ممالک کے گورنروں کو بھیجنے کا حکم صادر فرمایا اور بعد میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی اس کی تائید کی۔ آخر میں مدیر خانہ فرہنگ کوئٹہ نے فارسی اشعار پر مشتمل کتاب کا ایک نادر نسخہ ڈاکٹر انعام الحق کی خدمت میں پیش کیا۔

☆☆☆

امام خمینیؒ کی برسی پر جامعہ امام صادق کوئٹہ میں امت اسلامی کے اجتماع کا ایک روح پرور نظارہ

امام خمینیؒ کی چودھویں برسی پر خانہ فرہنگ کوئٹہ کی طرف سے سیمینار

انقلاب اسلامی ایران کے بانی اور عظیم مفکر اسلام حضرت امام خمینیؒ کی چودھویں برسی کے موقع پر خانہ فرہنگ اسلامی جمہوریہ ایران کوئٹہ نے مدرسہ جامعہ صادقؑ کے تعاون سے مدرسہ جامعہ امام صادقؑ کے ہال میں سیمینار منعقد کیا۔

سیمینار میں صوبائی امیر جمعیت علمائے اسلام اور ممبر قومی اسمبلی مولانا محمد خان شیرانی، سپیکر بلوچستان اسمبلی حاجی جمال شاہ کاکڑ، وزیر لیبر، حج و اوقاف مولوی فیض محمد، اسلامی جمہوریہ ایران کوئٹہ کے قونصل جنرل حسین کشمیری، کے علاوہ ممتاز سیاسی، سماجی، علمی شخصیات نے شرکت کی۔ اس موقع پر پروفیسر سلطان الطاف حسین نے کہا جب ہم امام خمینی کی شخصیت کو اس وقت کے زمانے کے تقاضوں کی بنیاد پر پرکھتے ہیں تو امام خمینیؒ ایک عہد ساز شخصیت نظر آتے ہیں۔ انہوں نے ایران کے اسلامی انقلاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک عظیم کامیابی تھی۔ اس کے بعد امان اللہ شادیزئی نے اپنے خطاب میں مسلمانوں کی

کوئٹہ میں امام خمینیؒ کی چودھویں برسی کی تقریب میں شرکاء کا منظر

عالمی حالت پر روشنی ڈالی۔ خانہ فرہنگ کوئٹہ کے ڈائریکٹر جنرل عیسیٰ کریمی نے کہا کہ عالم اسلام کے تمام علماء ایک ہی چشمے سے سیراب ہوئے اور وہ چشمہ ''پیغام وحی'' ہے جسے ہم نے اپنے پیارے نبیؐ کے توسط سے حاصل کیا ہے۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے اسلامی انقلاب کا پس منظر بیان کرتے ہوئے امام خمینیؒ کے توکل اور اللہ تعالیٰ پر ان کے ایمان کی تعریف کی اور کہا کہ انہوں نے علامہ اقبال کے افکار خصوصاً فلسفۂ خودی کو خودشناسی کا خوبصورت روپ دیا۔ صوبائی وزیر مولانا فیض محمد نے کہا کہ امام خمینیؒ نے انقلاب اسلامی کی کامیابی کی راہ میں بہت سے مصائب برداشت کیے۔ اس موقع پر ایک خوبصورت تصویری نمائش کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔

پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے فارسی مجلّہ سفینہ کی اشاعت

پاکستانی مطبوعات کی دنیا میں فارسی زبان کے مجلّہ سفینہ کا پہلا شمارہ، جس میں رئیس محترم اورینٹیل کالج پنجاب یونیورسٹی اور کلچرل قونصلر اسلامی جمہوریہ ایران ڈاکٹر رضا مصطفوی کے پیغامات چھپے ہیں اب شائع ہو گیا ہے۔

مجلہ پیغام آشنا اپنے ہمعصر مجلّے کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے اس کے سرپرست محترم، ایڈیٹر محترم، ایڈیٹوریل بورڈ کے ارکان محترم اور مقالات کے لکھاریوں کے لیے روز افزوں توفیقات کی دعا کرتا ہے۔

قارئین کے خطوط

Dr. Javid Iqbal

Retd: { JUDGE SUPREME COURT OF PAKISTAN
CHIEF JUSTICE LAHORE HIGH COURT

81 - MAIN GULBERG
LAHORE - PAKISTAN
PHONES: 9242-5752647
: 9242-5754802
FAX : 9242-5754808

مورخہ ۱۹ جولائی ۲۰۰۳ء

محترمی و مکرمی۔

السلام علیکم۔

آپ کا ارسال کردہ پیغامِ آشنا کا خصوصی اقبال نمبر موصول ہو گیا۔ میری طرف سے بہت بہت شکریہ قبول کیجئے۔ یہ شمارہ نہایت اہم مضامین پر مشتمل ہے اور یقیناً بہت پسند کیا جائے گا۔

خیر اندیش

جاوید اقبال

پیغام آشنا کے نام

قارئین کرام پیغام آشنا نے اپنی چوتھی سالگرہ کے موقع پر ارباب علم و دانش اور صاحبان ذوق سلیم کو شاعر شہیر مشرق علامہ اقبال پر ایک خصوصی نمبر پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ پاکستان چونکہ ایک نظریاتی ملک ہے اور اقبال اس نظریے کے عظیم علمبردار ہیں، اس لیے فکر اقبال کی ترویج پر جتنا بھی کام کیا جائے کم ہے۔ یہاں تک کہ مفکر و حکیم امت کے اس شعر کے مطابق کہ "خدایا آرزو میری یہی ہے مرا نور بصیرت عام کردے۔
اقبال کا نور بصیرت نہ صرف اسی ملک کے قریے قریے تک بلکہ عالم رنگ و بو کے ہر ہر گوشے تک پہنچ جائے اور موجودہ ہر طرف پھیلے ہوئے اس جبر و استحصال اور ظلم و ستم شاہی کے ماحول میں نسیم جانفزا کا ایک خوشگوار اور دلآویز جھونکا میسر آجائے۔ (ادارہ)

ڈاکٹر جاوید اقبال، چیف جسٹس (ریٹائرڈ)
ہائیکورٹ، لاہور

آپ کا ارسال کردہ پیغام آشنا کا خصوصی اقبال نمبر موصول ہو گیا۔ میری طرف سے بہت بہت شکریہ قبول کیجیے۔ شمارہ نہایت اہم مضامین پر مشتمل ہے اور یقیناً بہت پسند کیا جائے گا۔

❀❀❀

Mehtab Akbar Rashdi.
Director General ,Provincial Ombudsman's Office Sindh.

With great sense of pleasure I acknowledge the receipt of special *"Hazrat Ali"* number.This is a very laudable effort which deserves appreciation. I am sure this unique publication will be well received.

❀❀❀

Dr. Riazul Islam
Secretary, Institute of Central & West Asian studies, University of Karachi.

We acknowledge with thanks receipt of the Paygham-e-Ashna's "Special Ali Supplement."This will constitute important addition to the Library of the Institute of Central and West Asian Studies.

❀❀❀

محترمہ سعدیہ راشد، صدر ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی

شخصیت علیؑ پر معلومات افزا مقالوں نے اس مجلے کو نہایت اہم بنا دیا ہے۔ علم و فضل سے بھرپور تحریریں دیکھ کر دلی خوشی اور ایمانی تقویت حاصل ہوتی

ہے۔ فارسی زبان میں علامہ اقبال کا سپاس نامہ اور محترم ظفر عباس صاحب کے اردو ترجمے نے اس شمارے کی پسندیدگی میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔

❀❀❀

لیفٹننٹ جنرل ڈاکٹر سہیل عباس جعفری، لاہور

مجلہ پیغام آشنا، شمارہ ۹-۱۰ موصول ہوا جس کے لیے میں شکر گزار ہوں۔ اسلامی جمہوریہ ایران کی امن و آشتی اور معاشرے کی ترقی کے سلسلے میں جملہ کوششوں کو ہر عاقل انسان بیحد قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہے اور ان کے بارآور ہونے کیلئے دعا گو ہے۔

❀❀❀

Naeem Akram, President, Bazam-e-Urooj-e-Adab,Rawalpindi.

Receipt of 8th Number of Paigham-e-Ashna is hereby acknowledged with thanks.It is indeed a very comprehensive anthology of articles on Hazarat Ali which are in fact, very beautifully presented.

❀❀❀

بشیر احمد گلزار، لائبریرین سکرچن لائبریری چھور بٹ

سکرچن لائبریری کے قارئین اس رسالے کو بہت شوق سے پڑھتے اور رسالے کے مختلف مضامین پر غور و فکر اور تعریف کرتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آئندہ ہماری قارئین کی دلچسپیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے رسالے کی ترسیل جاری رکھیں گے۔

❀❀❀

ظفر احمد پوری، احمد پور سیال جھنگ

شمارہ نمبر ۹-۱۰ ملا، پڑھ کر تسکین قلب ہوئی۔ ہر حصہ دوسرے پر بھاری ہے۔ مضامین نظم و نثر اردو ادب میں گرانقدر اضافہ ہیں۔ ایران و پاکستان سے متعلق تمام مقالے پڑھے، علم میں اضافہ ہوا۔ اس کاوش پر میری طرف سے خراج تحسین قبول فرمائیے۔

❀❀❀

محمد انور سرور، لائبریرین، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

آپ کا ارسال کردہ شمارہ ''پیغام آشنا'' ہمارے کتب خانے میں موصول ہوا جس کے لیے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔ بہت سے محققین اور قارئین اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ امید ہے ہمارے ادارے کے ساتھ آپ کا یہ تعاون آئندہ بھی جاری رہے گا۔

❀❀❀

سید ذوالفقار علی زیدی، یونی لیور اسٹیٹ، رحیم یار خان

میں آپ کا بیحد مشکور ہوں کہ آپ نے ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھا۔ آپ کا بھیجا ہوا تحفہ ''پیغام آشنا'' ملا۔ بیحد خوشی ہوئی۔ امید ہے آئندہ بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔

❀❀❀

وزیر محمد حسن، جنرل سکریٹری سپریم کونسل انجمن محبان آل نبی، محلہ کھر، مہدی آباد

مجلہ بہت معیاری ہے جس کی تعریف ادا نہیں کر سکتے۔ ہمارے انجمن کے بہت سے ممبر اس سے مستفید ہونگے

اور نسل نو کی ذہنی نشو ونما پر مفید اثرات مرتب ہونگے۔

❀❀❀

سید صادق رضا نقوی، مسلم ٹاون راولپنڈی

مجلہ پیغام آشنا دیکھا وقت کی کمی کے باعث صرف ایک مضمون جو کہ محترم عباس کاظمی صاحب کا تحریر کردہ تھا دیکھا پسند آیا۔

❀❀❀

ایم ناصر امین، ماڈل ٹاون بہاولپور

یقیناً یہ ایک قابل مطالعہ پیشکش ہے اور جہاں اس میگزین سے انسانی فطرت کے بنیادی تقاضوں سے آگاہی حاصل ہوتی ہے وہاں صلح وامن کا پیغام بھی ملتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ثقافت سے بھی آگاہی ملتی ہے۔

❀❀❀

سید شفیق علی انجینیر ٹمپل روڈ، لاہور

پیغام آشنا کا شمارہ نمبر ۹-۱۰ بھیجنے کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ یہ شمارہ بھی ہمیشہ کی طرح اپنے اعلیٰ معیار کے ساتھ بیحد علمی، ادبی، تحقیقی اور ثقافتی خبروں کا نہایت ہی مؤثر مجموعہ ہے۔ خاص طور پر "اپنے آپ سے گفتگو" "شجر سایہ دار" اور "تمدنوں کے درمیان گفتگو" جیسے مضامین تو بہت پسند آئے۔

❀❀❀

متین جعفری، احمد پور سیال

"تمدنوں کے درمیان گفتگو خاص نمبر" میرے ہاتھوں میں ہے خوبصورت سرورق، عمدہ مضامین، معلومات ومنظومات کا یہ لازوال مرقع قابلِ تعریف اور لائق مطالعہ ہے۔

❀❀❀

طاہر ربانی، ڈگری کالج، سکردو

تمدنوں کے درمیان گفتگو کے موضوع پر اس خاص اشاعت میں قابل اساتذہ اور دانشوروں کی تحریریں بڑی خیال آفرین اور دلنشین ہیں۔ خدا کرے کہ یہ تحریریں بڑے وسیع حلقوں میں اپنا اثر چھوڑیں۔

❀❀❀

ڈاکٹر جاوید اقبال امیری، اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ فلسفہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی

کچھ عرصہ سے خانہ فرہنگ کراچی کے توسط سے آپ کا قابل قدر مجلّہ مجھ تک پہنچ رہا ہے۔ مندرجات کا مطالعہ کر کے خوشی بھی ہوتی ہے اور اطمینان بھی۔ ساتھ ہی ساتھ حوصلہ بھی بڑھتا ہے کہ اس تشدد سے بھری دنیا میں علم ودانش کے کچھ نخلستان ابھی بفضل باری تعالیٰ باقی ہیں۔ مالکِ کل ان کو سلامت رکھے اور ان کی آبیاری کرے۔

❀❀❀

احمد خان مدھوش، ضلع دادو، سندھ

پیغام آشنا کا شمارہ نمبر ۹-۱۰ بہ عنوان تمدنوں کے درمیان گفتگو مل چکا ہے۔ تحقیقات کے لحاظ سے بہت پسند آیا۔ قدیم تہذیبوں کے میل جول سے تاریخی طور پر جدید کلچر کو سنوارا جا سکتا ہے۔ آپ کی کاوشیں ثقافتی رابطوں کو اجاگر کر رہی ہے۔ یہ خوش آیند بات ہے کہ

پیغام آشنا کی بدولت اسلامی معلومات، ادب، تصوف شناسی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

❀❀❀

عبدالعزیز موہنجوڈاڑو، ضلع ٹھٹھہ، سندھ

نوازش ہے کہ آپ نے اپنے خلوص ومحبت سے اس لائبریری کو نوازا۔ آپ کا لٹریچر خصوصاً مجلّہ ''پیغام آشنا'' میگزین وغیرہ ہماری لائبریری کی رونق ہے اور قارئین اسے بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔

❀❀❀

قاضی محمد مطیع الرحمان، ہری پور

پیغام آشنا کا ''شمارہ نمبر ۸، علی نمبر'' میرے سامنے ہے۔ یہ شمارہ بہت اہم شخصیات کے خوبصورت مضامین سے مزین ہے۔

❀❀❀

قاری حافظ فیاض احمد انصاری، ناظم اعلیٰ، جامعہ صابریہ فاروقیہ قصور۔

ماشاء اللہ مجلّہ معنوی اور صوری لحاظ سے بہت عمدہ ہے اور امید ہے لسانی اور قومی تعصبات کو ختم کرنے میں مفید ثابت ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب فرمائے۔

❀❀❀

وزیر نثار حسین، مدرس ہائی سکول، مہدی آباد

پیغام آشنا کا شمارہ نمبر ۹-۱۰ موصول ہوا مجلّہ وصول ہونے پر شکریہ، دعا کرتا ہوں کہ اللہ جل شانہ آپ اور آپ کی تمام ارکان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ خصوصی شمارہ ہر لحاظ سے معیاری اور جاندار ہے۔

❀❀❀

حکیم سید اکرام حسین سیکری، میرپور خاص، ضلع تھرپارکر، سندھ

آپ نے یہ رسالہ بھیج کر مجھے اور میرے حلقۂ عقیدت کو نوازا ہے۔ اس لیے ہم سب کی جانب سے مبارکباد قبول کریں امید ہے کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا اور اس رسالہ کے تمام مضامین قابل تعریف ہیں اور اس کا اجرا ایک قابل قدر کارنامہ ہے۔ ایران اور پاکستان کے لوگوں کیلئے یہ مجلّہ ایک تحفہ ہے۔

❀❀❀

ندیم ہاشمی، عالمی ادبی فورم، نارتھ ناظم آباد، کراچی

''پیغام آشنا'' کا شمارہ نمبر ۹-۱۰ جو خصوصی نمبر بہ عنوان تمدنوں کے درمیان گفتگو ہے مجھے موصول ہوا۔ یقین کامل ہے کہ اس شمارے کی بدولت پاکستان و ایران کے تعلقات میں اضافہ ہوگا اور آپس کے فروعی اختلافات کو دور کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔

❀❀❀

پروفیسر محمد اقبال جسکانی، راجن پور

پیغام آشنا کی تخلیقات چاہے منظومات ہوں یا نثر نہایت جاندار اور ادبی مواد قابل قدر ہوتا ہے۔ بندہ خود بھی اس سے مستفید ہوتا ہے اور اپنے حلقۂ احباب میں بھی اسے متعارف کراتا ہے۔ تمام احباب دفتر ثقافتی

نمایندہ کی اس لازوال اور انتھک کوشش کو تحسین کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اس مجلہ کو پاکستان و ایران کے درمیان دوستی کا پل کہا جا سکتا ہے۔ مدیر مسؤول، سر دبیر، مسئول ہماہنگی و نظارت کمپوزنگ و طباعت والوں کی خدمت میں مبارک باد۔

❀❀❀

خادم حسین ڈھوٹ، ڈائریکٹر شہباز ینگز ویلفیر سوسائٹی (سیوا)، خیر پور

پیغام آشنا کا شمارہ نمبر ۹-۱۰ بہ عنوان ''تمدنوں کے درمیان گفتگو'' وصول ہوا، جس کے لیے شکریہ۔ سفارت اسلامی جمہوریہ ایران اسلام آباد، ثقافتی موضوع پر گفتگو کروانے اور کتاب شایع کرنے پر مبارک باد کے لائق ہے۔

❀❀❀

امجد اقبال، ماڈل کالج G10/4 اسلام آباد

علامہ اقبال کے فکر و فلسفہ کی تشریح و توضیح کے سلسلے میں ثقافتی قونصلیٹ اسلامی جمہوریہ ایران کی کاوشوں کو نہ سراہنا بخل ہوگا۔ میں ڈاکٹر رضا مصطفوی اور ان کی پوری ٹیم کو پیغام آشنا کا علامہ اقبال خصوصی نمبر شائع کرنے پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

❀❀❀

سید محمد عبداللہ شاہ قادری، واہ کینٹ

علامہ اقبال خصوصی نمبر میں حضرت حکیم الامت علامہ شیخ محمد اقبال لاہوری علیہ الرحمۃ کی زندگی کے ہر پہلو کو سمجھنے کے لیے کافی مفید مواد موجود ہے۔

لکھاری حضرات نے بڑی دیانت داری سے مضامین تحریر کیے ہیں۔ علامہ اقبال خصوصی نمبر اردو، فارسی، انگریزی زبان کا بڑا حسین امتزاج ہے۔ پیغام آشنا کا یہ نمبر مدتوں تک قاری کے ذہن میں نقش رہے گا، اس اشاعت پر ڈاکٹر رضا مصطفوی سبزواری مدظلہ، ڈاکٹر سلیم اختر اور جاوید اقبال قزلباش مبارک باد کے مستحق ہیں اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے حبیب مکرم کے صدقے آپ کے ادارہ کو مزید ایسے وقیع نمبر شائع کرنے کی توفیق بخشے۔ مضامین کے مترجم جاوید اقبال قزلباش صاحب نے ترجمہ کا حق ادا کیا ہے۔

❀❀❀

عامر منظور ایڈووکیٹ، کچہری خانپور

علامہ اقبال خصوصی نمبر موصول ہوا۔ تہہ دل سے مشکور ہوں کہ آپ نے اس قدر قیمتی تحفہ ارسال فرمایا۔ میں آپ کو مجلہ پیغام آشنا کے جملہ معاونین کو تہہ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

پیغام آشنا کا یہ شمارہ (علامہ اقبال خصوصی نمبر) اقبالیات میں ایک گراں قدر اضافہ اور ایک بہترین تحقیقی و تخلیقی سرمایہ ہے۔

علامہ اقبال خصوصی نمبر آپ کی اور جملہ مدیران کرام کی ایک عمدہ کاوش ہے جس کے لیے پورا ادارہ مبارک کا مستحق ہے۔ مضمون نگار حضرات نے اپنے اپنے عنوانات کے تحت مفید معلومات کا خزینہ جمع کر دیا

ہے۔ جناب سید محمد عبداللہ قادری نے علامہ اقبال کے حوالہ سے تصوف کا عملی، روحانی اور معنوی پہلو خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔

❀❀❀

ڈاکٹر سید محمد ظاہر شاہ بخاری، اسلام آباد ماڈل کالج، G-10/4، اسلام آباد

موجودہ حالات میں جبکہ ہمارے تہذیب وتمدن کو چاروں طرف سے بدیسی نظریات سے خطرہ لاحق ہے اور مذہبی روایات کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے۔ نسل نو کو اقبالیات سے روشناس کرانا وقت کی اہم ضرورت ہے اور اس طرح قدیم وجدید کا ایک حسین امتزاج پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اقبال نمبر ۲۰۰۳ء کی اشاعت ثقافتی قونصلیٹ ایران کا ایک انتہائی مستحسن قدم ہے اور اس کی تیاری میں جن دانشوروں نے حصہ لیا ہے وہ مبارکباد اور شکریے کے مستحق ہیں۔

❀❀❀

الپو چوفقیر میموریل لائبریری خپلو

پیغام آشنا کے تمام مضامین انتہائی مفید، دلچسپ اور حد درجہ معلوماتی ہیں۔ مجلہ ہذا میں اردو، فارسی، انگلش کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ شمارہ اقبال نمبر کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ یہ چھوٹے بڑے سبھی قارئین کا یکساں پسندیدہ اور سب سے زیادہ پڑھا جانے والا مجلہ ہے۔ پیغام آشنا کسی ریفرنس بک سے کم نہیں ہے۔

❀❀❀

پروفیسر ڈاکٹر سلطان الطاف علی، کیچی بیگ، کوئٹہ

علامہ اقبال خصوصی نمبر آپ کی اور جملہ مدیران کرام کی ایک عمدہ کاوش ہے جس کے لیے پورا ادارہ مبارک کا مستحق ہے۔ مضمون نگار حضرات نے اپنے اپنے عنوانات کے تحت مفید معلومات کا خزینہ جمع کر دیا ہے۔ جناب سید محمد عبداللہ قادری نے علامہ اقبال کے حوالہ سے تصوف کا عملی، روحانی اور معنوی پہلو خوش اسلوبی کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔

❀❀❀

ناصر عباس شمیم، مہدی آباد، بلتستان

پیغام آشنا ادبی اور علمی ذوق کے لیے باعث تسکین ہے۔ شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کے حوالے سے آپ حضرات ناقابل فراموش خدمات انجام دے رہے ہیں۔ میری طرف سے پیغام آشنا کی تمام ٹیم کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد۔

☆☆☆

فہارس

فهرست انتشارات رایزنی فرهنگی ج.ا.ایران
(سال ۱۳۷۹ - تا نیمهٔ ۱۳۸۲)

۱ مجله پیغام آشنا ۱۴ شماره
۲ حافظ پژوهی در پاکستان
۳ پژوهشهای علی (ع) شناسی در پاکستان
۴ دعای کمیل (باترجمهٔ اردو و فارسی)
۵ نمی از یم (ترجمه اردو)
۶ نقش زن در جمهوری اسلامی ایران
۷ سبوی دوست (دربارهٔ حضرت امام خمینی (رض))
۸ گفتگوی دوست (دربارهٔ حضرت امام خمینی (رض))
۹ کوی دوست (دربارهٔ حضرت امام خمینی (رض))
۱۰ بادهٔ خیام
۱۱ ایران سال ۲۰۰۰ کی دهلیز پر
۱۲ جاذبه و دافعه حضرت علی علیه‌السلام (ترجمهٔ انگلیسی)
۱۳ راهنمای موزه ها فرهنگسراها و گالری ها در ایران
۱۴ انقلاب نور کے ثمرات
۱۵ اقبال مشرق کا بلند ستاره (بیانات رهبر معظم انقلاب اسلامی دربارهٔ علامه اقبال)
۱۶ حیات فاطمه (س) (ترجمه اردو) چاپ اول
۱۷ حیات فاطمه (س) (ترجمه اردو) چاپ دوّم
۱۸ ویژه‌نامهٔ سفر جناب آقای خاتمی ریاست جمهوری اسلامی ایران به پاکستان (ماهنامه جهان اینترنیشنل - دسامبر ۲۰۰۲)
۱۹ پندنامهٔ عطار (ترجمهٔ منظوم اردو)
۲۰ فرهنگ جامع (سه زبانه - فارسی، اردو و انگلیسی)

* * *

فهرست

کتابها، مقاله ها، سخنرانیهای چاپ شدهٔ آقای دکتر رضا مصطفوی رایزن فرهنگی ج.ا.ایران در پاکستان

(از نیمهٔ دوّم سال ۱۳۷۸ ش تا بهار ۱۳۸۲)

۱ - **پژوهشهای علی (ع) شناسی در پاکستان** (به مناسبت سال حضرت علی علیه‌السلام)، انتشارات رایزنی فرهنگی جمهوری اسلامی ایران، اسفند ماه ۱۳۸۰ ش - اسلام‌آباد

۲ - **حافظ پژوهی در پاکستان** (به مناسبت روز حافظ)، رایزنی فرهنگی جمهوری اسلامی ایران بیستم مهر ماه ۱۳۸۰ - اسلام‌آباد

۳ - **یادگار هندوستان** (سی و دو جُستار دربارهٔ فرهنگ و تمدّن شبه قارهٔ هند و پاکستان) (به مناسبت سال گفتگوی تمدنها)، ۱۳۸۰ - اسلام‌آباد

۴ - **دکتر محمّد اقبال کا کلام، ظلم کے خلاف پیکار سے معمور افکار،** فصلنامهٔ پیغام آشنا شمارهٔ ۱، سال اوّل - شماره اول بهمن ماه ۱۳۷۸ ، : رایزنی فرهنگی - اسلام‌آباد

۵ - **پاکستان مین سیرت النبی (ص) کے فارسی مخطوطات،** فصلنامه پیغام آشنا شماره ۲، سال اوّل، خرداد ماه ۱۳۷۹ (جون ۲۰۰۰)، رایزنی فرهنگی - اسلام‌آباد

۶ - **برّصغیر پاک و هند مین ساتوین صدی هجری کے دوران فارسی لغت نویسی کا ایک تحقیقی جائزه،** فصلنامهٔ پیغام آشنا، شماره ۳، سال اوّل، مهر ماه ۱۳۷۹ ش، اکتبر ۲۰۰۰ م ، رایزنی فرهنگی - اسلام‌آباد

۷ - **وادی سندھ کے تمدن مین ایران کا کردار** فصلنامهٔ پیغام آشنا سال دوّم

شمارۂ ۵ ـ ٦ زمستان ۱۳۷۹ ـ بهار ۸۰، خرداد ماه ۱۳۸۰ (جون ۲۰۰۱) ـ سازمان فرهنگ و ارتباطات اسلامی ـ اسلام آباد.

۸ ـ **اقبال اور تهذیبوں کی بحث**، فصلنامه پیغام آشنا شمارۂ ۴ سال اوّل، دی ماه ۱۳۷۹ ش ـ دسامبر ۲۰۰۰ ـ رایزنی فرهنگی ـ اسلام آباد.

۹ ـ **امام خمینی کے اشعار میں حق تعالی کے عارفانه جلوے**، فصلنامه شمارۂ ۷، مهر ماه ۱۳۸۰ (سپتامبر ۲۰۰۱)، سازمان فرهنگ و ارتباطات اسلامی، اسلام آباد

۱۰ ـ **پاکستان میں مطالعات علی (ع) پر تحقیقی کام**، شماره ۸، دی ماه ۱۳۸۰ (دسامبر ۲۰۰۱) رایزنی فرهنگی ـ اسلام آباد،

۱۱ ـ **تمدنوں اور ثقافتوں کے درمیان گفتگو کی اصلیت**، شمارۂ ۹ ـ ۱۰، شهریور ماه ۱۳۸۱ (سپتامبر ۲۰۰۲) رایزنی فرهنگی ـ اسلام آباد. همچنین روزنامه مشرق، ۸ اوت ۲۰۰۲ م (شماره ۲۱۹) کویته و همچنین روزنامه کوهستان ۴ اوت ۲۰۰۲م، کویته. ماهنامه فیض الاسلام، جون ۲۰۰۳ ء انجمن فیض الاسلام راولپندی

۱۲ ـ **دشواریهای کنونی تدریس فارسی در شبه قاره و پیشنهادهایی برای حل آنها**، نامۂ پارسی، شمارۂ اوّل، سال پنجم، بهار ۱۳۷۹، شورای گسترش زبان و ادبیات فارسی، تهران

۱۳ ـ **سیره نگاریهای خطی فارسی در پاکستان**، نامۂ پارسی، شماره اوّل، سال هفتم، بهار ۱۳۸۱، تهران

۱۴ ـ **پیشگفتار بر کتاب ترجمۂ حیات فاطمه**، تألیف استاد دکتر جعفر شهیدی مترجم: سید حسنین عباس گردیزی، ناشرالرضا (ع) پبلیکیشنز، جولائی ۲۰۰۱ ـ اسلام آباد

۱۵ ـ **دو ترجمه سرائیکی ناشناخته از رباعیات خیام و نقد و بررسی آنها**، مجلۂ سخن عشق، شمارۂ اوّل سال پنجم، زمستان ۱۳۸۰، پیاپی ۱۵، گروه اجرایی گسترش زبان فارسی، تهران (خلاصه مقاله) ـ دانش شماره ۵۹ ـ ۵۸ (پائیز و زمستان ۱۳۷۸) ـ اسلام آباد (مقالۂ کامل)

۱٦ ـ **اندیشه های مبارزاتی و زورستیزی در اشعار فارسی دکتر محمد اقبال**، اقبالیات شمارۂ سیزدهم، اقبال آکادمی پاکستان، دسامبر ۲۰۰۲، لاهور، فصلنامۂ دانش، شمارۂ ۵۵ ـ ۵۴ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان (پائیز و

زمستان ۱۳۷۷ ـ اسلام آباد.
۱۷ ـ **اقبال و گفتگوی تمدنها**، دانش، شمارهٔ ۶۱ ـ ۶۰ (بهار و تابستان ۱۳۷۹) فصلنامهٔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ـ اسلام آباد (پاکستان)
۱۸ ـ **سهم ایران در تمدن درّهٔ سند**، دانش، فصلنامهٔ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، شماره ۶۳ ـ ۶۲ (پائیز و زمستان ۱۳۷۹) ـ اسلام آباد (پاکستان)
۱۹ ـ **شاه عبداللطیف بتائی و مولانا جلال‌الدین رومی**، مجلّه مهران، شمارهٔ ۱ و ۲ (سندی ادبی بورد) جنوری ۲۰۰۲، جامشورو، سند (پاکستان)
۲۰ ـ **پیشگفتار، کتاب سمندر سے ایک قطره** (ترجمه نمی از یَم)، خرداد ماه ۱۳۸۱، اسلام آباد
۲۱ ـ **پیشگفتار، کتاب گفتگوی دوست** (مجموعهٔ اشعار شعرای پاکستانی) خرداد ماه ۷۹ رایزنی فرهنگی اسلام آباد (پاکستان)
۲۲ ـ **پیشگفتار، کتاب کوی دوست** (مجموعهٔ از اشعار شعرای پاکستانی) خرداد ماه ۸۰، رایزنی فرهنگی جمهوری اسلامی ایران ـ اسلام آباد (پاکستان)
۲۳ ـ **پیشگفتار، کتاب سبوی دوست** (مجموعهٔ اشعار شعرای پاکستانی) خرداد ماه ۸۱
۲۴ ـ **پیشگفتار**، کتاب گنجینهٔ معانی (مطالب اخلاقی و حکمی در ادبیات فارسی) پروفسور دکتر ظهیر احمد صدیقی، مجلس تحقیق و تالیف فارسی دانشگاه گاورمنت کالج ـ آبان ماه ۱۳۸۱ ـ لاهور
۲۵ ـ **تاریخ بیهقی**، دانشنامهٔ جهان اسلام بنیاد دایرةالمعارف اسلامی مجلد ۶، ۱۳۸۰ ـ تهران.
۲۶ ـ **شهر آرزو اور اقبال کی امنگوں کا انسان**، جنگ (مجله سن دی) ۵ تا ۱۱ جنوری ۲۰۰۳.
۲۷ ـ **حافظ پژوهی در پاکستان**، مجلهٔ فرهنگ و تمدن آسیا (نشریهٔ فرهنگی، اجتماعی ادارهٔ کل آسیا و اقیانوسیه در سازمان فرهنگ و ارتباطات اسلامی، سال دوّم شمارهٔ ۹، دی ماه ۱۳۸۰ ـ تهران
۲۸ ـ **پاکستان میں سعدی کا خوب صورت تذکره**، اخبار اردو مقتدره قومی زبان کا ترجمان جون ۲۰۰۲ ـ پاکستان. همچنین روزنامه پاکستان ۲۴ آوریل ۲۰۰۲ م (شماره ۷۹) اسلام آباد ـ مجله معارف فیچر سروس، شماره ۴۲، ۱۶ مئی ۲۰۰۲ ء کراچی، ماهنامه نوای اخلاق، علی گره اولد بوائز ایسوسی

ایشن ٹیپو رود، راول پندی جون ۲۰۰۲ ـ پاکستان .
۲۹ ـ **زبان و ادبیات فارسی در شبه قارۀ هند**، فرهنگ و تمدن آسیا (نشریۀ فرهنگی، اجتماعی، ادارۀ کل اسیا و اقیانوسیه ـ سازمان فرهنگ و ارتباطات اسلامی) شمارۀ ۴ خرداد ماه ۱۳۸۰ ـ تهران
۳۰ ـ Iranian Impact on Sindh Civilization - The Concept (Vol XXI,No.5.) Safar-al-Muzzafar 1422 AH, May 2001.
۳۱ ـ **پاک ایران تعلقات میں کوئی طاقت رخنہ نہیں ڈال سکتی** ، مجلۀ هفتگی گهرانه، اسلام آباد، جلد ۱ شمارۀ 4 - 12اکتبر 2000
۳۲ ـ **ایرانی ثقافت میں عورت کےخدوخال** (متون ادب فارسی سے)، ماهنامۀ جهان اینترنیشنل، دسامبر 2002 ـ اسلام آباد ـ همچنین روزنامه پاکستان ، ۲۴ دسامبر ۲۰۰۲، (شماره ۳۱۴) ـ اسلام آباد.
۳۳ ـ **مشترکات فرهنگی دو کشور هم دین ، هم ثقافت، هم نسل، همسایه و تقریباً هم زبان**، فشرده یک مقاله به عنوان خیر مقدم به ریاست جمهوری اسلامی ایران به پاکستان، ماهنامه جهان بین‌المللی، دسامبر 2002 ـ اسلام آباد
۳۴ ـ **تمدنوں اور ثقافتوں کےدرمیان گفتگو کی اصلیت** (زمانہ قدیم سے دور حاضر تک) ماهنامۀ جهان اینترنشنل، دسامبر 2002 ـ اسلام آباد ـ همچنین روزنامه پاکستان، ۲۳ دسامبر ۲۰۰۲ اسلام آباد.
۳۵ ـ **پاکستان اور ایران کےتعلقات مثالی هیں** ، ماهنامۀ جهان اینترنیشنل دسامبر 2002، اسلام آباد
۳۶ ـ **اسلامی ثقافت کی ترویج میں سید علی همدانی کاکردار**، ماهنامۀ نوای صوفیه انترنیشنل، شمارۀ ۷۴، جنوری 2003، اسلام آباد
۳۷ ـ **بیهقی، ابوالفضل**، دانشنامۀ جهان اسلام مجلد ۵ بنیاد دایرةالمعارف اسلامی، ۱۳۷۹ ـ تهران
۳۸ ـ **پیشگفتار ، کتاب گنجینه ادب پاک** (گزیدۀ اشعار پنجاه شاعر فارسی گوی پاکستان) تألیف دکتر محمّد سرفراز ظفر، آذر ماه ۱۳۷۹ ش (دسامبر ۲۰۰۰ میلادی) ـ اسلام آباد
۳۹ ـ **پیشگفتار**، ایران سنه ۲۰۰۲ کی دهلیز پر، دفتر ثقافتی نمائنده اسلامی جمهوری ایران، فوریه ۲۰۰۰ (بهمن ۱۳۷۸) اسلام آباد

۴۰ – **پندنامۂ عطار**، دانشنامه جهان اسلام، مجلد ۵ بنیاد دایرةالمعارف اسلامی ۱۳۷۹ - تهران.

۴۱ - **پوربهای جامی**، دانشنامه جهان اسلام مجلد ۵، بنیاد دایرةالمعارف اسلامی ۱۳۷۹ - تهران

۴۲ - **بعضی کوششهای فرهنگی رایزنی فرهنگی** (مصاحب مطبوعاتی مدیر مجلۂ نقاره با رایزن فرهنگی - بهمن ماه ۸۱ - اسلام آباد) نشریۂ سرای دوست از انتشارات رایزنی فرهنگی ج.ا.ا.- اسلام آباد.

۴۳ - **پاکستان و ایران کےثقافتی و ادبی روابط**، پاکستان، جلد 12 - شماره 255، 5 فروری 2003 - اسلام آباد.

۴۴ - **پیشگفتار بر ترجمۂ اردوی کتاب اقبال مشرق کا بلند ستاره**، رایزنی فرهنگی سفارت جمهوری اسلامی ایران - آبان ماه ۷۹ نوامبر ۲۰۰۲) به مناسبت برگزاری سمینار علاّمه اقبال - اسلام آباد.

۴۵ - **پیشگفتار و مقدمۂ کتاب بادۂ گلفام** (برگردان منظوم اردوی رباعیات خیام) ، ترجمۂ آقای قمر رُعَینی، بهمن ماه ۱۳۸۱ - اسلام آباد

۴۶ - **روابط فرهنگی و ادبی پاکستان و ایران**، روزنامه پاکستان، ۵ فوریه ۲۰۰۳ م (شماره ۲۵۶) - اسلام آباد.

۴۷ - **"شب برات' بخشش، استجاب دعا اور رزقوں کی تقسیم کا وعده"** روزنامه پاکستان، ۲۱ اکتبر ۲۰۰۲ م (شماره ۲۵۲) اسلام آباد

۴۸ - Hamadani's Contribution in Transfering, Iranian Culture to Subcontinent.

روزنامه پاکستان تایمز (انگلیسی)، ۹ نوامبر ۲۰۰۲ م - اسلام آباد.

۴۹ - Hamadani's Contribution in Transfering Islamic Culture to Indo - Pak.

روزنامه دی نیوز (انگلیسی) ۹ نوامبر ۲۰۰۲ م - اسلام آباد - راولپندی.

۵۰ - **مدینۂ فاضله و انسان آرمانی اقبال** ، مجلّه سروش از انتشارات وزارت اطلاعات و انکشاف ذرائع ابلاغ، حکومت پاکستان - اسلام آباد نوامبر و دسامبر ۲۰۰۲.

۵۱ - **مضمون آفرینی و گونه گونی مضامین در سبک شعری دکتر محمداقبال**، مجلۂ دانش، شماره ۶۷ - ۶۶ (پائیز و زمستان ۱۳۸۰) فصلنامۂ

مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسفند ۱۳۸۱ ـ اسلام آباد.

۵۲ ـ **امام عاشقان و علامه اقبال**، خطابهٔ نگارنده است در حسینیهٔ کانفرانس، مرکزی امام حسین کونسل، در سالن بزرگ هتل میریت، اسلام آباد، دوّم مارچ ـ ۲۰۰۳ (یازدهم اسفند ماه ۱۳۸۱) روزنامهٔ پاکستان، جمعه ده محرم ۱۴۲۴، شماره ۲۸۰ همچنین ماهنامه بین المللی جهان، اسلام آباد شماره مارچ ۲۰۰۳.

۵۳ ـ **پیشگفتار** بر همهٔ شماره های فصلنامه پیغام آشنا از انتشارات رایزنی فرهنگی ج.ا.ا که تا اواسط سال ۱۳۸۲ چهارده شماره انتشار یافته است.

۵۴ ـ **مقدمهٔ فارسی و انگلیسی** بر کتاب Ali's Attraction & Repul sion (جاذبه و دافعه حضرت علی ترجمهٔ آقای سید محمد ایوب بخاری) (ژانویه ۲۰۰۲ ـ دی ماه ۱۳۸۰) اسلام آباد.

۵۵ ـ **پاکستان کا قومی ترانہ فارسی زبان میں ہونا ہمارے لازوال تعلقات کا ثبوت ہے**(فارسی بودن سرود ملّی پاکستان دلیل روابط زوال ناپذیر ما (ایران و پاکستان) است) ـ مجلهٔ انکشاف ، جلد نمبر 3 ، شماره نمبر 13 ، جولای 2003.

۵۶ ـ **وادی سندھ کے تمدن مین ایران کا کردار** ، مجله انکشاف ،اسلام آباد، جلد نمبر 3 ، شماره نمبر 14 ، 18 تا 31 جولائی 2003.

۵۷ ـ **فیلم و سینما** : بروشور رایزنی فرهنگی ج.ا.ا (فارسی و انگلیسی) اسفند ماه ۷۸ ـ اسلام آباد.

۵۸ ـ **پیشگفتار بر کتاب پندنامهٔ عطار** با ترجمه عبدالرشید قاضی، می ۲۰۰۳ ـ اسلام آباد.

۵۹ ـ **سخن مدیر** : پیشگفتار بر فصلنامهٔ دانش ، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان شماره ۶۹ ـ ۶۸ (بهار و تابستان ۸۱).

۶۰ ـ **دیداری از خانهٔ علاّمه اقبال (اقبال منزل) در سیالکوت** ، فصلنامهٔ پیغام آشنا، شمارهٔ ۱۲ ـ ۱۱ ـ اسفند ماه ۸۱ رایزنی فرهنگی ج.ا.ایران ، اسلام آباد.

۶۱ ـ **سخن مدیر** : پیشگفتار بر کتاب "تحقیق در الهی نامه شیخ محمد فریدالدین عطار نیشابوری"، انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۳۸۲ ش (۲۰۰۳ میلادی).

۶۲ ـ **گزارش سمینار "فرهنگ نویسی فارسی در شبه قاره** (دهلی ، ۲۸ ـ ۲۶ اکتبر ۱۹۹۸)، دانشگاه دهلی، نامه فرهنگستان ، سال چهارم شماره اوّل ، بهار

۱۳۷۷ تاریخ انتشار مهر ماه ۱۳۷۸ ، شمارۀ مسلسل ۱۳۰ ، تهران.
۶۳ ـ مقاله : **ذکر جمیل سعدی در پاکستان** ، فصلنامه دانش، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان شمارۀ ۶۹ ـ ۶۸ (بهار و تابستان ۱۳۸۱) ـ اسلام آباد.
۶۴ ـ **مقاله : مثنوی چیست و مولوی کیست ؟** فصلنامۀ دانش، شمارۀ ۷۱ ـ ۷۰ (پائیز و زمستان ۱۳۸۱)، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد. همچنین مجلۀ سفینۀ، دانشکدۀ خاورشناسی دانشگاه پنجاب، جلد ۱، شمارۀ ۱، سال ۱۳۸۲ ـ لاهور.
۶۵ ـ مقاله : **مدینۀ فاضله (شهر آرزو) اور اقبال کی امنگون کا انسان،** پیغام آشنا شمارۀ ۱۲ ـ ۱۱ اسفند ماه ۱۳۸۱، رایزنی فرهنگی ج.ا.ایران ، اسلام آباد.
۶۶ ـ **حضرت شیخ بهاءالدین زکریا کا فارسی کلام،** خبرین (روزنامه) ملتان ، ۸ اپریل 2003.
۶۷ ـ **حضور ملموس مولانا در شبه قاره (خلاصۀ مقاله)،** خبرنامه شورای گسترش زبان و ادبیات فارسی، دی ماه ۱۳۸۱ شمارۀ ۸۰، تهران
۶۸ ـ **بهاءالدین زکریا ملتانی کےفارسی اشعار،** مجلۀ اخبار اردو ، مقتدره قومی زبان می ۲۰۰۳ ، اسلام آباد، روزنامه پاکستان، ۱۶ اپریل ۲۰۰۳ ء اسلام آباد
۶۹ ـ **دنیا کو برصغیر کی ثقافت سےروشناس کرانےوالا، ابوریحان البیرونی،** مجله اخبار اردو، جلد ۱۹ شماره ، ۶ جون ۲۰۰۳ ء، اسلام آباد
۷۰ ـ **اسلامی انقلاب کےبعد ایران مین درسی کتابون کو عهد حاضرکے تقاضون کےعین مطابق تیار کیا گیاهے** مجله انکشاف، جلد نمبر 3، شماره نمبر 3 - 4 ، فروری ۲۰۰۳ ء اسلام آباد
۷۱ ـ **سخن دانش** (سخن مدیر) فصلنامه دانش، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، شمارۀ ۶۹ ـ ۶۸ (بهار تابستان ۸۱) اسلام آباد
۷۲ ـ **سخن دانش** (سخن مدیر)، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان فصلنامۀ شمارۀ ۷۱ ـ ۷۰ (پائیز و زمستان ۸۱) اسلام آباد
۷۳ ـ **از فرهنگ قوّاس تا فرهنگ جامع،** پیشگفتار برکتاب فرهنگ جامع (فارسی، اردو، انگلیسی) تألیف دکتر علیرضا نقوی، انتشارات رایزنی فرهنگی ج.ا.ایران ـ ۱۳۸۲ ش ـ اسلام آباد
۷۴ ـ **سهم کتابخانۀ گنج بخش در گسترش سنّتهای پیامبر اکرم(ص)،**

فصلنامهٔ دانش، شمارهٔ ۷۱ ـ ۷۰ (پائیز و زمستان ۸۱)، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ـ اسلام آباد

۷۵ ـ **اقبال منزل کی زیارت** ، فصلنامهٔ پیغام آشنا، شمارهٔ ۱۴ ـ ۱۳، رایزنی فرهنگی ج.ا.ایران (بهار ۸۲) ـ اسلام آباد

۷۶ ـ **پیشگفتار بر کتاب حیات فاطمه** (س)، تألیف استاد دکتر سید جعفر شهیدی، ترجمهٔ اردو سید حسنین عباس گردیزی، چاپ اوّل جولائی ۲۰۰۱ ـ چاپ دوّم فوریه ۲۰۰۳ مرکز تحقیقات اسلامی ـ اسلام آباد

۷۷ ـ **سفینه خوش آمدی** (به عنوان پیام مجله) ، پیشگفتار بر مجله فارسی زبان سفینه (جدید) از انتشارات دانشکدهٔ خاورشناسی دانشگاه پنجاب، جلد ۱، شمارهٔ ۱، سال ۱۳۸۲ ـ لاهور.

*　*　*

انتشار مجلهٔ فارسی زبان سفینه از سوی دانشگاه پنجاب

نخستین شمارهٔ مجلهٔ فارسی زبان سفینه با پیامهای رئیس دانشگاه پنجاب رئیس دانشکدهٔ خاورشناسی، دانشگاه پنجاب و دکتر مصطفوی رایزن فرهنگی ج.ا.ایران در پاکستان پا به عرصهٔ مطبوعات پاکستان گذاشت.

این مجله با سردبیری و زحمت جناب آقای دکتر سلیم مظهر مدیر گروه زبان فارسی آن دانشگاه منتشر می‌گردد.

مجله "پیغام آشنا" ضمن تبریک به همتای خود برای سرپرست معظّم و سردبیرگرامی و شورای مشاوران و نویسندگان ارجمند مقالات مجلّه، آرزوی توفیق بیش از پیش می‌کند.

چکیدہ مطالب بہ فارسی

این بخش بوسیله آقای جاوید اقبال قزلباش از روی متن مقالات اردو تهیه و
باهمت آقای دکتر محمد سلیم اختر بازنگری و ویرایش شده است

دیداری از خانه علامه اقبال در سیالکوت

نویسنده مقاله جناب آقای دکتر رضا مصطفوی رایـزن مـحترم فـرهنگی و استاد دانشگاه است که درخصوص دیداری از منزل اقبال بـه بـیان جـزئیات سـفر معنوی خویش پرداخته و در عین حال تاریخچه تاسیس آن شهر را ذکر نموده است. او سپس به خریده شدن آن منزل تاریخی توسط شیخ محمد رفیق پدر بزرگ اقبال و توسعه اش توسط شیخ نور محمد پدر اقبال اشاره می‌کند و برخـی از گـوشه هـای زندگی اقبال را بازگو می‌کند که او چگونه در همین منزل با پدر روحانی‌اش پیرامون مثنویهایش اسرار خودی و رموز بی‌خودی به بحث و گفت و گـو مـی‌نشسته‌است.

دولت پاکستان محل مذکور را خریداری نموده همراه با وسـایل آن آن را جزء آثار باستانی پاکستان قرار داده است. این منزل دارای کتابخانه مجهز با ۵ هزار کتاب است که برای استفاده دانشمندان اقبال شناس امکاناتش همیشه مهیا است.

ایده اقبال لاهوری در قبال تاریخ

دکتر اسلام انصاری نویسنده مقاله ضمن تعریف کلمهٔ تاریخ که از "ارخ" به معنی بیان کردن اوضاع و وقایع می باشد، و کلمهٔ History بزبان انگلیسی که از کلمه یونانی Historia به معنی تلاش و جستجو و تحقیق می‌باشد به ذکر ایده اقبال درباره تاریخ می‌پردازد و می‌گوید که اقبال تصور خویش را در این رابطه در مثنوی رموز بی خودی ارائه کرده و معتقد بود که تاریخ قدرت جهانگیر و همه جانبه است، به گفته نویسنده اقبال اولین شاعر اردو زبان است که خودش را با تاریخ وابسته کرد و ناخود آگاهانه خواهشمند ترویج آگهی تاریخی بود. و آنگـهی او اولیـن بـار در منظومهٔ موسوم به شکوه خودش را با تاریخ اسلام پیوند داد و سپس تعدادی دیگر از منظومه ها همچون مسجد قرطبه و ذوق و شوق وغیره را نیز در همین راستا سرود، تاریخ در نزد او یعنی تاریخ اسلام. او به توضیح و تشریح نظریه ابن خلدون تاریخ را به عنوان حرکتی خلّاق و اجتماعی توصیف می کند کـه سبب وا نـمودن درهـای فعالیت خلاقی برای انسانها می‌شود. اقبال که مفسر ایده خـودی بـود بـرای انسـان امکانات لا محدود خلاقی را قایل بود. تصور تاریخ وی نیز با قدرت ایـجاد فـرد

مربوط است. ازسوی دیگر او به تفسیر قرآن مطالعه انفس و آفاق را منبع علم می داند. لذا برای سیستم فکری اش مطالعه و آگهی پیرامون تاریخ خیلی مهم است. مراجعه به زمان گذشته و خواهش او درباره بازیافت خودی آنقدر شدید و نمایان است که اقبال را بی تردید می توان شاعر آگهی تاریخ خواند.

روان اقبال یعنی پیام دوستی پاکستان و ایران

نمایشنامه دکتر آغا محمد یمین که شامل ٦ نغمه است مبتنی است بر گفتگوی بین دو دوست ایرانی و پاکستانی آقای پرویز و آقای سهیل. آنها این نکته را مورد تاکید قرار می‌دهند که افکار اقبال موجب شکسته شدن زنجیرهای غلامی مسلمانان شد. او در مرحله اول به سازندگی کودکان، در مرحله دوم، روحیه میهن دوستی، و در مرحله سوم به فلسفهٔ عشق و عرفان، و در مرحله نهائی به سرودن اشعار صوفیانه و درویشانه پرداخت. طی منظره های شش گانه هر دو دوست نسبت به بیان ویژگیهای شعر اقبال می پردازند و خاطرنشان می کنند که چطور او توانست مسلمانان را بیدار کند و آنها را به دست یافتن به آزادی وادار سازد. آنان در ضمن پیامش را برای ایران و جهان اسلام نیز مطرح می کنند. همینطور طی گفتگو دربارهٔ شعر عرفانی اش آنرا شاگرد معنوی مولوی توصیف می کنند. از سوی دیگر اقبال در اشعار اسرار خودی اشاره می کند که علیرغم این که از مردم زمان خویش دلسرد است ولی ناامید نیست. او در این مقطع زمانی برای جهان اسلام نقش مولانا روم راکه یأس و نومیدی را در زمان خود از مسلمین بزدود ایفا کرد. نمایشنامه تاکیدی درباره اتحاد و محبت و یگانگی دو ملت ایران و پاکستان در اشعار اقبال پایان می پذیرد.

باب مدینه العلم ..... علی (ع)

نویسنده این مقاله، جناب آقای سید عباس حسین کاظمی مقاله‌اش را با شعر زیر جوش ملیح آبادی، شاعر و بزرگ زبان اردو نسبت به شخصیت علی(ع) آغاز می‌کند که :

تابندگی طره طرف کلاه علم　　　مولای جان رسول تمدن اله علم

و سپس به حدیثی از رسول خدا(ص) که من شهر علم هستم و علی دَرِ آن است و هر کسی که تصمیم به تحصیل علم بگیرد باید به آن در علم مراجعه کند، اشاره می‌کند. او به دلایل مختلف ابعاد مختلف شخصیت آن حضرت در علم را تصریح می‌نماید. این ابعاد شخصیت شامل جود و کرم و بخشش و علم و حمایت از رسول خدا(ص) و تحفظ و تذکر در شخصیت کامل علی(ع) و جانثاری و شجاعت و شهامت علی در جنگ بدر و اخلاصش در راه خدا، و روایات درباره ایمان و اعلام وصیت و جانشینی‌اش توسط رسول خدا(ص) و نظر و عقیده‌اش درباره قرآن و این که او همواره با قرآن است و قرآن با او و قدرت اراده و عزم بالجزم او و سازش ناپذیری‌اش با دشمنان اسلام و منافقین و پول و جاه پرستان و روش کریمانه‌اش و قدرت علم و قلم و حلم او همه را در بر می گیرد.

میر سید علی همدانی شخصیت تاریخ ساز

نویسندهٔ مقاله آقای دکتر سید عبدالرحمن همدانی ضمن معرفی شخصیت سالار عجم می‌گوید که او در سال ۷۱۴ ھ در شهر قدیمی همدان متولد شد. او از اخلاف امام حسین(ع) بود. پدرشان سید شهاب‌الدین همدانی علیرغم اشتغال به امور سلطنت از مقربان بارگاه الهی بود.ایشان صرف نظر از دولت و ثروت و جاه به تحصیل علم مشغول شد و در دوازده سالگی قرآن را حفظ و علوم دین را تحصیل کرد. ایشان از سه شیخ اجازه ارشاد را تحصیل کرد. حضرت سمنانی (ره) که دایی ایشان بود مربی ایشان شد و یکسال به کار ترکیه نفس او مشغول بود. ایشان مناجاتی را در آنزمان سخت می خواند : "ای مرکز و محور امید حاجت مندان من به تو رو آورده ام پس مصیبت و فاقه و درویشی ام را چاره کن، ای محور امیدم گناهم را به بخش و حاجتم را برآور. او طی سیرارض ۱۴۰۰ ولی خدارا زیارت نمود و از آنان کسب فیض کرد که از بیست تا اجازه ارشاد نیز تحصیل نمود. و مجموعه‌ای به عنوان اوراد فتحیه تهیه نمود. ایشان سه بار کشورهای چین و روس و لداخ و گلگت را پیمود. با اسقف مسیحی احتجاج نمود او گفت بقول پیغمبر شما علمای اسلام همانند پیغمبران بنی اسرائیل اند لذا کاری از آن پیغمبران را از خود ارائه کن. ایشان هم مرده‌ای را زنده کرد که سبب اسلام آوردن اسقف شد. ایشان با دختر سیدی ازدواج

کرد. چندین بار شاهان و امرا برای شهید کردنش به او زهر دادند ولی خدا حفظش کرد. در عین حال اثر سم باقی ماند و دردش هرسال عود می کرد. ایشان از ترس تیمور هجرت کرد و همراه با ۷۰۰ نفر از سادات شامل هنرمندان و کارگران و کارشناسان به کشمیر آمد و در حدود ۳۷ هزار کشمیری را مسلمان کرد. ایشان برای آنها مساجد احداث کرد و نماز جماعت اقامه نمود. ایشان در حدود ۱۷۰ کتاب که شامل ذخیرة‌الملوک و مشارب الاذوق و رساله همدانیه می‌باشد تصنیف کرد.

آثار میر سید علی همدانی در بلتستان

نویسندهٔ این گفتار آقای فدا محمد ناشاد طی مقاله‌اش اشاره به شخصیت همه گیر و علمی و آن سید السادات او را به زهد و تقوی و سیاستمداری و نویسندگی و تحقیق و کارشناسی فنی و هنری می‌ستاید و می‌گوید پیشتر از ورودش به بلتستان مذهب بودائی در آن منطقه رایج بود که توسط این مبلغ بزرگ خاتمه یافت و اسلام ترویج شد. طی ده سال از سال ۸۵ - ۷۷۵ ایشان سه بار به کشمیر تشریف آوردند و ضمن بپا نمودن انقلاب بزرگ اسلامی، فرهنگی و سیاسی در آن منطقه اول خانواده مقپون را که حکمران اسکردو بود مسلمان کرد و بعد کلیه جمعیت منطقه مسلمان شد. معبدهای بودائی را خراب کردند آنجا مساجد بنا نمودند و نماز جماعت اقامه کردند. بعده به ایالت شگر متوجه شدند و خانوادهٔ عماچه را که زمامدار منطقه بود به پذیرفتن به اسلام وا داشت و مسجد زیبائی در آن منطقه احداث نمود که روی درش با دست خودش سورهٔ مزمّل را نوشت. وی خانقاهی نیز احداث کرد بعداً شاه همدان حکمران سومین ایالت یعنی خپلو که زیرنگین خانواده بیگو بود را به سلک اسلام در آورد. آنجا نیز در عوض معبد مذهب بودائی مسجد و خانقاهی احداث نمود. از روی واقعیت او همراه با ترویج اسلام انقلاب جدیدی بپا نمود که شامل صنایع و حرفه و هنر چوبی، نقش و نگار مرصع ایرانی و زبان و ترویج اصطلاحات عربی و فارسی در زبان محلی بود.

امروزه اخلاص مخصوص مردم بلتستان که شامل ایثار و مهمان دوستی، و صلح و مروت می باشد ناشی از تعلیمات همان فرد جلیل اسلام است.

برخی از خاطرات قتیل شفایی

نویسندهٔ نوشتار خانم شبنم شکیل که شاعر و نویسنده معروف و فردی از خانواده ادبی و علمی و دختر آقای عابد علی عابد منتقد ادب و ادیب بزرگ است خاطراتی از قتیل شفایی شاعر ممتاز و عوامی پاکستان و دوست پدرش را بازگو می کند. او شعر قتیل را تا حدی زیبا توصیف می کند که گاهی زیبایی اش بصورت خیر و نیکوکاری و گاهی هم به شکل محبت با همه جنبه های مثبت و لهجه توانا و منفرد ابراز شده است.

اگرچه همانند تمام شعرا و ادبا بزرگ قتیل نیز در زمان خودش مورد انتقاد حاسدین قرار گرفته بود ولی آنها نتوانستند از اهمیت او چیزی را کم کنند. بقول نویسنده او شاعر محبت بود و نویسنده محبت کردن را از نغمه های پرآهنگ او یادگرفت. او نسبت به سایر موضوعات شعر گفت ولی احساس شدید جمال که در او بود شعرش را بصورت سنگ پارس درآورد که هر چیزی را که بدان برخورد طلا می شود. او حتی در شعر مخالفت آمیزش نیز غنا و موسیقی را از دست نداد. او شاعر انسان دوست و دوستدار مظلومین و محرومین و اقشار برهنه پا بود و درد آنها را احساس می کرد.

امروزه که تبعیضات مختلف از جمله تنّفر و انزجار آدم را از آدم بیگانه کرده است تریاق مرض تنّفر فقط محبت است و او باین دارو خیلی آشنا بود و برای زدودن درد انسانها از آن استفاده می‌کرد.

روزی چند در سرزمین محبت ها

مقالهٔ حاضر مشتمل است بر خاطرات و مشاهدات محبت آمیز نویسندهٔ دکتر گوهر نوشاهی از مسافرت سه روزهٔ ایران برای شرکت در سومین مجمع بین‌المللی استادان زبان فارسی.

ارث فرهنگی بهاول پور : کاخهای شاهی

نویسنده دکتر شاهد حسن رضوی استاد بخش تاریخ و مطالعه پاکستان در دانشگاه اسلامی بهاولپور طی نوشتارش به ارث فرهنگی بهاول پور که جزئی از فرهنگ کلی کشور است، جزئیات کاخهای امرا و شاهان منطقه را بیان می نماید. او می گوید اولین مسکن نواب بهاول پور متعلق به نواب صادق محمد خان اول بود. همینطور دژ دیر که ۳۲ مایل در وسط دشت چولستان قرار دارد و در سال ۹۳۴ م توسط راجه های قوم باتی احداث شده بود و آنجا نواب نامبرده جهت کنترل نظامی منطقه مستقر شد، نشانگر سنت های قدیم بنایی هندوها است. این دژ ۴۰ مناره دارد. امیر بهاول خان (۱۴۹۰ - ۱۷۴٦م) خود شهر بهاول پور را تأسیس کرد. در سال ۱۸۷۲ م نواب صادق محمد خان کاخی به عنوان نور محل را احداث کرد که کاخ جالب سفید و نمونه هنربنایی ایتالیا بود. بعداً در سال ۱۹۰۲ مسجدی نیز در آن احداث نموده شد. در سال ۱۸۸۱م نواب صادق محمد خان به هزینهٔ دولت با خرج دویست هزار روپیه کاخ دولت خانه را در بهاول پور احداث کرد. دولت خانه مولد بهاول خان خامس و نواب محمد خان خامس زمامداران بهاول پور بود. در سال ۱۹۰۴ نواب بهاول خان خامس به ساختن تعدادی کاخهای دیگر از جمله گلزار محل، نشاط محل، فرخ محل دستور داد. زیباترین کاخهای والیان ایالت کاخ صادق گراست که به هزینهٔ ۱/۸ میلیون روپیه بنا گردید. کلیه کاخهای مذکوره بهاول پور نشانگر سبک بنای اسلامی ست. حتی اگر شیوه غربی هم داشته است٬ الزاماً برج و گنبد نیز دارد. بیشتر کاخها در زمان نواب صادق محمد خان رابع ساخته شد زیرا که او به بنای کاخها و ساختمانها خیلی علاقه مند بود و ازین لحاظ او را می توان همتای شاهجهان پادشاه تیموری توصیف کرد.

ساختمان یادگار دوره مغول : مسجد اخوند پنجو بابا

نویسنده مقاله آقای ابراهیم شاه طی مقاله اش ضمن ذکر تاریخ ساختمان های باستانی دوره تیموری به ذکر مسجد اخوند پنجو باباکه از روحانیون برجسته دورهٔ اکبر بود (۹٦۳ هـ - ۱۰۱۴ هـ) نیز اشاره کرده است. اکبر شاه از جمله ارادتمندانش

بود و به مقام علمی و معنوی‌اش ارج می نهاد و او این مسجد را بنا نهاده بود. نویسنده پس از ذکر خصوصیات ساختمان مسجد به ذکر ویژگی خاص آن می پردازد که اصل مسجد تا یک متر در زمین فرو رفته ولی شگفت انگیز این است که هیچ دیوارش نترکیده و آسیب ندیده است. و رواق هایش که بعداً ساخته شد نیز درست است. امیر محمد شاه رضوانی در کتابش تحفة الاولیاصفحه ۲۴ می‌نویسد که مرحوم حاجی دریا خان از اخوند از علایم و آثار قیامت سوال کرده بود و ایشان گفته بود: "هنگام غرق شدن محراب مسجد من در زمین!".

بخش فارسی، دارالعلوم ناجیه پیشاور

دکتر سید محمد ظاهر شاه بخاری نویسنده مقاله اشاره به دارالعلوم ناجیه که توسط حاج محمد امین عمر زئی تاسیس گردید، فعالیتهای بخش فارسی اش را مورد بحث قرار داده است. او می نویسد که پس از تاسیس بخش مذکور مولانا محمد ولی الله قادری ذخوئی درس گلستان و بوستان و دیوان حافظ و یوسف زلیخا و سکندرنامه و مثنوی مولوی، را دایر کرد و او این کتب را همراه با روحیه خاص تدریس می کرد. بگفته اش هرکه گلستان و بوستان خوانده باشد و اهلیت منصب وزارت را نداشته باشد اوگوئی آن کتب را نخوانده است. استاد مذکور معمولاً اشعار فارسی را با لحنی خوش قرأت می‌کرد. نویسنده پس از ذکر مولانا محمد ولی به ذکر پسرش مولانا محمد احسان الله جان قادری که پس از وفات پدرش دارالعلوم ناجیه را اداره کرد و بخش فارسی آن را نیز از سر نو منظم ساخت و غیز از درسهای دیوان حافظ و گلستان و بوستان، درس دورهٔ مثنوی را نیز دایر کرد، می‌پردازد. نویسنده مقاله که از جمله شاگردان اوست یادآور می‌شود که استاد در گفتگویش اشعار گهربار مولوی و سعدی و حافظ و جامی را مرتب می خواند و می‌گفت که من شاگرد مولای روم و سعدی هستم و می گفت "هرکه مرشدی ندارد مثنوی را بخواند".

حافظ شیرین سخن

نویسنده مقاله خانم دکتر رشیده حسن عضو هیأت علمی زبان و ادبیات فارسی در دانشگاه ملی زبانهای نوین است که ابعاد مختلف شخصیت جالب و آفاقی حافظ را مطرح می‌کند و می‌گوید که او تجربیات وسیع زمان خود را داشت و اوج و زوال شاهان زمان خویش را مشاهده کرده بود و حتی در اوضاع نامساعد نیز از ذکر عیش و نشاط و باغ و بهار و گل و بلبل چشم نمی‌پوشد و رونق زندگی و عیش دنیا را در می گوارا و کنار جویبار می‌بیند و علیرغم درویشی‌اش از گل و نبیذ نمی تواند صرف نظر کند، شعر او در کمال امتزاج عشق مجازی و حقیقی‌است. حرفهایش نسبت به عشق حقیقی نشانگر جمال و زیبائی تام است و همین جمال هم سرچشمه الهامی شعرش می باشد. دیدار زیبای چهره معشوق او را حتیٰ در عین پیری‌اش نیز جوان نگهه می‌داشت. حافظ خودش را از افتراق و انتشار حفظ می کند و به جماعت می پیوندند. او همواره دلدادهٔ شوق و مستی و می‌پرستی است و معتقد بدین امراست که روحیه عشق زوال ناپذیر است و زندهٔ جاوید! خلاصه شعر حافظ وجدان انسان را به خداگرایی و تصوف و اخلاص سوق می‌دهد و توان عشق را در انسان زنده نگهه می‌دارد.

کلمات قصار حضرت علی (ع) و حضرت عیسی (ع)

نویسنده خانم دکتر شگفته موسوی در این مقاله به بیان کلمات مختصر حضرت علی(ع) و حضرت عیسی(ع) درخصوص موضوعات همچون خداخواهی، علم و دانش، عقل و وجدان، تدبر و تعقل، تقویٰ و ورع، اخلاق نیکو، ایمان، عدل، زندگی و مرگ، رفتار با شاهان، جهاد، رزق و زندگی دنیا می‌پردازد. نویسنده نیز به معرفی خصوصیات حضرت عیسی(ع) مبادرت می‌ورزد و تعدادی از اقوال آن پیغمبر گرامی(ع) را بنقل از بحارالانوار علامه مجلسی ارائه می‌دهد که اینها از جمله شامل حقیقت دنیا و محبت آن، علم و صاحب علم، لزوم حکمت، معرفت نفس، سکوت و مروت، کبر و نخوت، اشرار و فتنه گران، ذکر خدا، اهمیت اصلاح نفس وغیره می‌باشد.

شیوه‌های نفوذ و عملکرد استعمارگران

مقاله ذیل موضوع شیوه‌های نفوذ و عملکرد استعمارگران از نظر امام خمینی(ره) را در بر می‌گیرد و توسط آقای مهدی خطیب کارشناس محترم فرهنگی رایزنی فرهنگی جمهوزی اسلامی ایران تهیه گردیده است. و هدف اصلی این مقاله شناخت شگردها و عملکرد استعمارگران در ایجاد اختلاف بین امت اسلامی می‌باشد. نویسنده در این ضمن به عظمت امت اسلامی و قداستی که درگذشته داشته است و به انواع حیله های نفوذ استعمارگران در صفوف امت اسلامی برای متفرق کردن آن و راههایی که تاکنون از آنها برای تضعیف امت مسلمان استفاده شده است، اشاره می کند و می نویسد که "در این سطور بر آن شدیم تا این شیوه‌ها را از زبان بزرگمرد معاصر و بنیادگذار نظام مقدس جمهوری اسلامی ایران حضرت امام خمینی (ره) بیان نمائیم. باشد که امت اسلامی با تأسی به فرمایشات آن یگانه عنصر الهی راهیابی نموده و شکوه و عظمت امت اسلامی را بار دیگر با اتحاد و وحدت خود بنمایش در آورد انشاءاللّه".

یادداشتی دربارهٔ خانه فرهنگ ایران، کویته

پرفسور امان ا.. شادیزیی ضمن بر شمردن خاطرات خود دربارهٔ مدیران خانه فرهنگ کویته به ذکر آقای اسماعیلون می پردازد و او را به عنوان یک شخصیت بااخلاق و مخلص توصیف می کند. نامبرده در جنگ تحمیلی شهید شد. سپس به ذکر آقایان اسعدی و ابراهیمیان می پردازد و می گوید که آنها قهرمان معارف پروری بودند نصف کتابخانه‌اش اهدائی آنان است. نویسنده آقای عیسیٰ کریمی مدیر فعلی خانه فرهنگ کویته را نیز به زیرکی و هوشمندی می ستاید و او را آدم دوست داشتنی توصیف می‌کند. مشارالیه دستور نوشته شدن اشعار اقبال را روی ساختمان خانه فرهنگ ایران در کویته دادند. به گفتهٔ نویسنده آقای کریمی فراورد زیبای انقلاب اسلامی است و اظهار امیدواری می کند که انقلاب اسلامی ایران تربیت این گونه شخصیات را ادامه خواهد داد.

* * *